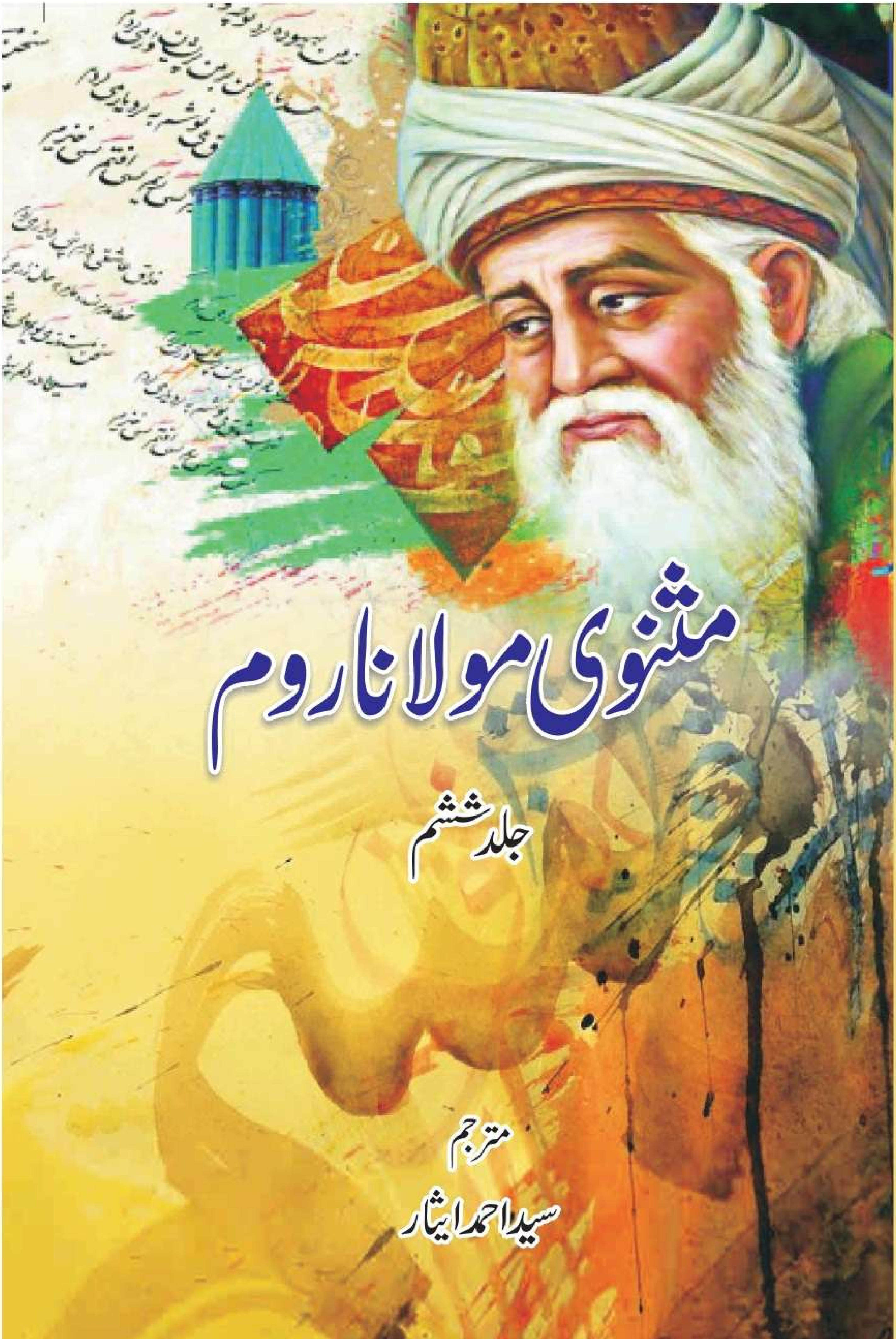

مثنوی مولانا روم

جلد ششم

مترجم

سید احمد ایثار

مثنوی مولانا روم

جلد ششم

مترجم

سید احمد ایثار

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون ایف سی، 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی۔110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت	:	
تعداد	:	
قیمت	:	روپے
سلسلہ مطبوعات	:	

Masnavi Maulana Room

Translated by: Syed Ahmad Esar

ISBN :

پیش لفظ

افراد و اجتماع کی ترقی آگہی اور معلومات سے مشروط ہے اور آگہی کے تمام دروازے کتابوں کے ذریعے ہی کھلتے ہیں۔ کتابیں ہمیں روشنی کی ایک نئی دنیا سے روشناس کراتی ہیں اور ہمارے احساس و اظہار کو تحریک عطا کرتی ہیں۔ مگر صارفی معاشرت نے ہماری ترجیحات بدل دی ہیں۔ کتابوں سے ذہنوں کا رشتہ کمزور پڑتا جا رہا ہے۔ ڈیجیٹل ٹکنالوجی کی وجہ سے متبادل قرأت کی ایک نئی صورت جنم لے رہی ہے۔ اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ مطبوعہ کتابوں کی معنویت کم نہیں ہوئی بلکہ کتابیں ہمیشہ زندہ رہیں گی کیونکہ مطبوعہ کتابوں کے لمس کی لذت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ ای بکس نے گوکہ قاری کا ایک نیا طبقہ پیدا کیا ہے مگر مطبوعہ کتابوں سے آج بھی دنیا کی بڑی آبادی کا رشتہ قائم ہے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ حسب سابق جاری و ساری ہے۔

علمی اور تہذیبی ورثے کا تحفظ ہمیشہ سے ایک اہم مسئلہ رہا ہے اور ہمارے ارباب نظر نے اس کے تحفظ کے لیے مختلف صورتیں بھی نکالی ہیں۔ قومی اردو کونسل بھی ایک ایسا ادارہ ہے جس نے علمی اور تہذیبی وراثت کے تحفظ کے لیے مختلف علوم وفنون کی نہ صرف کتابیں شائع کی ہیں بلکہ ''ای کتاب'' کے ذریعے بھی اس کے تحفظ کی ایک نئی صورت نکالی ہے۔ قومی اردو کونسل نے

جہاں لسانیات، ادبیات، تکنیکی و سائنسی علوم، ریاضیات، شماریات اور دیگر علوم کی فرہنگ و اصطلاحات، کلاسیکی ادب پاروں، نادر و نایاب کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ قائم رکھا ہے وہیں ''ای کتاب'' اور'' ای لائبریری'' کے ذریعے اہم کتابوں کے تحفظ کی بھی کوشش کی ہے۔ کونسل نے ذولسانی (اردو اور انگریزی) ایپ ''ای کتاب'' تیار کیا ہے جس میں گلوبل لینگویج سپورٹ کے علاوہ انٹریکٹو فہرست کے ذریعے مطلوبہ باب تک رسائی اور الفاظ کے معانی دیکھنے کی سہولت بھی موجود ہے۔ کونسل سے شائع شدہ اہم کتابیں اس کی ویب سائٹ (ای لائبریری) پر موجود ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ کونسل کی اہم مطبوعات سے استفادہ کرسکیں۔ قومی اردو کونسل نے کم قیمت پر اردو زبان و ادب کا سرمایہ شائقین تک پہنچانے کی کوشش کی ہے اور کونسل اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی ہے کہ اس کی کتابیں صرف برصغیر نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ کونسل ترجیحی طور پر ان کتابوں کی اشاعت کرتی ہے جس کے ذریعے ہم حیات و کائنات کے رموز و اسرار، آداب زندگی اور قرینۂ اظہار سے اچھی طرح واقف ہوسکیں۔

یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب اساتذہ اور طلبا کے علاوہ عام قارئین کے لیے بھی بے حد مفید ثابت ہوگی۔

شیخ عقیل احمد
ڈائرکٹر

فہرست

	مقدمہ	xiii
1	تمہید: خطاب بہ حسام الدین	1
2	ایک سائل کا واعظ سے سوال کرنا......مطابق جواب دینا	7
3	پرانی عزتوں کی برائی جو ایمان کے ذوق سے مانع ہیں......کاٹ لیں گی	9
4	دعا اور اللہ تعالیٰ سے پناہ ڈھونڈنا......نہیں دیکھا ہے	11
5	اس ہندی غلام کی حکایت جو اپنی آقازادی سے مخفی طور پر محبت کرتا تھا ......علاج کر دیا	14
6	آقا کا لڑکی کی ماں کو صبر کا حکم دینا......نہ کباب کچا رہے	15
7	اس بیان میں کہ یہ دھوکہ تنہا اس ہندی کو نہ تھا......جس کو اللہ بچائے	17
8	اس آیت کی تاویل کی وسعت کے بیان میں ''جب وہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اس کو بجھا دیتا ہے''	19
9	اس معنی کی تفسیر میں قصہ	19
10	بادشاہ کا امرا اور متعصبوں پر فضیلت اور مرتبے اور قرب......باقی نہ رہے	21

11	ان امرا کا جبریوں کی طرح ان کے شبہ کے ساتھ اپیل کرنا......	22
12	اس شکاری کا قصہ جس نے اپنے آپ کو گھاس میں لپیٹ لیا......درود وسلام ہو	23
13	اس شخص کا قصہ جس کا دنبہ چوروں نے چرا لیا...... کپڑے بھی چرا لیے	25
14	پرندے کا شکاری کے ساتھ رہبانیت اختیار......رہبانیت نہیں ہے	26
15	اس چوکیدار کا قصہ جس نے خاموشی اختیار کی......	29
16	پرند کا جال میں اپنی گرفتاری کو زاہد کے فعل اور مکر اور دھوکے سے وابستہ کرنا......	30
17	اس عاشق کی حکایت جو معشوق کے وعدے کی امید پر حجرے میں پہنچا......	32
18	ایک مخمور ترک امیر کا گویے سے صبح کی شراب کے وقت فرمائش کرنا......	35
19	نابینا کا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آنا اور نابینا کے سامنے سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھاگ جانا......	36
20	مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا امتحان کرنا......بات کی مقلد ہیں	37
21	حکایت اس قوال کی جس نے ترک سردار کی مجلس میں یہ غزل شروع کی......	38
22	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ وسلم کے قول مرجاؤ قبل اس کے کہ مرو......	39
23	اس غافل کی تشبیہ جو عمر ضائع کر دیتا ہے......مناسب مرثیہ پڑھے	42
24	شاعر کا حلب کے شیعوں کے طعنہ کے لیے ایک نکتہ کہنا	43
25	اس لالچی کی مثال جو اللہ تعالیٰ کی رزاقی اور رحمت کے خزانوں کو دیکھنے والا نہیں ہے......	43
26	ایک شخص کا قصہ جو آدھی رات کو ایک مکان میں سحری کا نقارہ بجا رہا تھا......	46
27	حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ، حجاز کی گرمی میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں دن چڑھے احد احد کہنا......	48
28	حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ اور ان پر کافروں کے ظلم......خریدنے میں مشورہ کرنا	51
29	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمانا کہ ......آدھی قیمت مجھ سے لے لے	53

30 کافروں کا ہنسنا اور خیال کرنا کہ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس معاملے میں ٹوٹے میں ہیں 55
31 حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ناراضگی کا اظہار کرنا کہ......صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معذرت کرنا 57
32 بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ جو صاحب بصیرت بغیر تقلید کے خدا کے مخلص بندے تھے...... 59
33 اس معنی کے بیان میں 60
34 اس معنی کے اثبات میں حکایت 60
35 اسی معنی کے اثبات کی حکایت 61
36 بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصہ کی جانب رجوع 61
37 بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیمار ہو جانا اور ان کے آقا کی حقارت......مزاج پرسی 62
38 بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مزاج پرسی کے لیے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سردار اصطبل میں جانا......کونوازنا 63
39 اس کا بیان کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ عیسیٰ علیہ السلام...... 63
40 اس بوڑھی عورت کا قصہ جو اپنے بھدے چہرے پر پاؤڈر ملتی تھی...... 65
41 اس فقیر کا قصہ جس نے ایک گیلانی کو دعا دی......واپس پہنچا دے 66
42 اس بڑھیا کا بیان اور اس کے قصہ کی جانب واپسی 66
43 اس فقیر کا قصہ کہ ایک گھرانے سے جو کچھ بھی مانگتا تھا وہ کہہ دیتے تھے کہ نہیں ہے 67
44 اس بوڑھی عورت کی داستان کی طرف رجوع 68
45 اس بیمار کی حکایت جس میں طبیب نے صحت کی امید نہ دیکھی 69
46 اس بیمار کے قصہ کی طرف واپسی 70
47 ہندو غلام اور سلطان محمود کا قصہ 73
48 نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانے والوں کو موت کا غم نہیں ان کو موت کی حسرت ہے 76
49 صوفی وقاضی کے قصہ کی جانب دوبارہ واپسی 78

50	صوفی کا طمانچہ مارنے والے کی جانب جانا اور اس کو قاضی کے یہاں لے جانا	79
51	قاضی و صوفی کے قصہ کی تقریر	80
52	پس بیمار فقیر کے طمانچہ سے قاضی کا مکدر ہونا اور صوفی کا قاضی کو ملامت کرنا	82
53	جواب دینا قاضی کا صوفی کو	82
54	صوفی سے قاضی کا سوال کرنا	84
55	قاضی کا اس صوفی کو جواب دینا	84
56	پھر اس صوفی کا اس قاضی سے سوال کرنا	86
57	صوفی کے سوال پر قاضی کا جواب دینا اور چور کے قصے کی مثال دینا	86
58	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تفسیر اللہ تعالیٰ واعظوں کی زبان سے سننے والوں کی ہمت کے بقدر تلقین کرتا ہے	86
59	ایک ترک کا دعویٰ کرنا اور بازی لگانا کہ کوئی درزی میری کوئی چیز نہیں چرا سکتا	87
60	ترک کا درزی کے گھر کا پتہ معلوم کرنا	87
61	درزی کا ترک سے ہنسی کی باتیں کرنا...... چوری کا موقع پانا	88
62	اس نفس کو خطاب جو اس جیسی بلا میں پھنسا ہے	89
63	ترک سے درزی کا کہنا کہ خبردار چپ ہو جا کہ...... تیری قبا تنگ ہو جائے گی	90
64	اس کا بیان کہ بیکار اور افسانے کے جویاں اس ترک جیسے ہیں...... بنانے کے لیے	90
65	زمانے کے ظلم سے فقیروں کو تسکین دینے میں اس دنیا کی مثال دینا	91
66	صوفی کا اس سوال کو مکرر کرنا	91
67	قاضی کا صوفی کو جواب دینا	92
68	اس بیان میں حکایت کہ رنج پر صبر کر لینا دوست کے فراق پر صبر کرنے......	92
69	ایک عارف کی ایک پادری سے دریافت کرنے کی مثال کہ تو داڑھی سے زیادہ عمر کا ہے یا داڑی تجھ سے	94
70	اس فقیر کا قصہ جو بغیر کمائی اور مشقت کے روزی طلب کرتا تھا	96

71	اس گنج نامہ کا قصہ کہ انھوں نے کہا......گرے خزانہ ہے	97
72	فقیر کے قصے کی تکمیل اور اس خزانے کی جگہ کا پتہ	101
73	اس خزانے کی خبر کا پھیلنا اور بادشاہ کے کان میں پہنچنا	102
74	اس خزانے کے نہ پانے سے بادشاہ کا ناامید ہونا......عاجز آجانا	102
75	بادشاہ کا ناامید ہوجانا اور گنج نامہ کو اس فقیر کو واپس کردینا کہ......	103
76	شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ کے مرید کا قصہ	106
77	اس آنے والے کا شیخ کی بیوی سے معلوم کرنا کہ......مناسب جواب دینا	107
78	مرید کا جواب دینا اور اس طعنہ زن کو کفر اور بیہودہ گوئی کی وجہ سے جھڑکنا	107
79	شیخ کے گھر سے مرید کا لوٹنا اور لوگوں سے دریافت کرنا......جنگل میں گئے ہیں	109
80	مرید کا مراد حاصل کرلینا اور جنگل کے قریب شیخ سے اس کی ملاقات	110
81	میں زمین میں قائم کرنے والا ہوں، کی حکمت	111
82	پیغمبر ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ہوا کے تیز ہونے کے وقت......	113
83	قبہ خزانے کے قصہ کی جانب رجوع	116
84	بہت سی عجز و مجبوری کے بعد اس خزانے کے طلب گار کا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع......	118
85	غیبی آواز کا خزانے کے طلبگار کو پکارنا اور اس کے راز کی حقیقت سے باخبر کرنا	120
86	تین مسافروں، نصرانی اور یہودی اور مسلمان کا قصہ......کیونکہ وہ عاجز تھا	122
87	اونٹ اور بیل اور دنبہ کا قصہ......وہ لے جائے گا	126
88	خود پرستوں کی اور بھلائی کے پردے میں ان کی برائی کی حالت کے بیان میں حکایت	126
89	اونٹ اور بیل اور دنبہ کی حکایت......تاریخ ظاہر کرنا	127
90	عیسائی و نصرانی کو مسلمان کا جواب دینا جو اس نے دیکھا اور ان کا حسرت کرنا	127
91	ترمذ کے بادشاہ سردار کا منادی کرانا......یہ کام نہیں کرسکتا	129
92	حکایت چوہے اور مینڈک کے تعلق کی......کرنے پر پشیماں ہونا	134

93 چوہے کی مینڈک سے تدبیر کرنا...... مجھے خبر آ سکے 136

94 خوشامدی چوہے کا مبالغہ کرنا اور پانی کا مینڈک سے جوڑ چاہنا 137

95 چوہے کا مینڈک کی خوشامد کرنا...... واحدی حقیقت ہے 139

96 چوہے اور مینڈک کی حکایت کی جانب رجوع 140

97 رات اور چوروں کا قصہ کہ سلطان محمود...... سے باخبر ہو گیا 144

98 اس سمندری بیل کا قصہ جو ایک قیمتی گوہر...... پر بھاگ جاتا ہے 149

99 اس چوہے کا اس مینڈک کو نہر کے کنارے طلب کرنے کے قصہ...... خبردار ہو جائے 150

100 عبدالغوث کا قصہ اور اس کو پریوں کا لے جانا...... کی وجہ سے 152

101 اس شخص کی داستان جس کا محتسب کی جانب سے تبریز میں وظیفہ مقرر تھا...... 154

102 حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قلعہ پر قبضہ کرنے کے لیے تنہا جانا...... 155
بڑا مجمع رکھتا ہے

103 قرض لیے ہوئے شخص کی حکایت...... تبریز کی جانب آنا 158

104 اس پردیسی کا محتسب سے باخبر ہونا...... ایک مدت مقرر کی 159

105 دو دیکھنے والے کی مثال...... جداگانہ سمجھتا رہوں گا 164

106 مددگار کا تمام شہر تبریز میں چندہ جمع کرنا...... اس کی قبر پر کہنا 166

107 ایک بکری کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھاگنا...... مہربانی اور شفقت 167

108 خوارزم شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا سفر میں اپنے جلوس میں ایک نادر گھوڑے کو دیکھنا...... فرماتے ہیں 170

109 حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم...... آقا کے سامنے 173

110 سلطان اور گھوڑے اور عماد الملک کے قصہ کی جانب رجوع اور شاہ کو شرمندہ کرنا 175

111 مددگار اور اس قرضدار پردیسی کے قصہ کی طرف رجوع...... خواب میں دیکھنا 178

112 خواجہ کا خواب میں اس مددگار سے اس دوست سے...... واپس نہ لیں گے 179

113 اس بادشاہ کی حکایت اور اس کا اپنے تین لڑکوں کو وصیت کرنا...... چکر نہ کاٹنا 182

114 عارف کا ابدی زندگی کے سرچشمہ سے مدد حاصل کرنا...... حکم الٰہی ہے 183

115 تینوں شہزادوں کا باپ کے مما لک میں روانہ ہونا...... میں نہ جانا 185
116 بادشاہ کے لڑکوں کا قلعہ کے جانب جانا...... سے نہ ہوتے 188
117 اس تصویروں والے قلعہ کے قصر میں شاہ چین کی لڑکی کی تصویر دیکھنا...... 191
118 صدر جہاں بخاری کی حکایت...... سے پہچان لیتا 193
119 ان دو بھائیوں کی حکایت...... تو نے کیوں رکھا 195
120 اس حدیث کی تفسیر کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی...... پوری تقریر کے 198
121 ان تین شہزادوں کا اس واقعہ کی کھود کرید کرنا 198
122 سب سے بڑے بھائی کی گفتگو 198
123 اس کا ذکر کہ ایک بادشاہ ایک فقیہ کو جبراً مجلس میں پکڑ لایا...... کے لیے دے دی 200
124 بحث اور واقعہ کے پورا کرنے کے بعد شہزادوں کا...... ہونا اچھا ہے 203
125 امراء القیس کی حکایت جو عرب کا بادشاہ اور...... بڑے فضل والا ہے 204
126 ٹھہرنے اور چین کے شہروں شہر دار الخلافہ میں چھپے...... فائدہ نہ دینا 207
127 اس مجاہدہ کرنے والے کا بیان جو مجاہدے سے دستبردار نہیں ہوتا...... 213
128 اس شخص کی حکایت جس نے خواب میں دیکھا کہ...... حاصل نہ ہوگا 215
129 مومن کی دعا کی قبولیت میں تاخیر کا سبب 216
130 اس شخص کے قصہ کی طرف واپسی جس کو مصر میں...... عاجزی کرنا 217
131 اس شخص کا مصر میں پہنچنا اور رات کو ایک کوچہ میں...... ثابت کرنے میں 218
132 اس حدیث شریف کا بیان کہ سچ اطمینان ہے اور جھوٹ شک 219
133 کوتوال کو مسکین پردیسی کا اپنا خواب بیان کرنا اور اسی کے گھر میں خزانہ کا پتہ دینا 221
134 اس شخص کا خوش خوش اور مراد...... نہیں پہنچتی ہے 223
135 بھائیوں کا سب سے بڑے بھائی کو نصیحت کرنا...... گستاخی اور لاپروائی سے 225
136 قاضی کا جوجی کی بیوی پر عاشق ہو جانا...... کو تلاش کر لے 228
137 قاضی کا جوجی کی بیوی کے گھر پہنچنا...... دوسری جگہ نہ تھی 230

138	نائب قاضی کا بازار میں آنا جوجی سے صندوق خریدنا	232
139	حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا بیان......حکم کر رہے ہیں	234
140	دوسرے سال جوجی کی بیوی کا قاضی کی کچہری میں آنا......اس کو پہچان لینا	234
141	شہزادے کے قصے کی طرف واپسی اور اس کی شاہ کے دربار سے وابستگی	236
142	شاہ چین کے پردیسی، عاشق شہزادے کو نوازنے اور احترام کرنے کے بیان میں	237
143	اس کا بیان کہ وہ دوزخ کے پل صراط پر اس کے اوپر ہے،......میری آگ بجھادی	237
144	شہزادوں میں سے بڑے بھائی کا مرجانا......صحبت اختیار کرنا	238
145	منجھلے بھائی کا بھائی کے جنازے پر آنا......دولتیں حاصل ہونا	239
146	اس وسوسہ کی جو شہزادے میں استغنا اور اس کے کشف کی وجہ سے پیدا ہوا......خبر نہ ہوئی	245
147	خطاب اللہ تعالیٰ بہ عزرائیل علیہ السلام کہ تجھے......حضرت عزت کو جواب	247
148	شیخ شیبان راعی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی کرامات	248
149	اللہ تعالیٰ کا نمرود کو بچپن میں بغیر ماں دایہ کے واسطے سے پرورش کرنے کا قصہ	249
150	اس شہزادے کے قصے کی جانب رجوع......دنیا سے چلا گیا	251
151	اس شخص کی وصیت کی مثال جس کے تین لڑکے تھے......سے بھی کہہ دیا	251
152	مثل	253
153	ان کے صاحبزادے عارف کامل محقق مولانا بہاء الملۃ والدین قدس سرہٗ کا اختتام	254

مقدمہ

بیسویں صدی کے تیسرے دہے کا وہ کون سا سال تھا یاد نہ رہا۔ بنگلور چھاؤنی کی میسور لانسرز کی مسجد کے برابر کھلے میدان میں وعظ کی محفل کا انعقاد ہوا۔ رات کا وقت تھا۔ حضرت قاضی سید نصیر الدین حسینی چشتی القادری وعظ فرمارہے تھے۔ قاضی صاحب کی خوشنوائی اتنی جاں فزا کہ ہاتھی بھی سنے تو جھومنے لگے۔ انھوں نے دوران وعظ اپنی مترنم آواز میں یہ شعر سنایا ؎

تن بجاں جنبد نمی بینی تو جاں
لیک از جنبیدن تن جاں بداں

مثنوی معنوی کا شعر، معرکتہ الآرا صوفیانہ تذکرہ جسم وجاں کی ایک جھلکی، مٹھاس سے مملو فارسی زبان، بجتے ہوئے الفاظ، ج نون، ت جیسے بہشتی حروف کی تکرار، اس پر حضرت والا کی سریلی صدا، مستی کا عجیب عالم تھا، ذہن کی سادہ تختی پر شعر نقش کالحجر بن گیا۔ خوشی کی انتہا اس بات پر کہ فارسی زبان کا اولین شعر میرے ذہن میں بیٹھ گیا۔ شعر کے معنی کی وسعت معلوم نہ گہرائی۔ اس سے کچھ مطلب نہ تھا۔ قاضی صاحب کی تشریح پر جو کچھ بھی سمجھا وہی بہت تھا۔ بار بار دہرایا۔ آج بھی اسے دہراتے اور معنی پر غور کرتے جان، جسم اور باہمی حرکت کے نتائج جاں افزا بن جاتے ہیں۔

صاحبِ مثنوی، مولانا محمد جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم عالم اور بے مثال صوفی وشاعر ہیں۔ آپ 604ھ مطابق 1207 میں بلخ میں پیدا ہوئے۔ ددھیال کی طرف سے آپ کا نسب خلیفہ اول، امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اور ننھیال کی طرف سے حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملتا ہے۔ اس خاندانی شرافت کے علاوہ آپ کے آبا و اجداد تحصیل علم دینی میں محنت شاقہ اور حصول مراتب میں درجہ کمال رکھتے تھے، جس کے باعث آپ کے دادا حضرت حسین الخطیبی کو سلطان خوارزم شاہ نے اپنی دامادی میں لینے کو ایک اعزاز سمجھا اور اپنی بیٹی 'ملکہ جہاں' سے عقد کروادیا۔ حضرت بہاالدین ولد انھی کے فرزند اور مولانا روم کے والد بزرگوار ہیں۔

حضرت بہاالدین ولد اپنے اسلاف کی طرح علوم دینیہ کی تحصیل میں مشغول ہو گئے اور ان کی مشغولیت کا یہ عالم تھا کہ دنیوی علائق سے دوری اختیار کر لی۔ انجام یہ کہ ایک شب خواب میں ایک مجلس آراستہ پائی جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز تھے اور حضرت بہاالدین ولد آپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے تین سو (300) مفتیان شہر کا ایک ہجوم تھا۔ اس مقدس مجلس میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ آج سے بہاالدین ولد سلطان العلما کے نام سے پکارے جائیں گے۔ دوسرے دن صبح وہ تین سو (300) مفتیانِ شہر جمع ہو کر بہاالدین ولد کو تہنیت اور مبارکباد پیش کرنے کے لیے چلے۔ وہاں بہاالدین نے بھی اس خواب کی تصدیق کی۔

غرض مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف نجیب الطرفین تھے بلکہ علوم دینیہ سے گہرا شغف گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ خود مولانا میں بھی بچپن ہی سے روحانی کیفیات پائی گئیں۔ کبھی کبھی گھبراہٹ اور پریشانی سے تڑپ جاتے تو آپ کے والد کے مریدین اور شاگرد سنبھالتے۔ کبھی کبھی تین تین دن تک کھانا پینا چھوڑ دیتے تھے۔ آپ کی عمر شاید چھ برس تھی۔ مولانا رئیسوں کے بچوں کے ساتھ کوٹھے پر کھیل رہے تھے۔ ان میں سے ایک بچے نے کہا کہ آؤ اس چھت سے اس چھت پر کودیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو کتے بلیوں کا کھیل ہوا۔ اگر روحانی قوت ہو تو آؤ آسمان پر چلیں، ستاروں اور ملکوت کی سیر کریں۔ اتنا کہتے ہوئے نظروں سے غائب ہو گئے۔ یہ دیکھ کر بچے چلانے لگے تو فوراً آموجود ہوئے، اور کہنے لگے کہ جب میں تم سے باتیں کر رہا تھا تو سبز پوشوں کی ایک

جماعت آئی، مجھے اٹھالے گئی، بروج آسمانی اور عجائبات عالم روحانی کی سیر کرائی اور تمھارے چلانے کی صدا سن کر یہاں لاکر پہنچادیا۔

سلطان العلما بھی آپ کے شاندار مستقبل سے بخوبی آگاہ تھے۔ پیار کے ساتھ احتراماً خداوندگار، یا آقا کے نام سے خطاب کرتے۔ اور کہتے تھے کہ جب تک میں زندہ رہوں کوئی میری ہمسری کرنے نہ پائے گا۔ البتہ میرے بعد خداوندگار میری ہمسری کیا مجھ پر سبقت لے جائیں گے۔

610ھ میں بلخ سے ہجرت کا واقعہ پیش آیا۔ تین سو اونٹوں پر سوار مہاجرین بلخ سے بغداد کی جانب جا رہے تھے۔ نیشاپور کے قریب پہنچے تو خواجہ فریدالدین عطار نے دیکھا کہ مولانا روم باپ کے پیچھے آرہے ہیں۔ آپ نے فرمایا دیکھو نہر کے پیچھے سمندر آرہا ہے! آنے کے بعد ان کی پیشانی پر بلند بختی کے آثار پائے۔ دعاؤں کے ساتھ اپنا 'پند نامہ' انھیں عنایت فرمایا۔ قافلہ عازم سفر حج تھا۔ یہ خوش قسمتی کہ بچپن میں ہی مولانا کو حج جیسے فریضہ کی ادائیگی کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ بغداد پہنچتے وقت یہ پوچھا گیا تھا کہ کون ہیں اور کدھر سے کدھر کو جا رہے ہیں۔ سلطان العلما نے فرمایا ''من اللّٰہ والی اللّٰہ ولاحولا قوۃ الا باللّٰہ''۔ شہاب الدین سہروردی نے جان لیا کہ وہ سلطان العلما کا ہی قافلہ ہے۔ بغداد میں دو تین مہینے قیام کے بعد کوفے سے گزرتے ہوئے مکہ مکرمہ کے قصد سے آغاز سفر کیا۔

فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ میں زیارت بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے اور دمشق اور شام سے گزرتے ہوئے برسوں بعد لارندہ پہنچے۔ لارندہ کے والی امیر موسیٰ نے انھیں ٹھہرایا۔ وہاں مدرسہ بنایا اور سکونت اختیار کی۔ لارندہ سلطنت روم سے ملحق تھا۔ چونکہ سلطان روم شراب پینے اور چنگ سننے کا عادی تھا اس لیے سلطان العلما نے امیر موسیٰ سے آپ کی وہاں موجودگی کی خبر اخفا میں رکھنے کو کہا۔

سلطان العلما کی آمد سے قبل حضرت خواجہ شرف الدین سمرقندی مغلوں کے فتنے سے بچنے کے لیے لارندہ آکر مقیم ہو چکے تھے۔ دونوں مہاجرین کے خاندانوں میں ہم وطنی کا تعلق تھا اور کچھ دن بعد یہ تعلق رشتہ داری میں بدل گیا۔ مولانا روم کی عمر اس وقت سترہ، اٹھارہ سال تھی۔ خواجہ شرف الدین کی ایک بیٹی گوہر خاتون تھی۔ اس کا عقد مولانا سے کیا گیا۔ تقریباً چار سال کا

عرصہ لارندہ میں گزر گیا اور مولانا کے دوفرزند سلطان ولد اور علاالدین اسی مقام پر پیدا ہوئے۔ نہ معلوم یہاں سلطان العلما کے قیام کی خبر سلطان علاالدین کیقباد کو کیسے پہنچی کہ سلطان نے غضب ناک ہوکر امیر موسیٰ کو ایک تہدید نامہ لکھا کہ ان کی آمد کی خبر کیوں نہ دی۔ سلطان کو اس کے کچھ امرا نے سلطان العلما کی عظمت اور فیوض کے باب میں معلومات فراہم کی تھی سلطان خود ان کا معتقد ہوگیا اور آپ سے ملنے کا متمنی تھا۔ سلطان نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ (سلطان العلما) قونیہ میں مستقل قیام کریں گے تو وہ شراب نوشی اور چنگ سننا ترک کردے گا۔

امیر موسیٰ نے یہ بات آپ کو بتائی تو سلطان العلما قونیہ چلنے کے لیے تیار ہوگئے۔ سفر شروع ہوگیا اور آپ 626 کو قونیہ پہنچ گئے۔ اس طرح بلخ سے قونیہ پہنچنے تک جملہ پندرہ برس کا عرصہ لگا۔ بادشاہ اپنے امرا کے ساتھ آیا اور سلطان العلما کا مرید ہوگیا۔

مولانا روم کی تربیت: حضرت سلطان العلما نے مولانا کے بچپن ہی میں حضرت برہان الدین ترمذی رحمتہ اللہ علیہ کو، جو ان کے مرید خاص تھے، مولانا کا اتالیق مقرر کیا تھا۔ لیکن بلخ کو ترک کرتے وقت برہان الدین ترمذ چلے گئے۔ لہٰذا مولانا شروع سے وصال تک اپنے والد صاحب کے زیر تربیت رہے اور انھی سے ظاہری و باطنی علوم حاصل کرتے رہے۔ 628ھ میں حضرت سلطان العلما کا انتقال ہوا تھا۔ قونیہ میں دو برس قیام کے بعد بیمار ہوگئے۔ بادشاہ عیادت کو آیا اور خوب رویا۔ اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ تخت کو زینت بخشیں اور وہ خود سپہ سالار بن کر فتوحات کی طرف توجہ کرے گا۔ سلطان العلما نے فرمایا کہ میں تو عالم شہادت سے عالم سعادت کی طرف سفر کر رہا ہوں۔

حضرت سلطان العلما کے انتقال کے بعد سید برہان الدین محقق ترمذی قونیہ آئے۔ مولانا روم سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ آپ کے والد صاحب قال ہی نہیں صاحب حال بھی تھے اور تم قال میں اپنے والد سے بھی بڑھ گئے ہو، بس حال کی طرف توجہ کی ضرورت ہے تاکہ آپ والد کے پورے وارث اور جانشین بن سکیں۔ جب مولانا دائرہ ولایت میں درجہ کمال کو پہنچ گئے تو برہان الدین بھی فارغ ہوگئے۔ سید صاحب 629ھ میں قونیہ آئے اور 637ھ میں انتقال فرمائے۔ یہ آٹھ نو سال کا عرصہ ہی قونیہ میں گزرا تھا۔

630ھ میں مولانا روم بغرض حصول تعلیم حلب کو جا رہے تھے۔ برہان الدین بھی آپ کے ہمراہ قیصریہ کو چلے۔ قیصریہ آپ کا مرغوب شہر تھا اور آپ وہاں رک گئے۔ مولانا کے غیاب میں قونیہ جاتے آتے رہے۔ قیصریہ میں دوران قیام شمس الدین اصفہانی کے یہاں ٹھہرے رہے۔ حلب میں تحصیل علم کے دوران مولانا کی استعداد کا یہ عالم تھا کہ جو بھی مسئلہ کسی سے حل نہ ہو پاتا وہ خود حل کر دیتے اور ایسے وجوہ بیان کرتے جو کسی بھی کتاب میں نہ ہوتے۔ حلب میں آپ نے کمال الدین ابن عدیم سے استفادہ کیا۔

ایک دن حلب میں مدرسے کے دربان نے کمال الدین سے شکایت کی کہ مولانا روم آدھی رات کو باہر چلے جاتے ہیں جبکہ دروازہ بند ہی رہتا ہے۔ کمال الدین کو تردد ہوا۔ ایک رات خود پوشیدہ طور پر ان کے پیچھے چل پڑے۔ مسجد خلیل الرحمٰن کے پاس ایک قبہ نظر آیا جہاں کچھ سبز پوشوں نے مولانا کا استقبال کیا۔ یہ دیکھ کر کمال الدین بے ہوش ہو گئے۔ جب اٹھے تو قبہ کا کوئی نشان نہ تھا۔ سرگرداں پھرتے رہے۔ شہر میں ہلچل مچ گئی۔ بالآخر مولانا ہی سے ان کا پتہ ملا۔ نتیجے کے طور پر مولانا سے کمال الدین کا اخلاص بڑھ گیا اور مرید ہو گئے۔ جب حلب میں مولانا کا شہرہ بہت ہو گیا تو دمشق چلے گئے۔ وہاں مدرسہ قدسیہ میں قیام کیا اور جس کمرے میں آپ ٹھہرے تھے وہ خضر علیہ السلام کے نام سے منسوب ہو گیا۔ کیونکہ مولانا سے ملنے وہاں حضرت خضر علیہ السلام آیا کرتے تھے۔ دمشق میں آپ کی صحبت حضرت شیخ محی الدین ابن عربی، شمس الدین حموی، شیخ اوحدالدین کرمانی جیسے بزرگوں کے ساتھ رہی۔

ایک روایت ہے کہ مولانا دمشق کے میدان میں سیر کر رہے تھے۔ ایک عجیب الہئیت شخص سیاہ نمدہ اوڑھے ہوئے مولانا کے قریب آیا، دست مبارک کو بوسہ دیا اور کہا کہ ''اے صراف عالم مرا دریاب'' اور مولانا کے متوجہ ہونے سے پہلے غائب ہو گیا۔ وہ شمس تبریزی تھے۔

دمشق میں مولانا کا قیام چار برس رہا۔ قونیہ کو واپسی کے دوران قیصریہ میں سید برہان الدین کے ساتھ شمس الدین اصفہانی کے یہاں ٹھہرے۔ چالیس چالیس دن کے تین چلے سید برہان الدین ترمذی کے ساتھ کیے اور سید صاحب کی اجازت سے قونیہ روانہ ہوئے۔

مولانا میں سب سے بڑی تبدیلی اس وقت آئی جب 642ھ میں شمس الدین تبریزی سے ملاقات ہوئی۔ شمس قونیہ میں سرائے کے چبوترے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ادھر سے مولانا گھوڑے پر

سوار آئے۔ شمس اٹھے اور لگام تھام کر پوچھا کہ کس کا مقام بڑا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یا بایزید بسطامی کا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں "ماعر فناك حق معرفتك" اور بایزید کہتے ہیں "سبحانی مااعظم شانی" اور "لیس فی جبی الا اللّٰہ"۔ سوال سن کر مولانا کے ہوش اڑ گئے۔ گھوڑے سے اترے اور سنبھل کر فرمایا "بایزید کی پیاس ایک ہی گھونٹ سے بجھ گئی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاس کیا بجھتی، دم بہ دم زیادہ کی طالب تھی۔"

شمس تبریزی سے ملاقات کے بعد مولانا رومی نے درس و تذکیر بالکل ترک کر دیا۔ پھر کبھی وعظ نہ کہا۔ شمس نے سماع اختیار کرنے پر زور دیا۔ شمس کو شاعری کا شوق تھا اور ان کے زیر اثر آپ نے بھی شاعری شروع کی۔ مولانا، شمس کی صحبت میں اس قدر کھو گئے کہ شاگردوں اور مریدوں سے تعلقات ختم ہو گئے۔ صورت دکھانی بھی بند کر دی۔ یہ بات شاگردوں کو اتنی گراں گزری کہ شمس تبریزی کے دشمن ہو گئے۔ اور ان سے بدسلوکی کرنے لگے۔ شمس تبریزی اسے برداشت نہیں کر سکے اور یکا یک غائب ہو گئے۔ ادھر مولانا نے ان کی جدائی میں ماتم سرائی شروع کر دی۔ چاروں طرف تلاش کے باوجود پتہ نہ چلا۔ اب مولانا کی زبان سے اشعار کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا۔ دن بدن حالت مزید بگڑتی چلی گئی۔ ایسے میں دمشق سے مولانا کو شمس کا ایک خط موصول ہوا۔ شمس کے عشق وشوق میں سماع کی طرف متوجہ ہو گئے اور غزلیں بھی کہنے لگے۔ جن لوگوں نے شمس سے بدسلوکی کی ان سے التفات ترک کر دیا اور جو شرارت میں شامل نہ تھے ان کی طرف التفات کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر بدسلوکی کرنے والوں نے شمس کی مخالفت چھوڑ کر معافی چاہی۔ آخر میں مولانا سلطان ولد کے ہاتھ ان کو بلایا، ایک خط اور کچھ رقم بطور نذرانہ روانہ کی۔ دمشق پہنچ کر سلطان ولد نے خط اور رقم پیش کی تو بولے "مجھے سیم وزر سے فریب دیتے ہو؟ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سیرت کا پیغام مجھے کافی ہے۔" یہ کہہ کر قونیہ کی طرف چل دیے۔

پہلی مرتبہ 643ھ میں قونیہ کا رخ کیا تھا۔ اب 645ھ میں روانہ ہوئے۔ اس مرتبہ کچھ دن خوش رہے۔ مولانا کی پروردہ ایک لڑکی کیمیا خاتون کا ہاتھ مانگا تو مولانا نے بخوشی ہاں کہہ دیا اور ان سے عقد کرا دیا۔ اس مرتبہ مولانا کے دوسرے فرزند شمس کی قیام گاہ سے گزر کر گھر آنے لگے تو شمس نے اعتراض کیا۔ انھیں برا لگا، جس کی خبر پا کر شر پسندوں کو فتنے کا موقع ہاتھ آیا۔

بے ادبی شروع کی۔ آپ بھی یہ کہنے لگے کہ اب کی بار جاؤں گا تو پھر کسی کو کبھی پتہ نہ لگے گا۔ اس درمیان کیمیا خاتون کا انتقال ہوگیا۔ کچھ دن بعد شمس تبریزی اس طرح غائب ہوئے کہ پھر ان کا پتہ نہ چلا۔ کہتے ہیں کہ ظالموں نے ان کو قتل کر کے کنویں میں ڈال دیا۔ بہر حال اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ چاروں طرف تلاش کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آخر خود مولانا نے دمشق کا سفر اختیار کیا۔ حسام الدین چلپی کو اپنا جانشین بنایا۔ یہ سفر 645ھ میں ہوا تھا۔

صلاح الدین زرکوب: دمشق سے واپسی کے بعد مولانا نے کچھ خاموشی اور سکون اختیار کرلیا اور شمس تبریزی کے وجود کو اپنی ذات میں محسوس کرنے لگے تھے۔ اس کے بعد حضرت صلاح الدین زرکوب کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ حالانکہ وہ تعلیم یافتہ نہیں تھے پھر بھی ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ وہ حضرت سید برہان الدین محقق کے مرید تھے۔ اس رو سے مولانا کے پیر بھائی ہوئے اور بعد میں مولانا کی کرامت دیکھ کر ان کے مرید بھی ہوگئے۔ لیکن مولانا کا سلوک ایسا ہوتا کہ دیکھنے والوں کو صلاح الدین پر پیر کا گمان ہوتا۔ غرض مولانا کو کسی نہ کسی صحبت کی ضرورت تھی۔ صلاح الدین نے دس برس جانشینی نبھائی اور 657ھ میں واصل بحق ہوئے۔

حسام الدین چلپی: صلاح الدین کے بعد مولانا نے حسام الدین چلپی کو اپنا جانشین منتخب کیا۔ آپ ہی ہیں جنھوں نے مثنوی شریف، جو دنیا کی عظیم ترین مشہور عالم تصنیف ہے، کی جانب مولانا کو تحریک دلائی۔ خود مولانا مثنوی شریف میں بار بار پورے خلوص و احترام کے ساتھ ان کو خطاب فرماتے ہیں۔

مولانا کا انتقال: مولانا روم 672ھ میں واصل بحق ہوئے۔ آپ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سیرت سے متصف اور رواداری میں لاثانی تھے۔ جب آپ کا جنازہ تدفین کے لیے نکلا تو بلا لحاظ قوم سوگوار لوگوں کا ایک ہجوم تھا۔ یہودی اور عیسائی توریت اور انجیل پڑھتے ہوئے ساتھ چل رہے تھے۔ ان کو کوئی روک نہ سکا، کیونکہ فتنہ ہو جانے کا ڈر تھا۔ قسیسین کہتے تھے کہ ہم نے انبیائے سابقین کو انھی کے بیان سے سمجھا اور اولیا کی روش بھی انھی کی روش سے جانا اور یہ کہ اگر وہ مسلمانوں کے محمد وقت تھے تو وہ ہمارے عیسیٰ اور موسیٰ تھے۔ تابوت صبح کو نکلا اور شام کے قریب قبرستان پہنچا۔ راستے میں چھ مرتبہ بیرونی تابوت بدلا گیا اور لوگ لکڑیاں توڑ کر بطور تبرک لے گئے۔ (صاحب المثنوی)

مولانا کو اس بات کا دکھ تھا کہ انھوں نے اپنی کوئی یادگار نہیں چھوڑی ہے۔ لیکن ان کی چھوڑی ہوئی یادگاریں خصوصاً مثنوی شریف، دیوان منظوماتی تصانیف اور ملفوظات (فیہ مافیہ) کیا کم ہیں۔ یہ بات تو پہلے ہی بتا دی گئی ہے کہ مولانا کی شاعری پر حضرت شمس کی صحبت کا اثر ہے۔ آپ اس فن میں شہسواران ادب کو پیچھے چھوڑ کر کوسوں دور آگے نکل گئے۔

دیوان شمس تبریزی: یہ ایک ضخیم دفتر ہے جو غزلیات اور رباعیات وغیرہ اصناف سخن پر مشتمل ہے اکیاون ہزار (51,000) اشعار پر محیط ہے۔ اس میں مراثی بھی ہیں اور دیگر اصناف سخن کی منظومات بھی۔ اس میں شمس تبریزی کے عشق وجدائی کے حالات کے بیانات پائے جاتے ہیں۔

مثنوی معنوی: یہ مولانا روم کا عظیم الشان کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک ابنائے آدم علیہ السلام کی رہبری و ہدایت کے کام آئے گا۔ (بحوالہ سوانح مولانا روم مولفہ مولانا شبلی۔ مفتاح العلوم)۔ یہ علمی و عملی دینیات یعنی فقہ و تصوف دونوں کا مجموعہ ہے۔ فقہ اور تصوف میں کوئی غیریت نہیں۔ جس طرح فقہ احکام دینیہ ظاہری کا مجموعہ ہے ویسے مثنوی شریف تصوف کی جان ہے۔ اور ''یہ اللہ کی سب سے بڑی فقہ، نورانی شرع اور واضح برہان ہے۔'' بالفاظ دیگر علم دین پر عمل کرنا ہے۔ اس سے شریعت کی تکمیل ہوتی ہے۔

مولانا شبلی نے سورہ نور کی آیت ''مثل نورہ کمشکوٰۃٍ'' سے تشبیہ دی ہے اور آگے چل کر ''جنان الجنان'' یعنی دلوں کی جنت کہا ہے۔ جس کے میوے پاک لوگ کھاتے اور پانی پیتے ہیں اور آزاد لوگ سیر و تفریح کر کے خوش ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ گویا مصر کا دریائے نیل ہے کہ قوم موسیٰ کے لیے آب زلال اور فرعونیوں کے لیے خون ہو جاتا ہے۔

اس سے لوگ گمراہ بھی ہو جاتے ہیں اور ہدایت بھی پاتے ہیں۔ یہ کتاب سینوں کے خلجان کے لیے شفا بخش اور غموں کو زائل کرنے والی اور قرآن مجید کے مطالب کو حل کرنے والی اور گہرے مسائل اور سلوک میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کو رفع کرتی ہے۔ رزق کو فراخ کرتی ہے اور پاکیزہ اخلاق سکھاتی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو بزرگوں اور نیکوکاروں کے ہاتھوں میں رہے گی۔ "لا یمسّہٗ الّا المُطھرون"۔ اللہ اس کی حفاظت کرے گا۔ اور کہتے ہیں کہ اس طرح یہ کتاب اور بھی کئی صفات کی حامل ہے۔ (تلخیص)

مثنوی شریف ایک بے حد طویل نظم ہے، جو 27720 اشعار پر مشتمل ہے۔ زبان و بیان سادہ اور معنی تہہ دار پائے جاتے ہیں۔ مثنوی کی بحر دلکش اور جنت گوش ہے۔ ترنم سے پڑھتے ہی لوگ مست و بے خود ہو جاتے ہیں۔ یہ مثنوی صنائع و بدائع سے آراستہ و پیراستہ ادب کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ بے شمار اشعار ضرب المثل بن گئے ہیں۔ مثنوی گویا تصوف کا ہدایت نامہ ہے۔ صوفیا کی مجالس میں مثنوی کے پڑھنے، سنانے اور سمجھانے کا باقاعدہ انتظام ہوتا ہے۔ خود کتاب میں مولانا کا دعویٰ ہے کہ ''میرے بعد یہ کلام شیخ کا کردار ادا کرے گا اور تادیر باقی رہے گا۔'' اس کتاب کی حکایات خود مولانا اور ان کے مریدوں کے واقعات سے ماخوذ ہیں۔ مولانا خود کہتے ہیں ؎

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

اس کتاب کے جملہ بیانات وحدت الوجود کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں۔ جابجا ''مارمیت اذ رمیت'' کی صدا گونجتی ہے۔ پھر بھی جبر و اختیار کے درباب تقابلی بحث میں اختیار اور جہد کو فوقیت دیتے ہیں:

گر تو کل می کنی دو کار کن
کسب کن و تکیہ برجبار کن

اور ؎

گفت پیغمبر بآواز بلند
بر توکل پایہ اشتر بند

مثنوی کے اشعار کو خون دل کی پیداوار کہتے ہیں جو پستان جاں میں پہنچ کر دودھ کی شکل اور لذت پیدا کرتے ہیں۔ اس کے لیے کسی چشندہ یعنی شیر خوار کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تاکہ دودھ آسانی سے بہہ نکلے۔ ؎

ایں سخن شیرست در پستان جاں
بے چشندہ خوش نمی گردد رواں

فرماتے ہیں کہ خالق و مخلوق کے درمیان جان کا پنہانی رشتہ ہے۔ جان حرکت کا سامان ہے

جس سے کائنات کا ہر ذرہ مستقل طور پر متحرک۔ جیسے "فی فلکٍ یسّبحُون" اپنے دائرہ حرکت میں گھوم رہا ہے کبھی جاں جسم میں تبدیل ہوتی ہے کبھی جسم جان میں، جو امر کن کا کرشمہ ہے ؎

گفت باجسم آیتے تاجاں شد او
گفت باخورشید تارخشاں شد او

جسم کو حکم ہوتا ہے کہ جان بن جائے اور سورج کو حکم ہے کہ چمکنے لگے۔ یعنی سارے کاروبار دنیوی کا رشتہ آسمانوں سے ہے۔ مولانا کے مرید معنوی علامہ اقبال جاوید نامہ میں اہل مریخ کی موت کو جسم کے جان میں جذب ہو جانے سے تعبیر کرتے ہیں۔ پیام مشرق کی رباعی نمبر 152 دیکھیے کہتے ہیں ؎

بجان من کہ جاں نقش تن انگیخت	فارسی مری جاں کی قسم جاں سے بنا تن
ہوائے جلوہ ایں گل رادر رو کرد	ہے ذوق جلوہ سے اس کی دو رنگی
ہزاراں شیوہ دارد جان بے تاب	ہزاروں رنگ ہیں بے تاب جاں کے
بدن گردد چو بایک شیوہ خو کرد	تعین سے ہوئی تخلیق تن کی

غرض یہ کائنات جان اور تن کے گونا گونی مظاہر کے سوا اور کیا ہے۔ اور جان بھی اسرار باری تعالیٰ سے ہی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قیصر روم کا ایلچی آتا ہے۔ خلیفہ وقت کو ایک نخل کے سایے میں لیٹے ہوئے دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے۔ احترام وہیبت کے ملے جلے احساسات دل میں لیے ہوئے ایک فاصلے پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ سوچتا ہے کیسے کیسے شہنشاہوں کے دربار میں گیا ہوں لیکن یہ خوف یہ گھبراہٹ کہیں نہیں دیکھی۔ یہ ہستی کچھ اور ہی ہے۔ بیداری کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے بلا کر پاس بٹھا لیتے ہیں۔ وہ آپ کی گفتگو سن کر کچھ اور ہی عالم میں پہنچ جاتا ہے۔ سفارت کے فرائض کو پس پشت ڈال کر ایمان لے آتا ہے۔ تاریخی واقعات بیان کرتے ہوئے مولانا روم نے معنویت کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔

مولانا روم ایسے ہی حق وصداقت کے پیکروں اور للّٰہیت کے شیدائیوں کی سیرت کو اپنانے کے لیے پیش کرتے ہیں تاکہ دنیا امن وآشتی کا گہوارہ بن جائے۔ قیصر روم کا ایلچی بھی حضرت عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر حیران و ششدر کہ کیا دنیا میں ایسی بھی ہستیاں ہیں کہ جان کے مانند نظروں سے اوجھل پائی جاتی ہیں۔ مولانا روم کی قادر الکلامی اپنی مثال آپ ہے۔ وہ معرکتہ الآرا لاینحل مسائل کا حل دو دو لفظوں میں بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ بطور نمونہ چند مثالیں ملاحظہ فرمایے:

زندگانی کے باب میں فرماتے ہیں ؎

زندگانی آشتی ضد ہاست

مرگ آں اندرمیان شاں جنگ ہاست

یعنی زندگی اضداد کے درمیاں آشتی و صلح اور موت انھی کے بیچ جنگ و تباہ کاری ہے۔

انسان کون ؎

آدمی دیدست وباقی پوست است

دید آں باشد کہ دید دوست است

آنکھ کی پتلی کو بھی انسان کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں آدمی وہ ہے جو حقایق عالم کا ادراک کر سکے اور خالق کائنات کی قدرت دیکھے اور پہچان سکے۔

خالق کائنات کیوں نظر نہیں آتا ؎

نور حق را نیست ضدے در وجود

تا بضد او تواں پیدا نبود

چونکہ نور الٰہی کے مقابل کوئی ضد پیدا نہیں اس لیے نور الٰہی نظروں سے غائب ہے۔

قرآن کیا ہے ؎

ہست قرآں حالہائے انبیاء

ماہیان پاک بحر کبریا

قرآن پاک دریائے کبریا کی مقدس مچھلیوں یعنی انبیائے پاک کے واقعات و حالات کا بیان ہے۔

خالق و مخلوق کی قربت ؎

مطلق آں آواز خود از شہ بود

گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

وہ بادشاہ کی آواز ہے۔ جو بندہ شاہ کے حلق سے نکل رہی ہے۔

حیوان اور انسان میں فرق ؎

مہرو رقت وصف انسانی بود
خشم و شہوت وصف حیوانی بود

جس کسی میں محبت ونرمی ہو وہ اوصاف انسانی سے متصف ہے۔ اس کے برعکس غصہ وشہوت کا جس کسی کے اوصاف میں غلبہ ہو وہ حیوان ہے۔

صحبت کا اثر ؎

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرلے تو نیکوکار رہنے اور بدکاروں کی صحبت میں بدکار رہنے ایسے ہی بے شمار اقوال ہیں جو مثنوی کے بحر معنوی کے گوہر آبدار بن کر جگمگا رہے ہیں۔

مثنوی شریف امن اور انسانیت کا الہامی صحیفہ ہے۔ اس میں مادی، روحانی اور اخلاقی موضوعات کی بھرمار ہے۔ الفاظ ومعنی شیر وشکر بن کر ذہن میں حل ہوتے نظر آتے ہیں اور قاری پر سرور ومستی کا غلبہ ہوجاتا ہے۔ یہ مثنوی کی خاص خصوصیت ہے۔ یہ کلام الہامی زبان سے آراستہ ہے۔ اس کے بارے میں مولانا خود فرماتے ہیں کہ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ مجھ سے کہلوایا جارہا ہے۔

اب تک اس انسانی معاشرے کے سدھار کے لیے کتنے پیغمبر آئے، کتنے صحیفے لائے، امن، سلامتی اور عدل وانصاف کے پیغامات سنا کر جگایا، لیکن یہ انسان جاگتا بھی ہے تو پھر کچھ ہی دیر بعد سوجاتا ہے:

ابھی تک آدمی صید زبون شہریاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوع انساں کا شکاری ہے

مادیت کے مارے انساں روحانیت سے بیگانہ ہوجاتے ہیں اور اپنی حرص وشہوت کی آگ میں خود جل کر دنیا کو جلا دینے پر ڈٹ جاتے ہیں۔ تیروں کی سرسراہٹ کا زمانہ گیا۔ تیغ وتفنگ کی

ریس بھی ہار گئی۔ نئی نئی تحقیقات ہونے لگیں اور ذرات کی باری آئی تو ان کو توڑ کر ان کے اندر قدرت کی مقید کردہ جوہری قوت کا غلط استعمال کر کے ہیروشیما اور ناگاساکی کی قیامت خیز تباہی کا نمونہ دکھلایا گیا۔ آج ہر طرف میزائیلوں کی ریس جاری ہے تاکہ گھر بیٹھے دور دور کے مقامات اور آبادیوں میں معصوموں، بھلوں بروں سب کو بلا امتیاز موت کے گھاٹ اتار دیں۔ 21 ویں صدی میں اسلامی ممالک ظالموں اور غارت گروں کا خصوصی ہدف بنے ہوئے ہیں۔ آج کل شام و عراق میں نسل کشی جاری ہے۔ آج بھی انسان دوست دانشمندوں کے ادارے اس پر روک لگانے میں مصروف ہیں۔ خدا کرے کامیاب ہو جائیں۔

مثنوی شریف کی تصنیف کو آٹھ سو سال پورے ہوئے۔ مولانا روم کا دعویٰ کہ یہ کتاب زندہ ہے زندہ رہے گی، انسانوں کی ہدایت کے کام آئے گی، سچ ہوا۔

اقوام متحدہ کے ادارہ یونیسکو نے 2007 میں مثنوی کی آٹھ سو سالہ سالگرہ کا اہتمام کیا تو انجانوں کو ہوش آیا اور لوگوں کی توجہ اس طرف مائل ہوئی۔ نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کو بھی مثنوی مولانا روم کی دھن لگی۔

سال 2004 میں بنگلور شہر میں The World Sufi Centre کی بنیاد ڈالی گئی سوائے ماہ رمضان کے بلا ناغہ ماہانہ مجالس منعقد کی جاتی ہیں۔ جناب سید لیاقت پیران مرکزی عدلیہ کے وظیفہ یاب جج ہیں وہ صوفی سنٹر کے مستقل رکن اور سرپرست ہیں۔ ماہانہ رسالہ ''صوفی ورلڈ'' کے مدیر و مولف ہیں۔ ان کے مکان پر مسلم و غیر مسلم، ملکی و غیر ملکی دلدادگان تصوف اور رومی روحمتہ اللہ علیہ خاص بیٹھکوں میں حاضر ہونے لگے ہیں۔ اللہ اس میں برکت عطا فرمائے۔

لگتا ہے قرآن پاک اور مثنوی شریف کی عام اشاعت کے دن آ گئے! کاش ان صحیفوں کے تراجم اور شرحیں سب کو ان کی اپنی زبانوں میں حاصل ہوں۔ مثنوی کے بارے میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی نے خوب فرمایا ہے۔

مثنوی مولوی معنوی
ہست قرآں در زبانِ پہلوی

اور یہ بھی کہا کہ ''نیست پیغمبر و لے دارد کتاب۔''

میں نے اپنے ایک دوست ڈاکٹر بشیر احمد خاں، کیلی فورنیا، لاس اینجلس سے سنا ہے کہ وہاں کوئی صاحب مثنوی پر کام کرتے ہوئے اس کے پیغامات کو عام کرنے کی کوشش میں ہیں۔ اور امریکنوں میں رومی کی طرف رغبت بڑھتی جا رہی ہے۔

میں نے مثنوی کے اردو میں منظوم ترجمے کا بیڑا اٹھایا۔ اس کی دو وجہیں تھیں۔ ایک یہ کہ سب سے پہلا فارسی شعر جو اتفاقاً مجھے ازبر ہو گیا وہ مولانا کی مثنوی کا ہی شعر تھا۔ دوسری وجہ یہ کہ علامہ اقبال جن کی ساتوں فارسی کتابوں کا میں نے منظوم اردو ترجمہ کیا ہے، وہ خود کو مولانا کا مرید معنوی تصور کرتے تھے۔ اسی باعث میں علامہ کے ترجمے کے بعد 1982 میں مثنوی کی طرف متوجہ ہوا، اور 1992 تک پانچ جلدوں کا ترجمہ کیا۔ پہلی جلد مع متن اور باقی بلا متن۔ 2014 میں کاموں سے فارغ ہونے کے بعد پہلی چار جلدوں کے تراجم کو متن سے جوڑا، اور چھٹی جلد کو مع متن 2016 میں پورا کیا۔ میں جانتا ہوں کہ میں اس کام کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ لیکن چاٹ جو لگ گئی سو کام کرتے چلا گیا۔ اس کام میں مولانا قاضی سجاد حسین کا نثری ترجمہ اور مولانا مولوی محمد نذیر صاحب چشتی نقشبندی کی مفتاح العلوم سے کافی مدد حاصل ہوئی۔ پھر بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں نے کوئی کام کیا ہے۔ البتہ کچھ کام کرنے کی کوشش ضرور کی ہے۔ خداوند تعالیٰ میری محنت کو قبول فرمائے۔ آپ بھی دعا کیجیے۔

نوٹ: ضرورت شعری کے پیش نظر بعض الفاظ کو تخفیف کے ساتھ برتا گیا ہے۔ مثلاً:

گواہ کے لیے	گواہ	چاہ	چہ
	کوہ	کہ	کوتا	کوتہ

کم مایہ ناچیز
سید احمد ایثار

تمہید: خطاب بہ حسام الدین

اے حیاتِ دل حسام الدیں مرے　　دل ہے جوشا چھٹے دفتر کے لیے
جذب ہے یہ آپ سے علامہ کا　　جو حسامی نامہ رائج ہوگیا
پیشکش ہے یہ مری بہرِ رضا　　جلد چھٹویں مثنوی کی انتہا
پیش کرتا ہوں تجھے اے معنوی　　جلد چھٹویں اختتامِ مثنوی
چھ جہت کو نور چھ جلدوں سے دے　　تا جو ہو محروم طوف اس کا کرے
پانچ چھ سے عاشقی کو کیا ہے کار　　مقصد اس کا کیا ہے غیرِ جذب یار
شاید اس کے بعد اجازت پاسکوں　　راز بتلانے جو میں بتلا سکوں
فہمِ معنی شرح سے نزدیک تر　　رمز کی صورت میں جو تھے منتشر
ہے مناسب راز کو بس رازداں　　ہے مناسب راز کو منکر کہاں
ہیں سبھی مطلوبِ دعوتِ کردگار　　مانے نا مانے کوئی کیا اس سے کار
دعوتِ حق نوحؑ نے نو سو سال دی　　قوم ہر دم بڑھ کے ٹھکراتی رہی
کیا وہ اُس دعوت سے منہ موڑے کبھی　　غار کی سوجھی انھیں کب خامشی
بھونک کے کتّوں کی ڈر کر بھی کہیں　　ماہِ کامل سست رَو ہوگا؟ نہیں
چاند چھڑکے نور سگ بھوں بھوں کرے　　اپنی فطرت پر ہر اک ثابت رہے

ہے سپرد ہر ایک کے خدمت جدا — ہے مناسب اُس کے اُس کی ابتلا
سگ وہ آوازِ کریہہ چھوڑا کبھی؟ — چاند ہوں رفتار کیوں چھوڑوں مری؟
بڑھتی جاتی ہے جو ترشی سرکہ کی — تو کرے افزوں حلاوت قند بھی
قہر سرکہ، مہربانی انگبیں — وصل سے ان دو کے ہے سرکنگبیں
شہد سرکہ میں اگر کافی نہیں — بن نہ پائے گی کبھی سرکنگبیں
قوم ان پر جھونکتی سرکہ پَر — قند برساتا تھا دریا نوحؑ پر
قند کو ان کی مدد از بحرِ جود — اہلِ عالم سے جو ہو سرکہ فزود
اک ہزاروں کے برابر وہ ولی — بندہ وہ سو قرن اس کی زندگی
ایک ٹھلیا جس سے دریا کو ہو راہ — وہ کہ جیحونوں سے عظمت میں سوا
دریا وہ جس سے دگر دریا تمام — دیکھ کر جس کی شبیہ جس کا مقام
پھیر لیں گے اپنے منہ کو شرم سے — نامِ اعظم ہو جو احقر کے لیے
دوجہاں مل کر جو آئیں سامنے — یہ جہاں منہ پھیر کر بھاگے چلے
تنگ اور ناقص ہے یہ سارا بیاں — ورنہ در خاصاں و خس نسبت کہاں
باغِ زر میں کائیں کائیں کہیں — نغمۂ بلبل ہوا ہے کم؟ نہیں
بس کہ خواہاں ہر کسی کا ہے خدا — شان اس کی **یفعل اللّٰہ مایشاء**
اقلِ خارستاں ہے شعلوں کی غذا — بوئے گُل سرخوش دماغوں کی غذا
ہے نجاست سے ہمیں نفرت مگر — سوروں، کتوں کو حلوا و شکر
ہے پلیدی سب پلیدوں کا کیا — مستعد دھونے کو ہے آبِ صفا
ہو جہاں جس دم پُر از خاشاک وخس — پھونک دینے آگ کو اک لحہ بس
زہر نکلتے ہیں یہاں ہرچند مار — چلتے ہیں دیتے ہیں بدخوا کے وار
اور عسل جھاڑوں پر اور کہسار پر — شہد سے دیتے ہیں اغیار شکر
زہر والے زہر پھیلاتے ہیں پر — کرتے ہیں تریاق زائل سب اثر
جنگ کا میداں ہے گویا یہ جہاں — کفر دیں کی زد میں ہر ذرّہ یہاں

بائیں جانب اڑ رہا ہے اک اِدھر
بائیں جانب گھات میں ہے وہ دگر

اک کا رخ اوپر دگر ہے سرنگوں
جہد میں ایک، دوسرا چاہے سکوں

منحصر یہ جنگ جنگِ غیب پر
لاگ اُدھر کی ہوتی ہے ظاہر ادھر

ہوگیا جو ذرّہ محوِ آفتاب
وصف اس کے ہیں بلاحد و حساب

محو ذرّہ ہوتا ہے سورج میں جب
جنگ ذرّے کی بڑے سورج بھی تب

کھووے وہ سب جنبشِ طبع و سکوں
کیسے ؟ از اِنّـا اِلیـــہ راجعـون

پھر سے بحرِ نور میں داخل ہوئے
دودھ اپنی اصل سے پینے لگے

راست راہ چھوڑا، چلا ہمراہِ غول
بس کر اب لافِ اصول اے بے اصول

صلح یا جنگ ہم کو اندر نور عین
نیستی ہستی بھی بین الاصبعین

جنگ طبعی، ہو کہ عملی، قولی جنگ
ہے خرابی اجزا کی ہر کوئی جنگ

بس قیامِ دہر جنگوں پر رہا
دیکھ عناصر میں حل اس کا پائے گا

چار عنصر چار کھمبے ہیں قوی
اور چھت دنیا کی ہے ان پر کھڑی

ایک کھمبا توڑے گا کھمبا دگر
جیسے پانی پھونک دیتا ہے شرر

پس بنائے خلق ہے اضداد پر
جنگ ان کی ہے پئے نفع و ضرر

حالتیں تیری خلافِ یک دگر
شب مخالف اک دگر کے در اثر

روکتا ہے خود ہی اپنی راہ کو
ساتھ کیا دے گا بھلا اوروں کا تو

دیکھ اپنی فوج کے حالات ہی
جنگ میں اک بادگر، کینہ وری

دیکھو اندر اپنے ہی جاری وہ جنگ
دوسروں کے ساتھ پھر کاہے کو جنگ

تا خدا دے جنگ سے تجھ کو اماں
صلح و یکرنگی کا تو پائے جہاں

وہ جہاں جاوید ہے آباد ہے
چونکہ بے آمیزشِ اضداد ہے

اِس جہاں میں ضد سے ضد کو ہے فنا
ضد نہ ہو کچھ نہیں غیر از بقا

دور جنت سے رکھا ضد کو خبیر
تا نہ ہو سورج خلافِ زمہریر

اصل بیرنگی ہے رنگوں کے لئے
آشتی ہے اصل جنگوں کے لئے

وہ جہاں ہے اس جہانِ غم کی اصل　　اور فراق و ہجر کی ہے اصل وصل
کیا ہے اصلِ اختلاف باہمی　　اصل وحدت کیوں ہوئی اضداد کی
چار اضداد اصیل ہم شاخیں سبھی　　اپنی خُو بھی اصل نے شاخوں کو دی
ہے تہی ضد سے جو جوہر جان کا　　خُو ہے یہ دراصل خُوئے کبریا
آشتی کے دیکھ جنگوں میں اصول　　جوں خدا کی راہ میں جنگِ رسولؐ
طرفہ وہ جنگ رکن جس کی صلح کا　　مرحبا، ہو جنگ گر راہِ خدا
غالب و فاتح رہے در دوجہاں　　شرح پر قادر نہیں میری زباں
آبِ جیحوں بھی پی لے کوئی　　تشنگی اس کی نہ بجھ پائے کبھی
بحرِ معنی کا تو پیاسا ہے اگر　　خود کو سیرِ مثنوی سے شاد کر
سیر کرتا جا تو اس کی ہر نفس　　مثنوی کو معنوی پائے گا بس
خار وخس کو جب ہٹا دے گی ہوا　　صاف و یکرنگ پانی بہتا پائے گا
اس کے اندر تازہ موتی دیکھ لو　　میوہ ہائے زندگانی دیکھ لو
کہنے والا، سننے والا اور کہا　　تینوں ہو جائیں گے یک جاں انتہا
دینے والا، لینے والا نانِ پاک　　سادہ بےصورت کے ہوجائیں گے خاک
نسبتِ معنی سے تین ان کے مقام　　مرتبہ ممتاز ان کا اور مدام
مٹ گئیں شکلیں مگر معنی نہیں　　تا خُو بولے، بول یوں کچھ بھی نہیں
جاں ہے تینوں کی جہاں میں منتظر　　گاہ صورت سے بری گہ مستقر
امرِ کُن سے ڈھلتے ہیں صورت میں پھر　　ہوتے ہیں حکمِ دگر سے منتشر
خلق ہو یا امر دونوں اس کی شان　　خلق مرکب اور راکب اس پہ جان
شہ کے فرماں پر سواری اور سوار　　تن ہے در پر جان نزدِ شہریار
آب کو لانا جو ہو اندر سبو　　حکم جیشِ جاں کو ہوگا از کسو
جانوں کو اوپر بلایا جائے گا　　حاجباں بولیں گے اترو اس جگہ
پھر ملائم لہجہ میں فرمائے گا　　آگ دھیمی کر اب ایندھن نہ بڑھا

نا نہ چھوٹے دیگوں میں جلد آئے جوش — مرتبے میں کم ہیں چھوٹے دیگ ہوش
پاک وہ سبحان سپستان رچائے — اور سحابِ حرف میں اپنے چھپائے
پرودۂ آواز و حرف و گفتگو — چھن کے آتی ہو فقط سیپوں کی بوٗ
کھینچ استغراق سے بو اس کی تو — اصل تک پہنچائے گی اس کی وہ بوٗ
بو سے مطلب رکھ نہ ہونے دے زکام — ڈھانک تن کو تا نہ دکھ دے سردِ عام
بند نتھنے کر نہ دے اس کا اثر — ہے ہوا سرما کے باعث سرد تر
وہ جمادی ان کے تن ٹھٹھرے ہوئے — سانس ان کی جیسے نکلے برف سے
جب زمیں ڈھک جائے ایسی برف سے — تیغِ خورشیدِ حسام الدیں چلے
کھینچ لے مشرق سے سیف اللہ کو — گرم کر سورج سے اس درگاہ کو
برف کو کرتا ہے پانی آفتاب — اور پہاڑوں سے بہا دیتا ہے آب
کیوں کہ ہے وہ بے نیازِ شرق غرب — ہے منجّم سے سدا مشغولِ حرب
اپنے اندھے پن سے کیوں میرے سوا — کیوں ستاروں کو تو قبلہ کرلیا
پر نہ بھایا تجھ کو وہ قولِ امیں — زیبِ قرآں لا اُحبُّ الآفلیں
چاند کے آگے رہا باندھے کمر — دکھ اٹھایا دیکھ کر شق القمر
شَمُس کُوِّرت کا تو منکر رہا — ہے بڑا رُتبہ ترے ہاں شمس کا
تجھ کو تاروں کے تصرف میں ہوا — خوش نہیں آیا اِذ النّجمُ ھویٰ
چاند روٹی کے برابر بھی کہاں — کاٹ کر رکھ دیں رگِ جاں روٹیاں
زہرہ کی کیا ہے حقیقت پیشِ آب — ہوگئے پانی سے کتنے تن خراب
اس کی الفت جان میں اور پندِ دوست — کان سے ٹکراتی ہے بیرون پوست
تو ہماری پند کا قائل نہیں — ہم بھی تیری پند پر مائل نہیں
خاص کنجی دوست سے شاید ملے — کنجیاں افلاک کی زیبا اُسے
یہ سخن ہے جوں ستارہ جوں قمر — پر بلا حکم خدا سب بے اثر
یہ ستارہ بے جہت اس کا اثر — طالبانِ وحی پر وہ کارگر

بے جہت تک آئے گا وہ جہت سے ‌ ‌ ‌ تا نہ گرگِ موت تم کو پھاڑ دے
جیسے اک چمکارا وہ موتی لٹائے ‌ ‌ ‌ خود کو سورج جیسے اک خناش پائے
بندگی میں اس کے ساتوں آسماں ‌ ‌ ‌ اور تپِ دق چاند کو آزارِ جاں
ہے سوالی ہاتھ لے کر زہرہ بھی ‌ ‌ ‌ نقدِ جاں کے ساتھ ادھر وہ مشتری
دست بوسی کی تمنا میں زحل ‌ ‌ ‌ پر نہ تھا اس کو میسر وہ محل
دست و پا گھائل ہوئے مریخ کے ‌ ‌ ‌ تھے عطارد کے قلم ٹوٹے ہوئے
سب ستارے ہیں منجم سے بہ جنگ ‌ ‌ ‌ کیونکہ جاں کے بدلے بھایا اس کو رنگ
جاں وہ رنگ و نقش ہیں انجم سبھی ‌ ‌ ‌ فکرِ روشن اُس کی اِن کی زندگی
نور کو کیا واسطہ ہے فکر سے ‌ ‌ ‌ اے مفکّر فکر تیرے واسطے
ہر ستارے کی ہے اوپر اک جگہ ‌ ‌ ‌ اپنے کوکب کو کہاں ہے کوئی جا
نور ہے بے جہت اسے کیسا مکاں؟ ‌ ‌ ‌ نور لامحدود کی حد ہے کہاں
پیش ہے روپ اس کا بس تمثیل سے ‌ ‌ ‌ تا بھنک کمزور اس کی پاسکے
ہے مثال اک اس کا ہمتا ہے کہاں ‌ ‌ ‌ بس ہے عقلِ منجمد کو اک نشاں
عقل ہے چالاک پر رفتار سست ‌ ‌ ‌ زنگ خوردہ دل رہا پَر تن درست
عقل کارِ دہر کرتی ہے سبھی ‌ ‌ ‌ ترکِ شہوت کی سوجھیں گی کبھی
دعویٰ کرتے سینہ روشن مثلِ شرق ‌ ‌ ‌ وقتِ تقویٰ صبر گویا رخشِ برق
ایک عالم ہے ہنر میں خود نما ‌ ‌ ‌ اور وفا میں جیسے عالم بے وفا
تنگ اس کو وقتِ خود بینی جہاں ‌ ‌ ‌ ورنہ وہ معدے میں گم مثلِ ناں
یہ سبھی اوصاف ہوجائیں بھلے ‌ ‌ ‌ ہر بدی ڈھل جائے گی نیکو بنے
گو خودی گندہ ہے مانندِ منی ‌ ‌ ‌ جاں سے جڑ جائے تو پائے روشنی
جب جمادی رخ کرے سوئے نبات ‌ ‌ ‌ جھاڑ سے قسمت کے اُگ آئے حیات
جاں کی جانب پودا جب مائل ہوا ‌ ‌ ‌ جوں خضرؑ خود اب حیواں پائے گا
پھر اگر جاں سوئے جاناں رخ کرے ‌ ‌ ‌ عمرِ بے پایاں میں اس کو جا ملے

ایک سائل کا ایک واعظ سے سوال کرنا کہ جو پرندا حاطہ پر بیٹھا ہو اس کا سر فاضل اور زیادہ شریف اور زیادہ عزیز اور زیادہ معزز ہے کہ اس کی دُم اور واعظ کا سائل کو اس کے فہم اور ادراک کے مطابق جواب دینا

ایک واعظ سے یہ سائل نے کہا — آپ کی ہستی ہے منبر کو سزا
ہے سوال اک آپ سے اے ذولباب — دیجے مجلس میں مجھے اس کا جواب
مرغ ہے اک قلعے کی دیوار پر — اس کی دُم بہتر رہے گی یا کہ سر
سر سؤئے شہر دُم سؤئے قریہ ہو گر — سر کا رفتہ دُم سے ہے افزود تر
دُم سؤئے شہر و سؤئے قریہ ہو سر — خاک ہو جا دُم پہ سر کو تر کر
مرغ کو تا آشیاں لے جائے پر — ہمت انسانوں کو ہے بر جائے پَر
ہے جو عاشق مبتلائے خیر و شر — خیر و شر کیوں رکھ تو ہمت پر نظر
باز اگرچہ ہے سپید و بے نظیر — ہو شکارِ موش کے باعث حقیر
ہو میسر چند کو گر قربِ شا — باز کا سر ہے نہ ڈھونڈ اس کی کلاہ
شیر اگر کھاتا ہو کوئی مردہ خر — وہ ہے اک کتّا بشکلِ شیرِ نر
بھیڑیے چیتے کو مارے سگ اگر — تو یقیں کر لے کہ وہ ہے شیر نر
ہے سرشتِ آدمی بس اک مشت گل — چرخ و کوکب سے ہے اعلیٰ اس کا دل
آدمی کیا ہے بس اک طشتِ خمیر — پر ہے افضل تر ز افلاک و اثیر
کیا فلک کو حق نے کرّمنا کہا؟ — یہ شرف غم دیدہ انساں کو ملا
پیش کوئی ارض و فلک میں کر سکا؟ — خوبی و عقل و عبارات و ہوا
کیا کبھی اوجِ فلک پر جا سکا — رؤئے خوب و رائے حباب لے گیا
سامنے تصویروں کے حمام کی — دیکھی خوبی اپنے سیم اندام کی
کر دیا صرفِ نظر اشکالِ حور — تیرے آگے ایک بڑھیا نیم کور
کیا تھا اُس بڑھیا میں جو ان میں نہ تھا — کیوں اچک کر اس نے تجھ کو لے لیا

تو نہ بولے گا کروں گی میں بیاں — عقل وحس اور درک وتدبیر اس میں جاں
ہے کشش بڑھیا کے اندر وجہِ جاں — صورتیں حمام میں ہیں، جاں کہاں
نقش گر حمام کا جنبش کرے — بڑھیا سے تجھ کو لپک کر لے اڑے
جان ہے کیا اے خبیرِ خیر و شر — شاد وہ احساں سے گریاں از ضرر
جاں کی ماہیت ہے رہنا باخبر — جو بھی ہے آگاہ تر، ہے زندہ تر
ہے تقاضا زندگی کا آگہی — وہ جو ہے آگاہ تر وہ ہے قوی
جاں کی دنیا ہے سراسر آگہی — جو بھی ہے بے جاں، ہے دانش سے تہی
روح کی تاثیر ہی ہے آگہی — اللہ والوں میں ہے آگاہی بڑی
جاں سے باہر ہے متاعِ آگہی — ہے جمادی اس سبب سے جان بھی
جانِ اوّل مظہرِ درگاہ ہے — جانِ حبان خود مظہرِ اللہ ہے
وہ ملائک جملہ عقل وجان تھے — جانِ نو حاصل ہوئی تن بن گئے
بخت ان کے جان سے جب جا ملے — جیسے تن وہ جاں کے خادم بن گئے
جاں سے سرتابی جب شیطان کیا — جاں سے کٹ کر عضوِ مردہ ہوگیا
چونکہ وہ اس کا فدائی نہ ہوا — دستِ شل جوں جاں کے تابع نہ تھا
عضو شل ہو بھی تو جاں ناقص نہیں — جاں رہے گی تابعِ جاں آفریں
رازِ دیگر ہے، کہاں گوشِ دگر — ہے کوئی طوطی جو چاہے یہ شکر
طوطیانِ خاص کو ہے خوب قند — اور ہے اس سے عامّہ کی آنکھ بند
کیوں گدا صورت کا چاہے یہ نکات — یہ ہیں معنیٰ نے فعولن فاعلات
خَر سے عیسیٰؑ کو نہیں اعراضِ قند — فطرتاً پر گھاس ہے خَر کو پسند
خر اگر ہوسکتا جویائے شکر — قند کے بورے ہی ہوتے پیشِ خر
مہر منہ پر خود لگا دیتے ہیں ہم — دیکھ رہرو یہ سمجھتا ہے اہم
پیرویِ خاتمِ پیغمبراں — دور، ممکن ہے کرے مہرِ گراں
مہریں جن کو انبیاء نے چھوڑ دیں — دینِ احمدؐ میں بالآخر ہٹ گئیں

بن کھلے تالے جو تھے اب تک پڑے ہاتھ سے اِنّــا فَــتَـحْـنَــا کے کھُلے
آپ کی ہستی شفیعِ دو جہاں اس جگہ دین میں وہاں اندر جناں
یہ جہاں بولے دکھا دے رہ انھیں وہ جہاں بولے کہ دکھلا منہ انھیں
آشکارائی کبھی پوشیدگی راہ دکھلا قوم انجانی مری
کھل گئے پھونکوں سے اس کی ہر دو باب اس کی دو جگ میں دعائیں مستجاب
خاتمِ لطف و سخا، اُن کی مثال جوں نہیں ہے اور ہوتی ہے محال
جب ہو صنعت زیرِ دست استاد کے خاتمِ صنعت نہیں کہتا اسے؟
توڑنے مہروں کو اک خاتم ہے تو روح بخشی کے لیے حاتم ہے تو
ہیں اشاراتِ محمد اور کیا! سب فراخی، جانفزا، مشکل کشا
آفریں ہو پاک جاں پر آپؐ کی آپؐ کے اور دورِ فرزنداں پہ بھی
اور وہ بااقبال شہزادوں پہ بھی آفریدۂ جوہرِ ذاتی سبھی
رازی، بغدادی ہوں یا ہوں وہ ہری ہیں بغیرِ آب و گِل نسل آپؐ کی
شاخِ گُل گل ہے کہیں پھر بھی اُگے جامِ مے جوشاں کہیں ہو مے رہے
غرب سے بھی ہو طلوع سورج اگر وہ رہے سورج نہ ہوگا شے دگر
عیب چیں کا کور رہنا ہی بھلا جانے حکمت تیری ستاری خدا
حق نے چمگادڑ کو اک بدخواہ کہا کور اسے خورشید کے آگے کیا
رکھا چمگادڑ کی آنکھوں سے چھپا انجم و خورشید کو رب العلا

پرانی عزتوں کی برائی جو ایمان کے ذوق سے مانع ہیں اور سچائی کے ضعف کی دلیل ہیں اور لاکھوں بیوقوفوں کے لیے راہزن ہیں جیسا کہ اس ہجڑے کے لیے بکریاں ہو گئی تھیں اور وہ گزر نہ سکا اور ہجڑے نے گڈریے سے پوچھا کہ تعجب ہے یہ تیری بکریاں مجھے کاٹتی ہیں، اس نے کہا کہ اگر تو مرد ہے اور تجھ میں مردانگی کی رگ ہے تو یہ سب

تجھ پر قربان ہیں اور اگر تو ہجڑا ہے تو ہجڑا ہے تو ہر اک تیرے لیے اژدہا ہے۔ ایک ہجڑا ہے کہ جیسے ہی اس نے بکریاں دیکھیں تو واپس ہو گیا اور دریافت کرنے سے ڈرا کہ اگر میں دریافت کروں گا تو بکریاں مجھ پر حملہ کردیں گی اور مجھے کاٹ لیں گی

اے ضیاء الحق حسام الدین آ — روح صیقل ہے، تو شاہِ ہدیٰ
مثنوی کی شرح آساں کیجئے — صورتِ امثال میں جا ڈالئے
حرفوں کو سب عقل اور جاں دیجئے — سوئے جنت ان کو پراں کیجئے
عالمِ ارواح سے لایا انھیں — بند کروایا انھیں الفاظ میں
خضرؑ جیسے جیتے ہیں تم بھی جیو — ہمت افزا دائمی حامی رہو
خضرؑ اور الیاسؑ جوں اندر جہاں — لطف سے تا یہ زمیں ہو آسماں
کرتا ظاہر سو میں اک جزو فیض کا — گر نہ ہو تا چشمِ بد کا غلغلہ
چشمِ بد کے گھونٹ زہریلے پیئے — میں ہوں گھائل روح فرسا زخم سے
ہاں اشارے کچھ بہ ذکرِ دیگراں — شرحِ حالت میں نہیں کرتا بیاں
یہ بہاؤ بھی سجھایا مجھ کو دل — ہوگیا ہوں اس کے باعث پا بگِل
سینکڑوں دل عاشقِ صانع ہوئے — چشمِ بد یا گوش بد مانع ہوئے
خود ابوطالب وہ عم نبیؐ پاک — پاگئے عربوں کی شنعت ہولناک
یہ عرب کیا کیا نہ بولیں گے مجھے — ہٹ گیا دیں سے میں بچے کے لئے
کیا لحاظِ منصبِ اجداد اسے — ہوگیا گمرہ محمدؐ کے لئے
وہ رسولِ پاک خو وہ مجتبیٰؐ — چاہتے تھے تا وہ ہوجائیں رہا
بولے ان سے اک گواہی دو چچا — تا شفاعت کرسکوں پیش خدا
بولے ہوگا شہرہ سننے سے بڑا — دو سے بڑھ کر بھید اشاعت پائے گا
بن کے رہ جاؤں گا بدنامِ عرب — میری رسوائی کو بس ہے یہ سبب
جوں ازل سے لطف حق ہوگا اگر — بددلی کا حق پہ کب ہوتا اثر

المدد آفت زدوں کے داد رس بس مصائب کے دوراہے اب یہ بس
دل کے ہاتھوں اس قدر مجبور ہوں اف بھی کر سکتا نہیں معذور ہوں
میں ہوں کیا، خود آسماں مشغولِ کار گھاتوں سے ہے شکوہ سنجِ اختیار
کہ اے میرے رب کریمِ بردبار دے اماں بس یہ دو شاخہ اختیار
مجھ کو بس اک جذبِ راہِ مستقیم کیوں دوراہا اور تردد اے کریم
اس دوراہے کا ہے مقصد بس تو ہی یہ دوئی ہے مجھ کو وجہِ جاں کنی
بس ترے کچھ قصد دوراہا نہیں رزم کوئی بزم سی ہوگی کہیں
سن ذرا قرآن سے قولِ خدا ڈر بڑا ہم کو اس احمال کا
یہ تردد دل میں اک جنگ سا یہ بھلا ہے یا ہے بہتر دوسرا
یہ تردد جنگ ہے با اک دگر خوف اور امید میں با کرّ و فَر
اس تردد کا نتیجہ ہو بھلا شاد کر جاں کو ہماری اے خدا

دعا اور اللہ تعالیٰ سے پناہ ڈھونڈنا اختیار کر کے فتنہ سے اور اختیار کے اسباب کے فتنہ سے کیونکہ آسمان اور زمین اختیار اور اختیار کے اسباب سے خوف کھا گئے اور ڈر گئے اور آدمی کی جبلّت اپنے اختیار کے اور اختیار کے طلب کرنے میں لالچی ہوگئی جیسا کہ بیمار ہوتا ہے، اپنا اختیار کم دیکھتا ہے تو وہ صحت چاہتا ہے کیونکہ وہ اختیار کا سبب ہے تاکہ اس کا اختیار بڑھ جائے اور دہدہ چاہتا ہے تاکہ اس کے اختیار میں اضافہ ہو جائے اور پہلی امتوں میں اللہ عزوجلّ کے قہر کے نزول کی جگہ اختیار اور اختیار کے اسباب کی زیادتی ہوتی ہے، کسی شخص نے کبھی کوئی بھوکا اور بے سروسامان فرعون نہیں دیکھا ہے

اے کریم ذوالجلال مہرباں دائم احساں درائے جہاں
اے کریم عفو بخش، اے لم یزل اے کثیر الخیر شاہِ بے بدل

جزر و مد یہ مجھ کو ہے تیری عطا — پُرسکوں تھا ورنہ یہ دریا مرا
یہ تردد تجھ سے پائے ہیں ہم — بے تردد کر تو از راہِ کرم
کردیا جب مجھ کو وقت امتحاں — ابتلا میں مرد مانندِ زناں
کب تلک یارب یہ کارِ ابتلا — کاہے کو دس، دے ہمیں اک راستہ
پیٹھ زخمی، اونٹ میں کمزور و زار — جیسے پالاں اس کے اوپر اختیار
یہ کجاوا اس طرف ڈھلکے کبھی — وہ کجاوا اُس طرف کھینچے کبھی
جیسے اہلِ کہف باغِ جود سے — نیند میں کھاؤں نہ کھاؤں بن گئے
سو رہوں میں دائیں بائیں لوٹتے — گیند سا رہ جاؤں ہرسُو گھومتے
تیرے پلٹانے سے پلٹوں دائیں میں — بائیں پلٹانے سے پلٹوں بائیں میں
میں ہزاروں سال اڑتا ہی رہا — بے بسی میں جیسے ذرّات ہوا
بھول بیٹھا ہوں اگر وہ وقت و حال — یاد ہے سوتے میں حالِ انتقال
خواب رنجِ چار میخی سے چھڑائے — جان سوئے عالمِ ارواح جائے
دودھ جو ماضی میں تھا میں نے پیا — خواب کی دایہ سے پینے پاؤں گا
جملہ عالم سر میں سرمستی لئے — ہے دواں اسباب مستی ڈھونڈتے
ہوش سے تا پائے فرصت اک گھڑی — ہے گوارا ننگِ چنگ و میکشی
دام سے ہستی کے سب ہیں باخبر — ذکر و فکرِ اختیاری ہے سقر
غرقِ مستی یا بہ شغل زندگی — بیخودی میں گم ہیں بیزارِ خودی
بیخودی میں نفس جب سرکش بنا — نیستی سے نفس کو خالی کیا
قربِ حق ہے نیستی سے اس لئے — حسنِ حق کا جلوہ اس سے چاہئے
غیر ممکن جن و انساں کے لئے — بھاگ نکلیں دیر کے اطراف سے
گھس نکلنا خولوں سے افلاک کے — غیر جذب حق بھلا ممکن کسے
جذبِ حق بن مستقی بھی کیوں بچے — شعلہ خو تاروں کی اُس بھرمار سے
کوئی بھی ہو وہ نہ ہو جب تک فنا — بارگاہِ رب میں کیوں رہ پائے گا

کیا ہے معراجِ فلک، یہ نیستی
عاشقوں کو مذہب و دیں نیستی

پوستیں، چپل ہے اظہارِ نیاز
راہِ الفت میں وہ محرابِ ایاز

گرچہ وہ خود شاہ کا محبوب تھا
ظاہر و باطن میں خود بھی خوب تھا

وہ کہ تھا بے کبر و کینہ و ریا
اس کا چہرہ شہ کو جوں آئینہ تھا

اپنی ہستی سے وہ خود مفقود تھا
اس لئے انجام بھی محمود تھا

اس سے ہے مضبوط تمکینِ ایاز
کہ تکبر سے تھا اس کو احتراز

ہر طرح سے وہ مہذب ہوگیا
قتل کبر و نفس کو جو کردیا

یا وہ حیلے تھے سکھانے کے لئے
یا کوئی حکمت تھی خالی خوف سے

دید چپل کی تھی اس باعث پسند
تا ہو ہستی نیست کے جھونکوں میں بند

نیستی سے تاکہ دخمہ کھل سکے
تا چلیں جھونکے نسیم عیش کے

تاکہ تخمہ بند مردوں پر رہے
تا بقا بعدِ فنا کی بؤ چلے

ملک و مالِ دہر سب کچھ اس جگہ
ہے سبک روحاں کو جوں زنجیرِ پا

سونے کی زنجیر سے دھوکا ہوا
چھوڑی میداں جاں ہوئی محبوس چہ

دوزخ اندر اور جنت در عیاں
اژدہا پُر زہر و نقشِ گلرُخاں

گو نہیں مومن کو دوزخ سے ضرر
پر گزرنا زود اس سے خوب تر

دوزخ گرچہ کوئی دکھ نہ دے
ہے بھلی ہر حال میں جنت اسے

ناقصو! گُل چہرے سے اس کے بچو
پاؤ گے دوزخ جو قربت اس سے ہو

بھاگ جاؤ غافلو اس باغ سے
بھٹّی سے بدتر تم اس کو پاؤ گے

چاہو! گل قند سے بچ کر رہو
جوں شرر داغنے تمھاری جیبھ کو

کیسے بولوں تم کو میں یہ انگبیں
زہر قاتل ہے نہ لو اس کو قریں

تلخ ہی لگتی ہیں یہ باتیں مری
خواب آور ہوگی میری پند بھی

سونے والے اب ذرا بیدار ہو
زندگی سے اپنی برخوردار ہو

اس ہندی غلام کی حکایت جو اپنی آقا زادی سے مخفی طور پر محبت رکھتا تھا جب لڑکی کا امیر زادے سے نکاح ہوا تو غلام کو معلوم ہو گیا وہ بیمار پڑ گیا اور گھلتا تھا کوئی شخص اس کی بیماری نہ سمجھتا تھا اور اس کو کہنے کی ہمت نہ تھی اور طبیب اس کے علاج سے عاجز آ گئے اور جب آقا کو معلوم ہوا اس نے تدبیر سے علاج کر دیا

ہندی نوکر تھا کسی آقا کے ہاں — پالا پوسا کردیا اس کو جواں
علم و آداب اس کو سکھلایا سبھی — اور ہنر کی تھی عطا کی روشنی
پالا بچپن سے بصد ناز و نعم — لطف کی گودی میں وہ صاحب کرم
تھی اسی خواجہ کی اک نورِ نظر — ایک بتِ سیمیں بدن روش گہر
جب بلوغت کے ہوئے آثار عیاں — مہر بھاری بھاری لائے طالباں
بہرِ دختر آرہے تھے صبح و شام — طالبانِ عقد، امرا کے پیام
بولا خواجہ مال کو کب ہے دوام — صبح ہاتھ آیا گیا ہنگامِ شام
حسنِ صورت کا بھی کیا ہے اعتبار — اس کی بربادی کو بس اک زخم خار
اس امیری کی بھی ہے قیمت کوئی — دولت و حشمت پہ ہی غُرہ سبھی
کتنے مہتر زادے وجہِ شور و شر — اپنی بدکاری سے ہیں ننگِ پدر
ہوتے ہیں اہلِ ہنر حاسد بڑے — چھوڑ انھیں بھی لے سبق ابلیس سے
علم افزود اس کا عاری عشق سے — بوالبشرؑ اک خاک کا پتلا اسے
علم کی دقت عیاں ہے اے امیں — اس سے چشمِ غیب میں کھلتی نہیں
کیا عیاں ہے داڑھی پگڑی کے سوا — پوچھنا ہے جاننے والے سے جا
تجھ کو اے عارف مصرّف کس لئے — چشم روشن خود جو حاصل ہے تجھے
ہے مقدم تقویٰ و دین و صلاح — دو جہاں میں ان سے حاصل ہے فلاح
نیک اک داماد اس نے چن لیا — جو اک اعلیٰ خانداں کی شان تھا
عورتیں بولیں کہ مفلس ہے بڑا — حسن، عمل داری نہ اس میں بڑپنا

بولا وہ سب دیں کے آگے کچھ نہیں ۔۔۔ گنج بے زر ہوگا ایسا بھی کہیں؟
رشتہ بس لڑکی کا پختہ ہوگیا ۔۔۔ جوڑا، زیور، مہر، سب طے ہوگیا
گھر میں اس آقا کا نوکر سن لیا ۔۔۔ ہوگیا بیمار و غم میں مبتلا
جس طرح بیمار دِق گھلنے لگا ۔۔۔ ہر طبیب علت کو پانے سے رہا
عقل کہتی تھی کہ ہے بیمار دل ۔۔۔ کب ہوا دارو سے دور آزارِ دل
حال بتلاتا نہ تھا اپنا غلام ۔۔۔ گرچہ زخمی ہوگیا سینہ تمام
ایک شب شوہر نے بیوی سے کہا ۔۔۔ پوچھ تنہائی میں حال اس کا ذرا
تو ہے اس کے واسطے گویا کہ ماں ۔۔۔ اپنا دکھ کرتا ہے وہ تجھ پر عیاں
راز کی بات اس سے کانوں میں کہی ۔۔۔ دوسرے دن پاس اس کے خود گئی
کنگھی اس کے بال میں کرنے لگی ۔۔۔ پیار کی سو سو جتائی دوستی
ایسے جیسے مادرانِ مہرباں ۔۔۔ کی خوشامد اور کھلوائی زباں
آپ سے امید یہ ہرگز نہ تھی ۔۔۔ دوگے بیٹی اجنبی سرکش کو بھی
میری خواجہ زادی، میں خستہ مگر ۔۔۔ جائے کیوں افسوس وہ جائے دگر
آیا ہے غصہ جو خاتون پر اسے ۔۔۔ چاہا پیٹے اور گرا دے بام سے
کون مادر بخطا جو لالچ کرے ۔۔۔ اس مری آقا کی دختر کے لیے
بولا صبر اچھا، سنبھل کر رہ گیا ۔۔۔ خواجہ سے بولا عجب یہ واقعہ
اک کمینہ بندہ خائن ہوگیا ۔۔۔ جانا اچھا، اعتماد اس پر کیا
کررہا تھا حال وہ اپنا بیاں ۔۔۔ غصّہ میں جی چاہا لے لوں اس کی جاں

آقا کا لڑکی کی ماں کو صبر کا حکم دینا کہ غلام کو نہ جھڑک میں بغیر جھڑ کے اس کو اس لالچ سے ایک تدبیر سے روک دوں گا سیخ جلے نہ کباب کچا رہے

بولا خواجہ کچھ نہ کہنا تو اُسے ۔۔۔ ہم چھڑا کر اس سے دے دیں گے تجھے
اس کی دھن اس سے مٹانے دو مجھے ۔۔۔ دیکھنا کیوں دفع کرتا ہوں اسے

شاد کردے اس کا دل کہہ دے اُسے　　اپنی دختر کا کیا جوڑا تجھے
نیک خواہ! تجھ سے نہ تھے ہم باخبر　　تو ہے بہتر ہم نے تجھ کو جان کر
اپنی ہی آگ، اور بھٹّی اپنی ہی　　اپنی لیلیٰ اور اپنا قیس بھی
تاکہ خوش فکری کا ہو اس پر اثر　　خوش خیالی سے ہو فربہ و تازہ تر
ہوتا چارے سے فربہ جانور　　فربہ عزت اور بڑائی سے بشر
کانوں کے رستے سے ہے فربہ بشر　　گھاس سے منہ سے ہے فربہ جانور
بولی خاتون بات ہے یہ ننگ کی　　ایسی باتیں لب پہ کیونکر لاؤں گی
ژاژخائی ایسی کیوں بھائے مجھے　　مرتا ہے شیطاں صفت خائن مرے
بولا خواجہ جا تسلی دے نہ ڈر　　لطف سے آزار اس کا دور کر
دفع اس کا میرے ذمہ میری جان　　ٹھیک ہوجائے وہ احمق ناتوان
زن کے سمجھانے سے اتنا خوش ہوا　　کم تھی دنیا میں سمائی کو جگہ
ہوگیا پس فربہ رنگ اس کا کھلا　　پھول بن کر وہ سراپا شکر تھا
گاہے گاہے کہتا تھا بی بی کہو　　شک ہے مجھ کو یہ کہیں دھوکا نہ ہو
کہتی تھی بی بی یقینی طور پر　　ہم ہیں کوشاں بس تو تھوڑا صبر کر
دیکھا خواجہ سرخ و فربہ ہوگیا　　تندرستی پائی اور پھرنے لگا
خواجہ لوگوں کو بلا دعوت کیا　　بولا موقع ہے فرج کے عقد کا
تھا وہ دھوکا لوگ سب کہنے لگے　　اے فرج جوڑا مبارک ہو تجھے
بات بس باور فرج کو ہوگئی　　جڑ سے معدوم اس کی علت بھی ہوئی
اور شب کو خیمہ میں با مکر و فن　　لڑکے کو مہندی لگائی مثل زن
رنگ کر ہاتھ اس کا دلہن سا کیا　　پھر دکھاکر مرحمی اک مرخا دیا
عمدہ پوشش دی اور عمدہ اوڑھنی　　اس کے اوپر منہ چھپانے ڈال دی
شمع خلوت گہ کی فوراً دی بجھا　　ساتھ ہندی کے وہ ہٹا کٹا تھا
چیخ اٹھا ہندی، فغاں بھی اس نے کی　　شور میں دف کے نہ سن پایا کوئی

تالیاں، دف اور شورِ مرد و زن	کھو گئی اس میں صدائے نعرہ زن
آٹے کی بوری کو کتے کی مثال	کاٹا کھینچا کردیا بد اس کا حال
صبح گھٹا اور لگن لائے بڑا	اور فرج حمام کرنے کو چلا
چل دیا حمام کو ہوکر نڈھال	کون گھائل ایک بھنگی کی مثال
خیمہ میں حمام سے آیا جہاں	بن کے دلہن بیٹھی تھی دختر وہاں
ماں وہیں بیٹھی رہی جوں پاسباں	دن میں تا وہ کر نہ پائے امتحاں
اک گھڑی غصہ سے وہ دیکھا اسے	پھر دو ہاتھوں سے کیا اُس کو پرے
بددعا دی جوڑ کوئی نہ لگے	تجھ سی بدکردار دلہن کے لیے
دن کو خاتونِ ختن جوں خوش جمال	سینگ جوں گینڈے کی شب میں اس کا حال
جوں زن تار دن کو جلوہ پر	رات کو بدتر زکیرِ خر مگر
جس طرح لگتی ہیں سب نعمِ جہاں	دور سے خوب دور قبل از امتحاں
دور سے گرچہ نظر آتا ہے آب	جا کے نزدیک اس کو پاتے ہیں سراب
سال خوردہ بڑھیا پوری چاپلوس	جلوہ آرا، خود مثالِ نوعروس
دیکھ تو ابٹن کے دھوکے میں آ	خود کو زہر آلودہ شربت بچا
فرج سے پھنسنا نہ اندر سو حرج	صبر کر ہے مفتاح الفرج
دام پوشیدہ ہے دانہ آشکار	دان اول خوش لگے گی ہوشیار

اس بیان میں کہ یہ دھوکہ تنہا اس ہندی کو نہ تھا بلکہ ہر آدمی ایسے دھوکے میں ہر مرحلے میں مبتلا ہے بجز جس کو اللہ بچائے

ہوگیا اس دام کا جب تو شکار	کب تلک روئے گا تو یوں زار زار
ہوگا سردار و وزیر و شاہ نام	مرگ و درد و جانکنی ہے وہ تمام
بندہ بن، چل خاک پر جوں راہوار	جوں جنازہ جا نہ کندھوں پر سوار
بوجھ ہے ناشکرا ساری قوم پر	بار جوں مردے کا ساری قوم پر

خواب میں جو بھی جنازے پر چلے　　مرتبہ پائے، بڑا منصب ملے
جیسے ہے تابوت سب خلقت کا بار　　بوجھ ہیں مخلوق پر اہلِ کبار
اپنے تن پر لے تو بار اپنا پسر　　کس نہ زیں اپنی کسی پر، الحذر
بوجھ غیروں پر نہ ڈال اپنا کبھی　　سروری سے ہوگی درویشی بھلی
ہو نہ گردن پر تو اوروں کی سوار　　ہو نہ جائے دیکھ نقرس کا شکار
دے گا دھکا آخرش مرکب کو تو　　تیری آبادی سے ویراں چار سُو
شہر جب دیکھے تو رد کردے اسے　　تا نہ ویرانے میں ستانا پڑے
چھوڑ اسے سو باغ کے ہوتے ہوئے　　عجز و ویرانے سے تاکہ بچ سکے
بولے پیغمبرؐ تو جنت چاہے گر　　اپنی حاجت غیر پر ظاہر نہ کر
گر کرے یوں میں بنوں ضامن ترا　　پائے گا تو خلد و دیدارِ خدا
وہ صحابی ہوگئے اس سے عیار　　ہوگئے اک روز وہ آخر سوار
خود فزود آ از شتر مثل عمر　　الحذر از منتِ غیر الحذر
تازیانہ ہاتھ سے چھوٹا گرا　　خود اتر آئے اٹھایا لے لیا
کچھ بدی جس کی عنایت میں نہ تھی　　دیدنے مانگے بنا خود آپ ہی
امرِ حق سے جو بھی مانگے ہے روا　　مانگ ایسی ہے طریقِ انبیاء
دوست کا ایماں جو ہو کب ہے برا　　کفر ایماں ہے جو ہو راہِ خدا
جو بدی ہو امرِ حق سے رونما　　ہے زمانے بھر کی نیکی سے سوا
سیپ کی گر کھال زخمی ہوگئی　　رد نہ کرنا اس میں موتی کئی
لوٹ جا بے انتہا ہے یہ سخن　　سوئے شہ چل ہم مزاج باز بن
زر کی صورت کان میں تو لوٹ جا　　دھکے کھانے سے تو ہاتھوں کی بچا
صورتِ بد کو جو دل میں راہ دیں　　ایک دن دھتکارنا ہوگا ہمیں
قطعِ ید کی چور پاتے ہیں سزا　　ذوقِ دزدی یہ دھوکا ہوا
یوں ہی قلوب، خوبی و غنڈے سبھی　　دکھ میں رہتے ہیں خوشی سے دور ہی

توبہ بھی کرتے ہیں وہ پروانہ وار
پھر بھلا کر ہوتے ہیں مشغولِ کار
دور آئی نظر جب ان کو نار
نور سمجھا باندھے جانب اُس کے بار
آئے پھر چھونے پر ان کے جل گئے
پھر اسی پر جا پڑا آنسو چلے
آئے طمعِ سود میں بارِ دگر
اور بیتابانہ جھپٹے شمع پر
حرص سے مغلوب پھر جب ہوگئے
جوں بھلکّڑ پھر وہیں بھاگے چلے
شمع سے جس وقت لوٹے کودتے
جوں غلامِ ہند دھکے دے اُسے
اے ترے چہرے روشن تیرہ شب
دوستی جھوٹی تری اور پُرغضب
دھوکا و غم سب بھلا ڈالا وہیں
حق کرے بےزور کید الکافرین

اس آیت کی تاویل کی وسعت کے بیان میں ''جب وہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اس کو بجھا دیتا ہے''

جب بھی بھڑکاتے ہیں وہ نارِ وغا
آگ وہ اللہ دیتا ہے بجھا
ٹھان لیتا ہے یہاں رُکنا نہیں
وہ بھلکّڑ پختہ عزم اس کا نہیں
بیج سچائی کا وہ بویا نہ تھا
بھول کو حق مسلّط کردیا
دل وہ گھستا ہی رہے چقماق پر
حق بجھا دیتا ہے لیکن وہ شرر

اس معنی کی تفسیر میں قصہ

اک خدا والے کے گھر چور آ گیا
بھیڑیے کی طرح گھُس کر تھا چھپا
جب انھوں نے شب کو اک آہٹ سنی
لے لئے چقماق کرنے روشنی
صاحبِ خانہ نے وہ آہٹ سنی
روشنی کرنے گھسے چمقاق بھی
آگ لی بتّی جلانے کے لئے
کیسی ہے آواز پانے کو چلے
چور آ بیٹھا انہی کے سامنے
آگ لگتے ہی بجھانے ہاتھ سے
رکھنے چنگاری پہ انگلی کا سرا
تاکہ بجھ جائے شرارہ آگ کا

اپنی انگلی کا سرا کرتا تھا تر　　اور بجھانا تھا شرر کو زودتر
خواجہ سمجھا بجھ گئی آتش ز خود　　یہ نہ سمجھا کرتا ہے گُل اس کو دزد
خواجہ بولا چیتھڑا نمناک تھا　　اور نمی سے وہ شرارہ بجھ گیا
تیرگی بے حد تھی کچھ دکھتا نہ تھا　　شعلہ کش بھی تھا وہیں بیٹھا ہوا
ایسا آتش کش بھی دل میں کوئی　　دیدۂ کافر نہ دیکھے گا کبھی
کیوں نہ جاتے جس کا دل جانے کہے ہے　　گھومتے کو بھی گھمانے والا ہے
کررہا ہے طوف معقولات کا　　دیکھ کم عقلی بھی تو اپنی ذرا
گھر بنا معمار سے ہے خوب تر　　یا بنا معمار کے اے بے ہنر
کان جیم، آنکھ عین سی، منہ میم سا　　کیا کوئی کاتب بناکر پائے گا
شمع روشن گر بنا جل پائے گی؟　　یا جلانے والا بھی ہوگا کوئی؟
دستکاری اندھے لنجے سے بھلی　　یا ہے بینا ہاتھوں والے سے بھلی
قہرِ غیبی سے ہے تو مجبور اگر　　گرزِ محنت پڑ رہے ہیں تیرے سر
جنگ جوں نمرود کرنے کو نہ جا　　تو ہوا میں تیر لکڑی کے چلا
جیسے مغلاں تیر سوئے آسماں　　پھینکتا جا بہرِ دفعِ نزعِ جاں
بھاگ جا، ہاں، بھاگ سکتا ہے اگر　　جب کہ قیدی ہے تو، جائے گا کدھر
ہاتھ سے اس کے عدم میں کب بچا　　اس کے چنگل سے تو کیوں بچ جائے گا
آرزو کیا؟ بھاگ جانا اُس سے دور　　خونِ تقویٰ شاہ عادل کے حضور
یہ جہاں ہے دام، دانہ آرزو　　بھاگ دامِ حرص سے فی الفور تو
یوں اگر جائے تو پائے سو کشاد　　ضد اگر کرنے لگے دیکھے فساد
ضد ہی دیکھے ہوکے ضد میں مبتلا　　ضد سے ضد کو جان لے گا اے فتا!
تو دلوں کا فتویٰ فرمائے نبیؐ　　گرچہ مفتی کرتا ہو باتیں بڑی
دل سے فتویٰ لو پیمبرؐ نے کہا　　گو بظاہر قولِ مفتی ہے جدا
آرزو چھوڑ آئے تاکہ رحم اُسے　　آزمایا ہے یہ اس کو چاہئے

اس کی طاعت کر کہ ہے مشکل فرار حبس سے تا باغ میں پائے قرار
غور و خوض اس میں جو تو کرتا رہے دادگر سے داد تو حاصل کرے
چشم بندی سے رہے گر در حجاب کار خود کرتا نہیں ترک آفتاب
دیکھ چل پھر ایاز اور اس کا حال برتری اور اس کی رفعت کا کمال

بادشاہ کا امرا اور متعصبوں پر فضیلت اور مرتبے اور قرب کا سبب ظاہر کرنا اور ایاز کا پوشاک کا خرچہ حاصل کرنا ایسے طریقے پر کہ ان کی دلیل اور اعتراض باقی نہ رہے

جوش میں تھے بغض سے امرا جہاں طعنہ زن تھے بادشاہ پر بھی وہاں
جب ایاز آگہ نہیں تیس عقل سے تیس امرا کا وظیفہ کیوں اسے
تیس امرا کو لئے بہرِ شکار شاہ نکلا سؤئے دشت و کوہسار
دور کوئی قافلہ دیکھا وہ شہ بولا اک سردار سے پرسش کو جا
آکے بولا رَے سے آتے ہیں ادھر چپ ہوا جب پوچھا جاتے ہیں کدھر
دوسرے کو بولا پوچھ اے بواعلا جارہا ہے یہ قافلہ کس جگہ
گفت قصد ان کا یمن تک ہے بجا پوچھا ان کے ساتھ ہے سامان کیا
رہ گیا حیراں وہ، دیگر سے کہا لے خبر سامان سے آکر بتا
بولا آکر ساتھ ہر اک جنس ہے اور بہت سے کاس ہائے شہر رے
پوچھا کب چھوڑا انھوں شہر رے رہ گیا سردار حیراں سست پے
بولا دیگر سے کہ جا پوچھ ان سے ہاں کب سے نکلا ہے سفر پر کارواں
آگے بولا آٹھویں ماہِ رجت پوچھا کیا ہے بھاؤ رے میں اے عجب
دم نہ مارا چونکہ تھا وہ بے خبر شہ نے بھیجا پھر سے سردارِ دگر
یوں ہی بھیجا تیس امیر و بیشتر ناقص و نادان سب با کرّ و فر
لے گیا ہر ایک صرف ایک ہی سوال سب رہے بے بہرۂ وصف کمال
بولا اک دن میں ایازِ خاص کا امتحان لینے لگا سب سے جدا

بولا جا پوچھے ہے کہاں کا قافلہ　　وہ گیا اخبار ساری لادیا
بے وصیت کیفیت سب پوچھ کر　　مجھ کو اس نے لاکے دی ساری خبر
تیس دفعہ تیس امیروں کا کیا　　اس نے ایک ہی دم میں پورا کردیا

ان امرا کا جبریوں کی طرح ان کے شبہ کے ساتھ اپیل کرنا اور شاہ محمود کا ان کو جواب دینا

بولے امرا یہ نہیں کوشش ہے فن　　اک عنایت ہے ز جہت ذوالمنن
حسنِ صورت چاند کو حق کی عطا　　اور خوشبو پھولوں کو عطیہ رہا
بلکہ جس دم مہربانی شہ کرے　　اس کا خیمہ چاند کے اوپر چلے
بولا سلطاں خود سے جو حاصل ہوا　　پھل عمل کا ہے، وہ حاصل جہد کا
ورنہ آدم نے خدا سے کیوں کہا　　"ظلم اپنے آپ پر ہم نے کیا"
بولتے وہ یہ گنہ قسمت سے تھا　　احتیاط اپنی کہاں پیشِ قضا
کیا نہ کہتے جوں بلیس اَغویتَنی　　جام خود توڑا تو نے زد ہم پر پڑی
ہے قضا حق، حق ہے اپنی سعی بھی　　کہنہ شیطاں سا نہ بن کاتا کبھی
ہوں تردد میں ہم اور آگے دوکار　　یہ تردد ہے نشانِ اختیار
یہ کروں یا وہ کروں کیونکر کہے　　گردو ہاتھ اور پاؤں اُس کے ہوں بندھے
ہاں کبھی وقفِ تردد میں بھی ہوں　　تیروں میں دریا میں یا اوپر اُڑوں
یہ تردد ہے کہ میں موصول چلوں　　یا برائے سحر تا بابل چلوں
پس تردد کو ہے قدرت لازمی　　یا اُڑائی جائے گی اس کی ہنسی
کر نہ حیلہ تو قضا کا اے پسر　　اپنا جرم اور بوجھ کیوں اغیار پر
خوں کرے زید عمر بدلے کے لئے　　بھگتے احمد، بکر مے نوشی کرے
گرد اپنے گھوم دیکھ اپنی خطا　　کام تیرا کیا کرے سایہ بھلا
تا نہ ہوجائے غلط پاداشِ میر　　ڈھونڈ پا لیتا ہے مجرم کو بصیر
شہر تو کھائے تپ آئے غیر کو　　تیری اجرت کیسے جائے غیر کو

تیری کوشش کب گئی ہے رائگاں — کیا نہ پایا کاشف کا پھل تو یہاں
جو بھی ہے تیرا کیا ہے تیرے ساتھ — بیٹا جوں دامن پہ تیرے اُس کا ہاتھ
کام کرلیتے ہیں صورت اختیار — کیا نہ بدلہ ہوگا چوری کا بھی دار؟
دار کے مانند چوری ہے کہاں — ہے یہ صورت از خدائے غیب داں
دیتا ہے کوتوال کو حق یہ خیال — بہرداد اس کو تو اس صورت میں ڈھال
بن تو عالم، سرور اور عادل، قضا — نامناسب کے لئے دے داد و سزا
حکم حاکم جب غلط دیتا نہیں — حکم کیوں دے **احکم الحاکمین**
تو نے جو بویا سو جو حاصل تجھے — قرض تو لے اور گرو کیوں غیر سے
جرم اپنا غیر کے اوپر نہ ڈال — چاہئے پاداش کا تجھ کو خیال
جرم کو اپنا کہ ہے تیرا کیا — دادِ حق سے شاد رہ وقتِ جزا
ہے ترے دکھ کا سبب تیری بدی — بخت نے مجھ پر نہیں ڈالی بدی
بخت پر ایسی نظر احوال کرے — گندگی میں ڈال کر کاہل کرے
آپ اپنے نفس پر تہمت لگا — شکوہ مت کر تو جزائے عدل کا
توبہ کر جوں مرد، اٹھا سر، چل براہ — ہر عمل کی ہم وزن پائے جزا
نفس کے دھوکے میں تو ہرگز نہ آ — ذرّہ بھی خورشیدِ حق سے کب چھپا
ذرّہ ذرّہ تیرے تن کا بے گماں — مہر جسمانی کے آگے ہے نہاں
پیش حق پیدا ترے آگے نہاں — سرِّ غیبی ہے نہ کر فکر گماں

اس شکاری کا قصہ جس نے اپنے آپ کو گھاس میں لپیٹ لیا تھا اور گل ولالہ کا گلدستہ ٹوپی کی طرح سر پر رکھ لیا تھا تا کہ پرندے اس کو گھاس سمجھیں اور ایک ہوشیار پرندے نے کچھ تاڑ لیا کہ یہ آدمی ہے جو گھاس کی طرح نظر آ رہا ہے، لیکن پورا نہ سمجھا وہ بھی دھوکے میں پڑ گیا کیونکہ وہ پہلے ادراک میں یقین نہ رکھتا تھا اور دوسرا احساس قطعی تھا اور وہ حرص اور لالچ سے خصوصاً حاجت اور ضرورت کی زیادتی کے

وقت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے قریب ہے کہ فقر کفر بن جائے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان پر اور ان کی اولاد اور اصحاب پر درود و سلام ہو

اک پرندہ درمیانِ مرغزار پہنچا اس جا دام تھا بہر شکار
دانے کچھ بکھرے ہوئے تھے خاک پر تھی پرندوں پر شکاری کی نظر
تھا لپیٹے جسم پر برگ و گیاہ اور سر پر لالہ و گل سے کلاہ
گھات میں بیٹھا تھا نظروں کو جمائے صید تا بے راہ پرندوں کو بنائے
آیا انجانے پرند اک اس جگہ گرد پھر کے اس کے آگے آ گیا
پوچھا اس سے کون ہے اے سبز پوش اس بڑے جنگل کے اندر سب وحوش
بولا اک زاہد ہوں میں سب سے جدا ہے گزارا گھاس تنکوں پر مرا
میں نے لی ہے زہد و تقویٰ میں پناہ ہے اجل پر ہر گھڑی میری نگاہ
ہے نصیحت مرگِ ہمسایہ مجھے ہوگیا بے بہرہ کسب و کار سے
آخرش رہنا پڑا تنہا مجھے دور ہی رہنا ہے اب سب لوگوں سے
راستہ لینا ہے آخر قبر کا ہے صفاتِ حق کو اپنانا بھلا
تھوڑی باندھی جانے والے ہے صنم پس یہ بہتر ہے کروں بکواس کم
عادی تو پٹکے کا اور کمخواب کا پیرہن آخر ملے گا اَن سِلا
خاک سے ہم ہوں گے آخر خاک ہی بے وفاؤں سے یہ کیوں دلبستگی
چار عناصر باپ دادا، رشتہ دار عارضی رشتوں کی امیدیں شکار
مدتوں ہم صحبت اور ساتھی یہی چار عناصر ان سے جسمِ آدمی
ہے نفوس و عقل سے جاں کا ظہور اب وہ اپنی اصل سے رہتی ہے دور
آئے نامہ ان نفوس و عقل کا یہ کہ جاں ہے ان کے حق میں بے وفا
پنج روزہ دوست تجھ کو کیا ملے رشتے یارانِ کہن سے کٹ گئے
بچہ دن بھر کھیل میں شاداں مگر رات کو واپس انھیں جانا ہے گھر
چھوٹے بچے ننگے بازی میں مگن لے گیا چور ان کے جوتے پیرہن

اس قدر تھے کھیل کے اندر مگن — کہ بھلا بیٹھے کلاہ و پیرہن
آئی شب بے فائدہ بازی رہی — ہو نہ پائی شرم سے گھر واپسی
کھیل ہے دنیا کبھی تو نے سنا؟ — رخت برباد اور تو ہیبت زدہ
رات سے پہلے تو جامہ ڈھونڈ لے — دن کو جا باتوں میں ضائع کر نہ دے
میں نے کی صحرا میں خلوت اختیار — جامہ چوروں میں ہے لوگوں کا شمار
عمر آدھی حبِّ جاناں میں کٹی — دشمنوں پر غصہ میں آدھی گئی
ٹوپی اُس نے لی وہ جبہ لے چلا — اپنا جینا کھیل بچوں کا ہوا
موت کی شب دیکھ نزدیک آ گئی — کھیل بس کر پھر نہ سوچ اس کی کبھی
چور کو جالے سوارِ توبہ ہو — لے لے واپسی چور سے تو جامہ کو
مرکبِ توبہ عجب مرکب ترا — آسماں اک جست میں چھو لے گا جا
پر رہے مرکب پہ بھی تیری نگاہ — لے نہ جامہ چور اس کو بھی اڑا
تا نہ لے تیری سواری بھی چرا — کر نگہبانی سواری کی ذرا

اس شخص کا قصہ جس کا دنبہ چوروں نے چرالیا اوراس پر بس نہ کی تدبیر سے اس کے کپڑے بھی چرالیے

تھا کسی کا مینڈھا، ہمرہ کھینچتا — کاٹا رسّی چور اس کو لے گیا
بھاگا ہرسُو مینڈھا غائب دیکھ کر — تا کہ پکڑے چور کو ہو وہ جدھر
اک کنویں کے پاس چور آیا نظر — ہائے ہائے کررہا تھا وہ اُدھر
پوچھا اس نے کیوں ہے زاری تری — بولا ہمیانی کنویں میں گر پڑی
ہوسکے تو ڈوب کر لادے مجھے — دوں گا اس کا پانچواں حصہ تجھے
میری ہمیانی میں ہیں پانسو درم — کاش تو مجھ پر کرے اتنا کرم
ایک سو دینار لے لئے ہاتھ سے — سوچا دس دنبوں کی پونجی ہے مجھے
کھل گئے سو درجہ بند اک دَر ہوا — اونٹ دنبے کے عوض اللہ دیا

چاہ میں اترا وہ کپڑوں کو اتار ہوگیا وہ ساتھ کپڑوں کے فرار
چاہئے منزل کو پانے پختہ کار طمع طاعوں کا بنادے گی شکار
اے عجب چور اس کے فتنے ہیں کئی لمحہ لمحہ اس کی صورت ہے نئی
مکر اس کے کون جانے جز خدا لے پناہ اللہ کی خود کو بچا

پرندے کا شکاری کے ساتھ رہبانیت اختیار کرنے کے بارے میں مناظرے سے حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو روکا کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے

مرغ بولا خواجہ خلوت چھوڑ آ ترک دنیا دین میں ہے ناروا
ترکِ دنیا منع فرمائے رسولؐ تجھ کو بدعت کیسے بھائی اے فضول
باجماعت جمعہ کو لازم نماز حکم نیکی کا بدی سے احتراز
رنج سہنا بدمزاجوں کا بہ صبر نفع پہنچانا سبھوں کو مثلِ ابر
شاد خیرالنّاس سے خلقت تمام تو جو پتھر ہو تو کیا ڈھیلے سے کام
امتِ مرحوم سے وابستہ رہ امت احمد کو اپنا، بندہ رہ
چونکہ رحمت ہے جماعت اے پسر تاجِ رحمت ہوگا سر پر جہد کر
لوٹ کر بولا شکاری ہوشیار تو جو کہتا ہے نہیں وہ زینہار
صحبتِ بد سے ہے تنہائی بھلی ساتھ بد کے نیک سیکھے گا بدی
عقل میں سب کی نہیں ہے پختگی پیشِ عاقل وہ ہے سنگ و خشت ہی
اہلیت جس میں نہ ہو خر ہے وہی ترکِ دنیا ہے اسی کی دوستی
گھاس کی دھن میں صدا مانندِ خر چھوڑ اسے تا رہ نہ جائے بے ہنر
غیرِحق جو بھی ہے سب مٹ جائے گا آنے والا آئے جب آئے گا
ماسوا اللہ کے فانی ہے سبھی ملک و مالک عکس اُس مالک کا ہی
سایہ عکسِ شخص ہوتا ہے مگر سایہ سے حاصل نہیں کوئی ثمر
سایہ سے ہاں شخص کو کر لے طلب چل مسبب کی طرف، رد کر سبب

یار جسمانی ٹنا ہے ضرور — صحبت اس کی شوم ہے رکھ اس کو دور
حکم اس کا اس کے قبلہ کی مثال — مردہ جو وہ، اس کو مردہ کا خیال
وہ ہے راہب جو بھی ان کے ساتھ ہو — دوست رکھتا ہے کلوخ و سنگ کو
ڈھیلے پتھر ترک کر اے بے وجود — سوئے کانِش لعل چل تو بہرِ جود
یہ کلوخ و سنگ خود ہیں راہ مار — آفتیں درپیش ان سے سو ہزار
مرغ بولا جہد کہلائے یہ تب — ایسا رہزن درمیاں ہوتا ہے جب
از برائے حفظِ یاری و نبرد — خطرے کی جا چاہتا ہے شیر مرد
ہوتی ہے مردانگی ظاہر تبھی — ساتھ ہو دشمن سفر میں جب کبھی
چونکہ ہیں اپنے نبیؐ تلوار بند — ان کی امت صف شکن، مشکل پسند
اپنے دیں میں مصلحت جنگ و شکوہ — مصلحت دینِ مسیح میں غار و کوہ
خوبی ہر دیں نظر میں ہے جدا — ڈھونڈ خوبی گر تو ہے مردِ خدا
بولا ہاں بازی جو ہوگی زور زور — تاکہ قوت سے دبائے شر و شور
قوتِ مردانہ اس جا چاہئے — یاریِ فردِ یگانہ چاہئے
گر نہ ہو قوت تو ہو پرہیز کار — بے بسی کے وقت بہتر ہے فرار
ہے یہی کاریگری اے نامدار — غور کرکے دیکھ لے انجامِ کار
یار کی کر جستجو پائے کو راہ — ورنہ کیوں جانے تو فرقِ راہ و چاہ
بولا صدق دل ہے لازم بہرِ کار — قحط یاروں کا نہیں ہے بہرِ یار
یار بن تو یار پائے بے شمار — بے مدد رہ جائے گر ہوں نہ یار
تو ہے یوسف دیو تجھ کو بھیڑیا — دامے یعقوبؑ تھا مے رہ سدا
پھاند آتا ہے پکڑنے بھیڑیا — جھنڈ سے شیشک جو ہوجائے جدا
جو جماعت سے کرے خود کو جدا — کیا نہ اپنا خون خود اس نے پیا
از رہِ سنت جماعت کیا ہے یار — بے رہ و بے یار تنگی میں خوار
حکمِ سنت ہے جماعت کے لئے — گھوڑا ہم جنسوں میں اپنے خوش چلے

کر نہ ہر گمرہ کو اپنا ہمسفر
سونے والے کیسے ہوں گے باخبر

ہمسفر وہ ہوں جو کرپائیں مدد
اک دل و ہمدرد وخواہانِ احد

عقل کے دشمن کو ساتھی مت بنا
ڈھونڈے موقع پھاڑنے جامہ ترا

گھاٹی آنے تک ترا ساتھی رہے
تا وہاں پر جاکے تجھ کو لوٹ لے

وہ ترا ساتھی ہے مطلب کے لئے
ڈنک ہے شربت میں اس کے ہرگز نہ لے

یا وہ بزدل جس کو جب کچھ ڈر لگے
تجھ کو واپس لوٹنے کا درس دے

یار کو اپنے سکھائے بزدلی
وہ عدو ہوگا، نہیں تیرا ولی

یارِ بد وہ سانپ ہے بھاگ اس سے تو
تا نہ ڈالے زہر تجھ میں زشت خو

راہ سے بھٹکائے گا وہ راہزن
مرد کاہے کا جو ہو مغلوبِ زن

جاں کی بازی چاہے راہِ زندگی
ہے اک آفت دور کرنا بزدلی

راہ دیں، گمراہ خود کیونکر چلے
پختہ کار اک بار اس کو چاہیئے

کام مشکل خلق میں تمیز کا
جیسے چلتی بھونسی کو کرنا جدا

راہ سب ہوتے ہیں پاؤں کے نشاں
دوست، تدبیروں کی گویا سیڑھیاں

بھیڑیے سے گو بچائے احتیاط
بے جماعت کیسے حاصل وہ نشاط

وہ جو خوش خوش راہ تنہا طے کرے
ہوں جو رفقا ساتھ وہ خوشتر چلے

انبیا نے اس رہِ دیں میں سدا
معجزوں سے جمع لوگوں کو کیا

گر نہ ہوں دیواریں دیواروں کے ساتھ
گھر بنے کیوں، آئے کیوں انبار ہاتھ

ہر کوئی دیوار گر ہوگی جدا
کیا معلق ہوگی چھت اندر ہوا

نہ ملیں گر روشنائی اور قلم
ہوگی کوئی چیز کاغذ پر رقم؟

اور بچھائے گا کوئی گر بوریا
گر نہ ہوں پیوند اڑا دے گی ہوا

حق نے ہر اک جنس کے جوڑے کئے
باہمی سے ان کی پھل حاصل ہوئے

درمیان مرغ و شکاری کے عجب
بحث جاری تھی ہوئی نزدیک شب

بات سے بات اس طرح بڑھتی رہی
بحث ان کی دیر تک چلتی رہی

مثنوی کو چست اور دلخواہ کر الغرض یہ ماجرا کوتاہ کر
دانۂ گندم جو دیکھا مرغ نے ہوگیا بے قابو فرطِ شوق سے
پوچھا گندم کس کے حق میں جائے گا بے وصی بن باپ بچے کو، کہا
کچھ یتیموں کی امانت ہے یہ مال لوگ امانت دار کرتے ہیں خیال
بولا بھوکا اور ہوں میں خستہ حال بولا پس مُردار ہے مجھ کو حلال
کھاؤں میں گندم سے کچھ گر ہو کرم اے امیں اے پارسا اے محترم
بولا مفتی تو، ضرورت ہے تجھے بے ضرورت کھائے گر محرم بنے
ہو ضرورت بھی تو رہنا اس سے دور کھائے گر تاوان ہے اس پر ضرور
غرق خود میں ہوگیا مرغ اُس زماں نفس کے ہاتھوں رہا ہے بس وہاں
جوں ہی کھایا گیہوں پھندے میں پڑا یٰسین اور انعام دُہرانے لگا
بعد پھنس جانے کے کیوں افسوس و آہ چاہئے تھا پہلے یہ دودِ سیاہ
قبل اس سے کہ تو دانے میں پھنسے حرص پر قابو ضروری تھا تجھے
آہ و نالہ کام آئیں گے تبھی دل سے کردے دور جب لالچ تری
ختم ہوں گے جب یہ حرص و ہوس تو پکار اس وقت اے فریاد رس
بصرہ کی بربادی سے پہلے تھی بات مات سے مل سکتی بصرہ کو نجات
کھو کے مجھ کو رونے والے مجھ پہ رو قبل کھو دینے سے موصل و بصرہ کو
مغفرت مرنے سے پہلے مانگ لے بعدِ مُردن صبر لازم ہے تجھے
مجھ پہ رو لے قبل مرنے سے مرے بعد مرنے کے بھلا وہ کس لیے
کارواں لٹنے سے پہلے ہی تجھے پاسباں ڈنکا بجانا چاہیے

اس چوکیدار کا قصہ جس نے خاموشی اختیار کی حتیٰ کہ چور تاجروں کا سامان لے گئے اس کے بعد ہائے ہائے اور حفاظت شروع کی

پاسباں اک کارواں کا تھا کوئی کام اس کا تھا حفاظت مال کی

وہ جو سویا چور ساماں لے گئے　　اور زمیں میں دفن کرکے رکھ دیے
صبح دم جاگے جو اہلِ قافلہ　　سیم، سامان و سواری کچھ نہ تھا
کررہا تھا پاسباں آہ و بکا　　پیٹتا تھا ڈنکا، خود ہی چور تھا
پوچھے سب اس کو بتا اے پاسباں　　کیا ہوا سامان، اب ہے کہاں؟
بولا چور آئے نقاب اوڑھے ہوئے　　لے گئے ساماں مرے ہوتے ہوئے
بولے اے بالو کے ٹیلے، بے حیا　　آخر اتنا مال تو نے کیا کیا
بولا میں تنہا تھا اور وہ اک گروہ　　سب کے سب ہتھیار باندھے باشکوہ
بولے گر ہمت لڑائی کی نہ تھی　　کیا نہ دے سکتا تھا تو آواز بھی
بولا دکھلائے وہ تلوار اور چھری　　چپ وگرنہ مار ڈالیں گے ابھی
بند کرلی میں نے تب اپنی زباں　　کررہا ہوں اب میں فریاد و فغاں
اس گھڑی دم مارنے کو دم نہ تھا　　جتنا چاہو اب کروں گا غلغلہ
عمر بد کاری میں جب کہ کھو چکا　　اب اَعوذُ و فاتحہ بے فائدہ
گرچہ اب زاری رہی بے فائدہ　　پر ہے غفلت اس سے بڑھ کر بدمزہ
ہوگا بیجا یا بجا بس شور کر　　ہے ضروری رکھ ذلیلوں پر نظر
تو ہے قادر وقت کیا بے وقت کیا　　گم کوئی شے تجھ سے کب ہوگی جدا
ہے غلط ماتم اگر کچھ کھو گیا　　کیا کبھی مطلوبِ مولیٰ گم ہوا

پرند کا اپنی گرفتاری کو زاہد کے فعل اور مکر اور دھوکے سے وابستہ کرنا اور زاہد کا پرند کو جواب دینا

مرغ بولا یہ سزا لازم اسے　　بات جو مکار زاہد کی سنے
بولا زاہد ہے یہ ظالم کی سزا　　مال بے جا کھائے جو ایتام کا
مرغ پس نوحہ گری کرنے لگا　　دام اور صیّاد کو لرزاں کیا
پیش و پس نے توڑ دی میری کمر　　دستِ شفقت پھیر جاناں فرق پر

سر پہ تیرا ہاتھ وجہِ شکر ہو   رہنما ہے ہاتھ تیرا شکر کو
سر پہ سایہ چاہیے اب برقرار   ہوں سراپا بے سکوں پُراضطرار
نیند سے محروم ہیں آنکھیں مری   یار میری داستاں ہے دکھ بھری
ناسزا بھی ہوں تو کیا ہوجائے گا   سن لے دم بھر کے لیے قصہ مرا
حق عدم کا تجھ پہ تھا وہ کون سا   لطف کے دروازے اس پر ہیں جو وا
خارشی مٹی کو کس اکرام سے   نورِ حسّ کے دس گہر تو نے دیے
پانچ عیاں دیں، پانچ حسی باطنی   مردہ نطفے کو بنایا آدمی
تو یہ بے توفیق اے نورِ علیٰ!   ہجو توبہ کی ہے، کیا اس کے سوا
توبہ بے نصرت بھی ہے توبہ کوئی   توبہ سایہ،چاند تو کُل شیءٍ
تجھ سے ویراں گھر، دکاں میرا ہوا   کیوں نہ روؤں جب تو بھینچے دل مرا
بن ترے سب کام میرے بے نظام   کام میرے بن ترے کیوں ہوں تمام
تجھ سے دوری میں کوئی زندہ کہاں   تیری آقائی بنا بندہ کہاں
اصل ہستی تو ہے لے لے جاں مری   بن ترے کس کام کی جاں دکھ بھری
میں ہوں عاشق بر فنِ دیوانگی   بس مجھے یہ عقل یہ فرزانگی
شرم اٹھ جائے تو کردوں راز فاش   صبر کب تک توبہ کے یہ ارتعاش
گوٹ سا مستور ہوں اندر حیا   اوڑھنی سے باہر اک دن آؤں گا
بند راہیں یار سے، یارانِ من   وہ شکاری شیر ہم لنگڑے ہرن
غیرِ تسلیم و رضا کیا ہے علاج   شیرِ نَر کے ہاتھوں ہم بےبس ہیں آج
وہ ہے خواب و خور بنا جوں آفتاب   رکھتا ہے روحوں کو بھی بےخورد وخواب
مجھ سا ہوجا یا تو ہو مجھ میں فنا   تا تجلّی میں تو دیکھے رُخ مرا
ورنہ بن دیکھے ہے کیوں شیدا مرا   خاک تھا جینے کا خواہاں کیوں ہوا
لامکانی رزق گر کھایا نہیں   تاک میں ہیں تیری آنکھیں کیوں وہیں
جھانکتی ہے بلی اس روزن میں ہی   روزی جس روزن سے وہ پاتی رہی

گربۂ دیگر ہے گرداں بام پر
طعمۂ مرغ اس نے پایا ہے ادھر

اُس نے اپنایا گار جولاہہ پن
یہ ہے چوکیدار تنخواہ میں مگن

اور اک بیکار تاکے لامکاں
اس کو حاصل ہے وہیں سے قوتِ جاں

ہے ارادت حق سے کام اس کا وہی
اس کی دھن میں چھوڑے کام اپنے سبھی

وہ دگر بچوں کی صورت تا بہ شب
کھیل کے اندر بھلا بیٹھے ہیں سب

نیند کے غلبہ میں جوں جاگے کوئی
تھپکیاں اس پر فریب دایہ کی

جا ابھی آرام کر اے میری جاں
کوئی چونکانے نہ پائے گا یہاں

جاگنا ہے تجھ کو از خود خواب سے
جیسے پیاسا کو شورِ آب سے

میں صدا پانی کی پیاسوں کے لئے
برسوں باراں جیسے بامِ چرخ سے

جاگ عاشق جاگ دکھلا اضطراب
پہلے پانی، پیاسا اس کے بعد خواب

اس عاشق کی حکایت جو معشوق کے وعدے کی امید پر اس حجرے میں پہنچا جس کا اس نے اشارہ کیا تھا اور رات کے کچھ حصے میں منتظر رہا پھر اس کو نیند آ گئی معشوق آیا اس کو سویا ہوا پایا اس کی جیب اخروٹوں سے بھر دی اور اس کو سوتا چھوڑ دیا اور واپس ہو گیا اس کی حقیقت کے بیان میں

عہدِ رفتہ میں کوئی عاشق رہا
عہد میں اپنے وہ پکّا عہد کا

فکرِ وصلِ یار میں تھا سالہا
یار کا مقتول، مقتولوں کا شہ

جو بھی ڈھونڈے گا وہ ہوگا بامراد
صبر کا انجام شادی و کشاد

یار نے اک رات اُسے آنے کہا
آ! پکایا تیری خاطر لوبیا

تو فلاں حجرے میں رہنا نیم شب
نیم شب میں آؤں گی میں بے طلب

اس نے دی قربانی، بانٹیں روٹیاں
دیکھا زیر گرد جس دم جانِ جاں

شب وہاں حجرے میں وہ امیدوار
کہ کرے گا عہد پورا یارِ غار

بیٹھے بیٹھے نیند کا غلبہ ہوا　　لیٹ کر غفلت کا مارا سوگیا
دیر تک جاگا اسے نیند آگئی　　نیند اور عاشق نہ ہونی کیوں ہوئی
نیم شب کے بعد آیا یار وہ　　عہد کا پکا رہا دلدار وہ
پا کے سویا اپنے عاشق کو وہیں　　چاک کر ڈالی ذرا سی آستیں
جیب میں اخروٹ بھر ڈالے، کہا　　کھیل ان سے تو اگر بچہ رہا
صبح دم عاشق جو جاگا نیند سے　　کُرتا چاک اور جیب میں اخروٹ تھے
بولا یار اپنا ہے سچا وعدے کا　　ہے ہمارے سامنے اپنا کیا
اے دلِ بے خواب پھر کاہے کو ڈر　　پیٹتے ہیں ڈنکا اپنے بام پر
آٹا چکّی میں ہوئے اخروٹ سب　　پورا اپنے غم کا قصّہ ہوگا کب
کون اس قصّہ سے مولے دردِ سر　　پند دیوانے کو دینا بند کر
ہجر کا دھوکا میں کھاؤں گا؟ نہیں　　آزمایا، آزماؤں گا نہیں
جو بھی ہے جز شورش و دیوانگی　　عشق میں ہے دوری و بے گانگی
ڈال دے زنجیر پاؤں میں مرے　　ہوگیا ہوں میں رہا تدبیر سے
زلفِ یارِ سرگزیدہ کے سوا　　توڑ دوں زنجیریں دو سو ہوں تو کیا
آبرو کو عشق سے کیا واسطہ　　آبرو کے در پہ اے عاشق نہ جا
آگیا وقت اب کہ کپڑے پھاڑ لوں　　ترکِ تن کردوں سراپا جاں بنوں
دشمنِ فکر و حیا آ، پاس آ　　پھاڑ ڈالا پردۂ شرم و حیا
روح کو محرومِ خواب و خور کیا　　ہے کوئی بے رحم جز تیرے بتا!
گھونٹ دے آکر گلا تو صبر کا　　ٹھنڈا دل بھی عشق کا ہوجائے گا
جل نہ جاؤں تو دل اس کا خوش کہاں　　وہ بھی اس کا کنبہ سب دل میں یہاں
اپنے گھر کو خود جلاتا ہے، جلا　　کون ہے بولے جو اُس کو ناروا
ہاں خوشی سے پھونک دینا یہ مکاں　　یہی بہتر کہ ہے جائے عاشقاں
سوز کو پھر اپنا قبلہ مان لو　　شمع ہوں، دینے ضیا جلتا رہوں

آج کی شب خواب سے پرہیز کر
جاگنے والوں میں ہو یہ شب بسر

دیکھ انھیں پھرتے ہیں جو مجنوں بنے
جوں پتنگے وصل کے مارے ہوئے

دیکھ غرقِ عشق کشتی خلق کی
اژدہے کا ہے منہ ہے گویا عاشقی

لقمہ کر لے دل وہ ایسا اژدہا
کوہ جیسی عقل وکو دے گا ہٹا

عقل ہر عطار جو جانے اسے
عطر دانوں کو ندی میں پھینک دے

تا اَبد اِس جو سے نکلے گا نہیں
بالیقیں اس کا کوئی ہمتا نہیں

دیکھ اے مکّار آنکھیں کھول کر
جھوٹا ہے، رکھتا ہے تو سب کی خبر

مکر و محرومی میں کب تک باہر آ
حیّ و قیومی کی دنیا میں درآ

کورپن تا جائے تو بینا بنے
کاہے کو انجانا آ سب جان لے

بن تو مستی بخش مستی سے نکل
استقامت میں تلوّن کو بدل

کب تلک یہ ناز یہ مستی تری
مست ایسے ہر گلی میں ہیں کئی

گر دوعالم ہوں پُر از مستان
ایک ہوں گے وہ سبھی ہوں گے نہ خوار

ایسی بسیاری میں ہے کوئی خوار
خوار ہے بس دوزخی بسیار خوار

چاندنی میں ڈوبا ہو جب کُل جہاں
کیوں رہے بےفیض اک عاشق کی جاں

کُل جہاں روشن کرے جب آفتاب
ہوگی کیوں وہ روشنی خوار و خراب

باوجود ان سب کے اوپر چل ابھی
ہے زمیں حق کی بہت پھیلی ہوئی

گرچہ مستی باز اشہب ہی سہی
برتر اس سے ہے زمینِ پاک بھی

برتر اہلِ قرب ہیں ابرار
شیر ان کا روبہ ان کے سامنے

بن کے اسرافیل جاکر امتیاز
پھونک مردوں میں، مست ومست ساز

دل مزاح اندیش ہے ہر مست کا
کہ نہیں کچھ ماسوا سے واسطہ

یہ نہ جانوں، وہ نہ جانوں کس لئے
تا بتائے جانتا ہے تو کسے

ہے نفی اثبات ہی کے واسطے
چھوڑ نفی کر شروع اثبات سے

یہ نہیں اور وہ نہیں سب چھوڑ دے
لا اسے موجود جو ہے سامنے

چھوڑ نفی کو کر وہی مستی طلب ترُک و مطرب کو سنا احوالِ شب
پوج اس ہستی کو نفی کو چھوڑ دے سیکھ یہ بابا تو ترُکِ مست سے

ایک مخمور ترک امیر کا گویے سے صبح کی شراب کے وقت فرمائش کرنا اور اس حدیث کی تفسیر کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایک شراب ہے جو اس کے دوستوں کے لیے تیار کی گئی ہے وہ جب اس کو پیتے ہیں مست ہو جاتے ہیں اور جب مست ہو جاتے ہیں پاکیزہ بن جاتے ہیں

بادہ خمِ اسرار میں لہرا کے اٹھے تا جو بھی مجرد ہے اسے نوش کرے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک ابرار پئیں گے

تو جامِ حرام پی رہا ہے پیتے نہیں ہم بجز جلالی
چاہئے نیست سے تو ہست بنے بادہ لنڈھا کے مست بنے
صبح دم اک ترک جاگا نیند سے نشہ میں بھیجا مغنّی کے لئے
نغمہ سنجِ روح ہے مستوں کا یار اس پہ ان کی قوت و قوت کا مدار
دعوت مستی ہے مطرب کو نوا بہر مستی اس کا نغمہ ہے غذا
ذوق حق سے مطربوں میں انجذاب اور مغنی سے ہے کیف آور شراب
نام دونوں کا ہے اک اندر سخن پر حسن یہ اور وہ دیگر حسن
اک نما ہیں لفظ گو وقتِ بیاں پر کہاں رسّی کہاں وہ آسماں
شرکتِ لفظی ہے دائم راہزن گبر و مومن کا ہے اک جیسا بدن
جسم جیسے بند سر پیالے سبھی دیکھیں تا پیالوں میں کیا ہے چھپی
کوزے میں اس جسم کے آبِ حیات کوزہ میں اس جسم کے زہرِ ممات
دیکھے گر برتن میں تو توشاہ ہے ظرف اگر دیکھے تو تو گمراہ ہے

دیدۂ تن کی ہے تن پر ہی نظر　　جانِ پرفن دیکھے باطن کی نظر
لفظ و خط دیکھوگے تم یہ مثنوی　　راہزن ہے، ورنہ ہادی معنوی
صاف ہے قرآں سے خود قرآن لو　　ہے مُضِل بعضوں کو ہادی بعض کو
ہے لبِ عارف گرچہ لفظ مے　　مئے کہاں، ہے اس کو مطلوب اور شے
بادۂ شیطاں تو سمجھا ہے اسے　　بادۂ حق کا گماں کیوں ہو تجھے
ہیں ساتھی یہ مغنّی اور شراب　　سوئے اک دیگر کھنچ آتے ہیں شتاب
مست کو حاصل مغنّی سے غذا　　لائے مطرب اس کو سوئے میکدہ
وہ سرِ میداں ہے یہ در انتہا　　گیند سا چوگاں سے لپٹا ہوا
ہوش گم ہوجائیں گے پھر دونوں کے　　والد و مولود ایک ہوجائیں گے
شادی و غم میں ہوئی جب آشتی　　ترک نے قوال کو آواز دی
نغمہ کیف آور کوئی گانے لگا　　اے تو ان دیکھے مجھے پیمانہ لا
تو مرا چہرہ نظر کیوں آئے گا　　انتہائی قرب ہے پردہ بڑا
عقل کو اپنی نہ دیکھا کیا عجب　　قرب بل پر بل ہے اور مشکوک سب
تو رگِ جاں سے قریں تر ہے مجھے　　'یا' ندا ہے دور والوں کے لئے
سوئے صحرا رخ بلا نے کرلیا　　تا نہ پالیں وہ کہ ہے جن سے حیا
اس سخن کی حد نہیں ہے اے عزیز　　سن ذرا یہ نکتۂ صاحب تمیز

نابینا کا مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آنا اور نابینا کے سامنے سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھاگ جانا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ کیوں بھاگتی ہے وہ تجھے نہیں دیکھتا ہے اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علہ وآلہ وسلم کو جواب دینا

اندھا آیا بولا آقاؐ کے حضور　　آٹا تم سے پاتا ہے ہر اک تنور
میں ہوں پیاسا اور پانی آپ کا　　بن کے فریادی میں آیا ساقیا!

اندر آیا جوں ہی وہ اندھا شتاب | عائشہؓ اندر چلیں بہرِ حجاب
چونکہ ان خاتونؓ کو تھی آگہی | کہ ہے شرم آگیں بہت ذاتِ نبیؐ
جو حسیں تر ہے حیا اس میں سوا | ناز کا چونکہ حیا ہے لازمہ
دیتی ہیں شوہر کو لونڈی بوڑھیاں | اپنی زشتی جان لیتی ہیں جہاں
دو جہاں میں حسنِ احمدؐ بے مثال | ان کا حامی نورِ ربِّ ذوالجلال
دوجہاں کا ناز آپؐ ہی کو سزا | ہے بجا خورشیدِ صد تو کو حیا
اوجِ پر کیوں ان کے میری گیند اب | اے ستارو منہ چھپا لو اپنے سب
روشنی میں میری ہوجاؤ فنا | ورنہ رسوائی سے ہوگا سامنا
رات کے ہنگام میں چھپ جاؤں گا | جب بھی جاؤں گا میں خود بتلاؤں گا
تاکہ چمگادڑ کی صورت رات کو | پرکشا ہوکر یہاں اڑتے پھرو
جیسے موراں تم پروں کو کھول دو | مست و سرخوش باعثِ حیرت بنو
دیکھو پائے زشت بہرِ امتیاز | جیسے وہ چپل کہ تھے شمعِ ایاز
صبح پھر آؤں گا میں لینے خبر | تا خودی سے تم نہ ہوں اہلِ سقر
قصّہ طولانی ہے اس کو چھوڑ دے | ہے طوالت منع حق سے روک اسے

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا امتحان کرنا کہ کیوں چھپتی ہے؟ نہ چھپ کیونکہ نابینا تجھے نہیں دیکھتا ہے تاکہ واضح ہوجائے کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی بات سے واقف ہیں یا ظاہری بات کی مقلد ہیں

آزمانے کو پیمبرؐ نے کہا | کور وہ پردے کی حاجت کیا بھلا
بولیں وہ کرکے اشارہ ہاتھ سے | وہ نہ دیکھے میں تو دیکھوں گی اُسے
روح کی پاکی ہے غیرت عقل کی | سب اشاروں اور مثالوں سے بھری
روح کی پوشش جہاں ایسی رہے | رشک اس پر عقل ایسا کیوں کرے
کس سے ہے یہ پردہ تیرا رشکِ خوٗ | وہ کہ ڈھانکا نور سے خود اپنا رو

پھر رہا ہے منہ کو کھولے آفتاب نور کی حدّت ہے خود اس کا نقاب
کس سے غیرت مند یہ چھپنا ترا جبکہ سورج ہی نہ پایا نقشِ پا
اس سے بھی افزود تر غیرت مری خود سے خود کی چاہوں میں پوشیدگی
آتشِ غیرت ہے خود لشکر مجھے جنگ مری اپنے چشم و گوش سے
شدتِ غیرت ہو یوں تو چاہئے بند ہو منہ، بات کرنا چھوڑ دے
ڈر ہے گر میں چپ رہوں وہ آفتاب کر نہ دے دیگر طرح سے بے حجاب
بات ہوئی چپ جو ہوں تو فاش تر ہو جھکاؤ منع سے اظہار پر
جوش سے دریا پہ کف چھا جائے گا خود شناسی کو لہو گرمائے گا
بولنا کیا؟ بند کرنا یہ شگاف یعنی ہے اظہار معنی پر غلاف
شور کر بلبل سا گُل کے سامنے تا کہ سب کو مستِ تو مے کل کرے
کان تا مشغول سننے میں رہے تا نہ اڑکر کوئی گل تک جاسکے
آگے اس سورج کے جو ہے جملہ نور ہیں دلیلیں درحقیقت اس سے دور

حکایت اس قوال کی کہ جس نے ترک سردار کی مجلس میں یہ غزل شروع کی گل وسوسن ہے یا ہے سرو یا ہے ماہ کیا جانوں پریشاں حال مجھ بیدل سے تیری چاہ کیا جانوں اس پر امیر ترک کا چیخ اٹھنا کہ وہ جو تو جانتا ہے اور قوال کا امیر ترک کو جواب

چھیڑا مطرب راگ پیش تُرک مست تھے نہاں اس لَے میں اسرارِ الست
کیا خبر تو چاند ہے یا بت کوئی کیا خبر مجھ سے ہے خواہش کیا تری
میں نہ جانوں تیری کیا خدمت کروں یا ثنا تیری کروں یا چپ رہوں
تو جدا مجھ سے نہ میں تجھ سے جدا پر پتہ تیرا نہ ہے میرا پتہ
ہے کشش تیری طرف ہی مجھ میں کیوں پیار دکھلا یا کبھی کر ڈالا خوں
میں نہ جانوں سے جو کی تھی ابتدا الاپے ہی الاپے چل دیا
حد سے جب شورِ 'ندانم' بڑھ گیا ترک دکھی اُس حرارے سے ہوا

ترک اٹھا گرز ہاتھوں میں لیا	آخرش مطرب کے سر تک آ گیا
گرز روکا اک سپاہی نے وہیں	بولا، مارے گا مغنّی کو؟ نہیں
یہ پچاسوں بار دُہراتا مگر	دکھ دیا مجھ کو کچل دوں اس کا سر
بے حیا، نادان تو فضلہ نہ کھا	جو بھی ہے معلوم گا مقصود پا
بول احمق علم ہے جس کا تجھے	میں نہ جانوں میں نہ جانوں چھوڑ دے
میں نے پوچھا نام مولد کا ترے	میں ہراتی ہوں نہ بلخی تو کہے
بولے ہندستان و روم چیں نہیں	نہ عراق و شام ہے نہ باردیں
موصل و بغداد میرا، نے طراز	نے نے کہتے طے کیا راہِ دراز
بس کہاں کا ہے بتاکر چھوٹ جا	مقصدِ تنقیح ہے صرف اک جگہ
یا جو پوچھوں تو نے کیا کھایا شتاب	تو کہے گا نے شراب و نے کباب
نے پیاز و نا ہی سبزی نے پنیر	نے شکر نے شہد ہے وہ نہ ہی شیر
گوشت سوکھا نہ ثرید اور نے مسور	بس وہی بتلا جو کھایا بالضرور
یہ بڑی بکواس ہے کس کام کی؟	بولا قصد اپنا نہاں ہے اس میں ہی
پہلے نفی کے کھوئے تو اِثبات کو	نفی کی اثبات کی تا پائے بو
بجاتا ہوں میں نفی میں ساز کو	مرنے پر تا موت کھولے راز کو

آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کے قول مرجاؤ قبل اس کے کہ مرو کی تفسیر بیت حکیم سنائی قدس سرہٗ

تو مَر مرنے سے پہلے زندگانی یارا گر چاہیے
کہ ہم سے پہلے جنت میں ہیں ایسی موت سے ادریسؑ

جاں کھپاکر بھی تو پردے میں رہا	اصل مرنا ہی تھا مقصد کب مرا؟
موت بن ہے جاں کھپانا ناتمام	سیڑھی پوری ہو تبھی پہنچوگے بام
ہوں جو کم سو زینوں میں دو زینے بھی	بام پر جانے نہ پاؤگے کبھی

سو میں اک گز بھی رسن چھوٹی رہی   ڈول تک پانی نہ پہنچے گا کبھی
غرق یہ کشتی نہ ہوگی اے امیر   جب تلک رکھے نہ وہ من اخیر
شب کا تارا ہے وہ منِ آخری   وسوسوں کو غرق کرتا ہے وہی
ہوگا سورج چرخِ نیلی کا تبھی   ہوگی کشتی غرق جس دم ہوش کی
جاں کنی، بن موت کے ہوگی دراز   صبح دم ہوجا فنا شمعِ طراز
جب تلک تارے نہیں ہوتے نہاں   بام پر آئے نہ خورشیدِ جہاں
گرز لے اپنی خودی کو ختم کر   چشم تن سے کان ہوجائیں نہ گر
ضرب تیری ہے تجھی پر اے کمیں   عکس ہے تیری خود کا تو نہیں
میری صورت میں ہے یہ سایہ ترا   جوش میں تو خود سے لڑنے کو چلا
شیر جیسا چاہ میں پایا گیا   عکس خود تیرا تجھے دشمن لگا
ہست کی ضد ہے بلاشک ہر نفی   عکس سے پہچان ہوتی اصل کی
اب چلانا ہوگا نفیِ ضد سے کام   زندگی میں ہر کہیں ہوتا ہے دام
دیکھنا چاہے جو اس کو ذو لباب   موت کو اپنا، الٹ سکا حجاب
وہ نہیں مرنا جو لے جائے بہ گور   ہاں وہی، جو تجھ کو کردے جملہ نور
مرد بالغ ہوگیا بچپن گیا   رنگ سے حبشی تھا، رومی بن گیا
خاک صورت سے تھی سونا ہوگئی   خار غم دل سے گیا پائی خوشی
بولے پیغمبرؐ کہ اے اسرار جو   دیکھنا چاہے جو زندہ مردے کو
جیسے زندہ چلتے پھرتے خاک پر   جسمِ دنیا میں تو جاں افلاک پر
ہے ابھی سے ان کی جاں افلاک پر   منحصر کب موت پر ہے یہ سفر
ہوچکا یہ کام پیش از مرگ سب   ہوگا اس کا علم مرجاؤ گے جب
سب کی جاں کا سا نہیں ان کا سفر   اک جگہ سے جائے جوں جائے دِگر
دیکھنا چاہے زمیں پر گر کوئی   لاش زندوں کی طرح پھرتی ہوئی
بولو بوبکرؓ تقی کو دیکھ لے   جو ہیں میرِ جیشِ اہلِ حشر کے

دیکھ لو اس رنگ میں صدیقؓ کو
حشر کا دن ہے فزوں تصدیق کو

سو قیامت تھے محمد مصطفیٰؐ
ان کے ہاں کُل مشکلوں کا حل ملا

ثانی پیدائش ہے احمدؐ کی یہاں
سو قیامت ان کے اندر وہ عیاں

پوچھتے تھے لوگ آپؐ ہی سے سدا
تا قیامت اب ہے کتنا فاصلہ

خود زبانِ حال سے کہتے اُسے
حشر کی تم پوچھتے ہو حشر سے؟

پس رسول اللہؐ نے ظاہر کیا
مرنے سے پہلے مرو ہے راز کیا

جیسے میں ہوں مردہ پہلے موت کے
ہے اسی سے ذکر یہ حاصل مجھے

بن قیامت اور قیامت دیکھ لے
شرط یہ ہے دیکھنے کے واسطے

ہو نہ جب تک وہ نہ جانے تو تمام
چاہے وہ ہو روشنی یا ہو خلام

عقل بن جائے تو پائے گا کمال
عشق ہوجائے تو دیکھے گا جمال

پیش کردیتا دلیل اس کی یہیں
کیا کریں ادراک اس قابل نہیں

مول سستا ہے بہت انجیر کا
مرغ کھانے والا آئے، کھائے گا

سب جہاں میں مرد و زن کا ازدہام
نزع کا دکھ موت کا غم گام گام

اس سخن کو تو وصایا جان لے
باپ کی پند اپنے بیٹے کے لئے

ننگ و رقّت تاکہ پیدا ہوسکے
تا حسد اور بغض سے رخصت ملے

دیکھ اسی جذبہ سے سؤئے اقربا
ان کے دکھ سے تا ہو دکھی دل ترا

آنے والا آگیا ہے، جان لو
نزع اور رخصت میں دیکھو دوست کو

پردہ ہوں حاجات اگر پیشِ نظر
حاجتوں کو اپنے دل سے دور کر

دفعِ حاجت گر نہ ہو کیوں خامشی
ساتھ ہر عاجز کے ہے اللہ بھی

عجز زنجیر، اُس سے تیری بے بسی
جس نے پہنائی ہے کھولے گا وہی

گڑگڑا، پوچھ اے مرے ہادی بتا
کیسے مچھر ہوگیا، میں باز تھا

سختیوں میں ہیں قدم میرے دھنسے
میں بڑے ٹوٹے میں تیرے قہر سے

تیری پندوں سے تو بہرہ ہوگیا
بت شکن دعوے سے بتگر میں ہوا

یادِ دنیا ہے اہم یا یادِ مرگ جوں خزاں ہے مرگ، تو مانندِ برگ
موت ہے مدتوں ڈھولک بجائے کان جنبش میں ترا بے وقت آئے
تو کہے گا وقتِ رخصت آہ مرگ آخرش تو اب ہوا آگاہِ مرگ
موت کے نعروں سے کیا بیٹھا گلا پیٹنے سے ڈھول جیسے پھٹ گیا
مبتلا اب تک دقائق میں رہا کیا حقیقت موت کی ہے پالیا

اس غافل کی تشبیہ جو عمر ضائع کر دیتا ہے اور موت کے وقت اس تنگی میں توبہ واستغفار شروع کرتا ہے اور حلب کے شیعوں سے مشابہ ہے جو ہر سال عاشورہ کے ایام میں انطاکیہ کے دروازے پر عزاداری کرتے ہیں اور ایک مسافر شاعر کا سفر سے پہنچنا اور دریافت کرنا کہ یہ شور و نعرہ کس کی تعزیت میں تا کہ اس کے مناسب مرثیہ پڑھے

روزِ عاشورہ سبھی اہلِ حلب باب میں انطیاکیہ کے تا شب
مرد و زن کی بھیڑ ہوتی ہے بڑی از برائے ماتمِ اہلِ نبیؐ
کرتے ہیں سب گریہ و آہ و بکا روزِ عاشورہ برائے کربلا
سب گناتے ہیں وہ ظلم و امتحاں جھیلا ہے اعاد سے جو وہ خانداں
اس پہ اک ہنگامہ جو کچھ ہوگیا دشت و صحرا سب وہی تھا اور کیا
ایسے میں شاعر کوئی آیا غریب شور عاشورہ میں دیکھا عجب
شہر کو چھوڑا قصد ادھر کا کرلیا دیکھے تا کہ وجہِ شور و غُل ہے کیا
پوچھتے وہ جستجو میں چل دیا کس کا ماتم، شور کس بات کا
ہوگا کوئی نامور جو مرگیا کوئی عامی کیوں ہو مجمع ہے بڑا
نام اور القاب دو تم مجھ کو بھی میں مسافر، گاؤں والے تم سبھی
کیا ہے نام اور پیشہ اور اوصاف سب تا کہ میں بھی مرثیہ کہہ ڈالوں اب
ہوں سخنور مرثیہ میں بھی لکھوں پاؤں ساماں پارچے روٹی کے لوں

وہ کوئی بولا کہ ارے دیوانہ تُو شیعہ کیا؟ تو اس گھرانے کا عدو
روزِ ماتم، عاشورہ اُس ذات کا؟ سو صدی میں کون اس جیسا ہوا
پیشِ مومن کیوں ہو ماتم ناگوار کان پیارا ہو تو ہو بالی سے پیار
دکھڑا وہ، مومن کو جانِ پاک کا ہوگا سو طوفانِ نوحؑ سے بھی سوا

شاعر کا حلب کے شیعوں کے طعنہ کے لیے اک نکتہ کہنا

وہ یزیدی دور کب گزرا کدھر؟ اسّی صدیوں بعد تم پائے خبر؟
دیکھا ہے اندھوں نے بھی وہ واقعہ اور بہروں نے بھی وہ قصّہ سنا
اپنا ماتم خود کرو اے خفتگاں موت سے بدتر رہا خوابِ گراں
روحِ سلطاں قید سے پائی نجات جامہ پھاڑیں یا چبائیں اپنا ہاتھ
تھے وہ اپنے عہد کے شاہانِ دیں وقت شادی آیا، زنجیریں گئیں
سلطنت کے خیمے کی جانب چلے بیڑیاں کندے سبھی کچھ پھینکتے
سلطنت کا دن، دمِ شاہنشہی ذرّہ بھر بھی گر ہے تجھ کو آگہی
تو نہیں آگہ تو ماتم اپنا کر انتقال و حشر کا منکر ہے گر
نوحہ کر جا اپنے دل پر دین پر کچھ نہ پائے کہنہ مٹی چھوڑ کر
دیکھ لے گر کیوں نہ ہوگا وہ دلیر؟ مستعد ہو، جان دے، ہو چشم سیر
دین کی رخ پر کہاں ہے فرّخی دیکھا گر دریا، کہاں دستِ سخی
نہر دیکھا، پانی سے روکے نہ وہ خاص کر دیکھے جو ابر و دریا کو

اس لالچی کی مثال جو اللہ تعالیٰ کی رزاقی اور رحمت کے خزانوں کو دیکھنے والا نہیں ہے

اس چیونٹی کے ساتھ جو بڑے ڈھیر میں ایک دانہ کی کوشاں ہے اور جوش میں ہے

اور لرز رہی ہے اور جلدی جلدی کھینچ رہی ہے اس ڈھیر کی وسعت کو نہیں دیکھتی ہے

چیونٹی دانے پر ہے لرزاں اس لئے کیونکہ وہ اندھی رہی انبار سے

کھینچتی ہے دانہ حرص و بیم سے   کہ نہیں دکھتا وہ غلّہ دان اُسے
صاحبِ خرمن بھی بولے اس کو ہے   کورپن سے ہے کوئی معدوم شے؟
دیکھا ڈھیروں سے مرے تو نے وہی   اک وہی دانہ کہ ہے جس میں پھنسی
ذرّہ سا لگتا ہے کیواں کو بھی دیکھ   لنگ چیونٹی جا سلیماںؑ کو بھی دیکھ
تو نہیں یہ جسم بلکہ دیدہ ہے   تن سے چھوٹے جان کو گر دیکھا ہے
'دید' انساں باقی چمڑا گوشت ہی   جو بھی دیکھے آنکھ بس شے ہے وہی
خم کے اندر غرق کہ دوں کوہ کو   سؤئے دریا چشم خُم گر باز ہو
سؤئے دریا جانِ خم جب وہ کرے   خم بھی جیحوں کے مقابل لڑھکے
اس طرح 'قُل' ہوگا دریا کا کہا   گو ادا نطق محمدؐ سے ہوا
درِّ دریا تھا ہر اک ان کا کہا   بحر میں جب ان کا دل جاری رہا
خُم میں جو بھی ہے وہ ہو گر ہجر بنے   کیا عجب ماہی اگر دریا بنے
چشم حِس اس کو گزرگاہ پائے پر   تو گزرگاہ کاہے سے، ہے مستقر
یہ دوئی بس چشمِ احول سے رہی   ورنہ اول اور آخر ہے وہی
چھوڑ خُم کو خُم میں تو دیکھے اگر   اس میں دریا، جس کا پایاں ہے نہ سر
اول و آخر سے بیگانہ وہ آب   قہر سے محروم اس کے دَر عذاب
راز تا دنیا میں ظاہر ہوسکے   جستجو میں کوئی ماہر ہوسکے
تار یافت میں کوئی آگے بڑھے   تاکہ ہو دیدار ھو حاصل اسے
اہلِ دل ہوں جیسے جو اس میں رواں   ایک ہوکر ہوں فنا در بحرِ جاں
ایسے خم کو بحر میں کرلے یقیں   زندہ اس سے آسماں بھی اور زمیں
اس کو وحدت ہوگی حاصل در وصال   اور خطاب اس کا خطاب ذوالجلال
حق ہوں، بولے بعد ازاں منصور وار   ہوسکے تا دارِ شہرت پر سوار
کیسے ہو معلوم؟ زندہ ہونے سے   چھوڑ بخشیں، تجھ کو ہستی چاہئے
پھر سے جی اٹھنے کو مرنا لازمی   بعث کیاہے، بعدِ مردن زندگی

سب جہاں گمراہ عدم کے خوف سے
راہ ہے مرگ، عافیت کے واسطے

علم کیوں آئے گا، ترکِ علم سے
میل لازم آشتی کے واسطے

ڈھونڈنا ہے حال، ترک حال سے
ڈھونڈنا ہے قال، ترک قال سے

ترکِ ہستی، ہست ہونے کے لیے
ترکِ قدرت، صاحبِ قدرت کرے

تو ہی کرسکتا ہے یا نعم المعین
دیدۂ معدوم بیں کو ہست بیں

آنکھ عدم سے ہست میں جو آگئی
ہست کو بھی پاتی ہے وہ نیست ہی

آنکھ اگر پُرنور ہو، رخشاں بنے
یہ جہاں خود حشر کا میداں بنے

پائے جائیں گے حقائق ناتمام
فہمِ خاماں پر سمجھ ان کی حرام

چاہے نعمائے جناں ہر دوزخی
ہوں گے وہ محروم گو حق سے سخی

تلخ اس کے واسطے شہد جناں
کہ نہیں پابند در عہدِ جناں

تم بھی کیوں کرنے چلے سوداگری
جب نہیں موجود کوئی مشتری

کب تماشائی ہوئے ہیں مشتری
وہ تماشا ہے فقط آوارگی

کتنے میں یہ؟ مول کیا اُس چیز کا
ہے تمسخر، وقت کا یہ ٹالنا

وہ تھکن کو دور کرنے میں ہے جا
کچھ نہ لے گا، وہ نہیں گاہک ترا

مال کو سو بار جانچا، دے دیا
کچھ نہ ناپا، باد پیمائی کیا

ہے کہاں وہ کرّ و فرِ مشتری
سب مذاق و دل لگی، بیہودگی

ہاتھ میں اس کے نہیں اک حبّہ بھی
چاہیے کیوں کچھ، برائے دل لگی

پس خریداری کو وہ بے مایہ ہے
وہ بڑا بدبخت ہے، کیا سایہ ہے

مایہ اس دنیا میں کیا ہے صرف زر
مایہ اُس دنیا کا عشق و چشمِ تر

جو خریداری کو بے مایہ گیا
عمر کاٹی خام واپس آگیا

تھا کہاں؟ بولے نہیں کوئی جگہ
کیا پکایا؟ بولے وہ سالن کچا

مشتری بن ہاتھ میرا تا ہلے
تاکہ میری کان ہیرے جن سکے

سست و افسردہ ہے گرچہ مشتری
دعوتِ دیں دے کہ ہدیہ حکم بھی

باز اڑا، کر روح کا طائر اسیر　　بہرِ دعوت نوحؑ کو کر اپنا پیر
تو کیے جا کام بہرِ کردگار　　مانے نا مانے، کوئی کیا اس سے کار

ایک شخص کا قصہ جو آدھی رات کو ایک مکان میں سحری کا نقارہ بجا رہا تھا پڑوسی نے اس سے کہا کہ آدھی رات ہے سحری کا وقت نہیں ہے دوسرے یہ کہ اس گھر میں کوئی نہیں ہے تو کس لیے بجا رہا ہے اور بجانے والے کا اس کو جواب دینا

کوئی دروازے پہ اک ایوان کے　　باجے جاتا تھا سحوری کے لیے
نیم شب کو وہ جگانے میں رہا　　بولا قائل اس کو اے مبرم گدا
ٹھہرنے میرے سحر ہونے تو دے　　ناصبوری نیم شب میں کس لیے
اتنا ہوش، اتنی سمجھے تو چاہیے　　ہے نہیں گھر میں کوئی تا دیکھ لے
کون ہے اس جا بجز دیو و پری　　اس جگہ چاہے تو روزی تری
دف بجاتا ہے نہیں سنتا کوئی　　چاہیے ہوش اور نہیں ہے ہوش بھی
کہہ دیا بس، سن یہ خادم کا جواب　　تا نہ ہو محوِ تحیر و اضطراب
گرچہ ہے تیرے لیے یہ نیم شب　　خوش ہوں میں نزدیک ہے صبحِ طرب
ہر ہزیمت میرے حق میں ہے ظفر　　دن ہی دن ہے، رات پھر ہوگی کدھر
تیرے حق میں نیل کا پانی لہو　　میرے حق میں پانی پانی ہوبہو
تجھ کو لوہا اور وہ مرمر مجھے　　موم داورِ نبیؑ کے واسطے
تیرے حق میں بے نمو، کوہِ گراں　　پیشِ داودِ نبیؑ وہ نغمہ خواں
تیرے آگے سنگریزہ بے زباں　　پیشِ احمدؐ وہ مطیع و خوش بیاں
کھمبا مسجد کا تجھے کیا مردہ ہے　　پیشِ احمدؐ عاشق و دلدادہ ہے
''جملہ اجزائے جہاں پیشِ عوام''　　''مردہ و پیشِ خدا دانا و رام''
تو یہ کہتا ہے کہ ہے خالی مکاں　　کس لیے تو دف بجاتا ہے یہاں
راہِ حق میں بٹتی ہے دولت یہاں　　یہ مخیّر، مسجدوں کے بانیاں

راستے میں حج کے مال و جسم و جاں
خرچ کرنا جیسے مدہوش عاشقاں

کاہے سے کہتے ہیں یہ گھر ہے تہی
کیوں کہے گا وہ جسے ہے آگہی

دیکھے گھر آباد دائم دوست کا
وہ جیسے نورِ خدا بخشے ضیاء

گھر بھرے کتنے ہیں، ان میں باسی بھی
عاقبت بینوں کے آگے سب تہی

ڈھونڈ کعبہ میں جسے بھی چاہے تو
تا کہ حاضر ہو تبھی وہ روبرو

صاحبِ فخر اور جو بھی عالی ہے
سینہ بیت اللہ سے کب خالی ہے

وہ ہے حاضر، بندشِ در سے بری
اس کے ہاں محتاج ہیں باقی سبھی

کوئی بولے گا یہ ہے لبیک کیا؟
بن بلائے ''میں ہوں حاضر'' کیوں کہا

ہے بلاوا؟ تو جو حاضر ہوں کہا
کیوں ندا سے خالی لبیک ترا

ہوگئی توفیق سے آمادگی
ہے ندائے حق ہمیشہ، ہر گھڑی

میں نے جانا بو سے یہ قصر سَرا
بزمِ جاں ہے، اس کی مٹی کیمیا

اپنے تانبے کو میں اُس اکسیر پر
تا ابد گھستا رہوں زیر و زبر

دف پہ پیہم چوٹ سے جوشاں بنے
بحرِ بخشائش در افشانی کرے

لوگ صف باندھے بوقتِ کارزار
جان پر کھیلیں براہِ کردگار

وہ کوئی وقتِ بلا ایوبؑ سا
دوسرا وہ صبر میں یعقوبؑ سا

وہ کوئی جوں نوحؑ اندر درد و کرب
جیسے دگر احمدؐ سا اندر صفِ حرب

جوں ابوذرؓ اس کو دنیا سے حذر
محکمی میں وہ دگر جیسے عمرؓ

پیاس کے مارے ہیں لاکھوں اور دکھی
بہر حق لالچ میں ان کی جہد بھی

میں بھی از بہرِ خداوندِ غفور
باجوں اس کے در بامیدِ سحور

زر کمانے تجھ کو گاہک چاہیے
حق سے بہتر ہے کوئی گاہک تجھے؟

تجھ سے لے گا تھیلا گھٹیا جنس کا
نورکش دل وہ کرے تجھ کو عطا

لے گا فانی تن نجاست سے بھرا
ملک دے گا وہم سے بھی ماورا

چند قطرے اشک کے لے گا اگر
دے گا کوثر قابلِ رشکِ شکر

آہ لے کر پُر دھوئیں اور عشق سے مرتبے دے گا وہ صدہا فائدے
بادِ آہ سے اشک بادل چلائے اور خلیل اللّٰہ صابر بنائے
ہے جہاں بازارِ گرم و مثال دے کے کہنہ لے نیا سب ملک و مال
ریب و شک مانع ہے گر تیرے لیے انبیاء سے تو وثیقہ اس میں لے
ان کا حصہ اس قدر افزوں کیا کہ پہاڑ اس کو اٹھانے سے رہا

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ، حجاز کی گرمی میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں دن چڑھے احد احد کہنا جبکہ ان کا آقا انکار کے تعصب سے ان کو کانٹوں دار لکڑی سے حجاز کی گرمی کی دھوپ میں مارتا تھا اور کانٹوں کی چوٹ سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم سے خون ابلتا تھا اور ان کے ارادے کے بغیر ان سے احد احد نکلتا تھا جیسا دوسرے مصیبت زدوں سے بلا ارادہ رونا پھوٹتا ہے کیونکہ وہ عشق کے درد سے پر تھے اور کانٹوں کے زخم دفعیہ کا کوئی دخل نہ تھا جیسا کہ فرعون کے جادوگر اور جرجیس علیہ السلام وغیرہ جو نہ گنے جا سکیں نہ شمار کیے جا سکیں اور وہاں سے صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گزرنا اور ان کے حالات کو دیکھنا اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیحت کرنا

تن فدائے خار کر ڈالے بلالؓ مارتا تھا خواجہ بہرِ گوشمال
ذکر احمدؐ کیوں زباں پر ہے تری بندہ میرا اور مرے دیں کی بدی؟
دھوپ میں کانٹوں سے وہ مارا کیا اور احد کا ورد ان کے لب پہ تھا
تب گزر صدیقؓ کا اس جا ہوا اور احد کی آئی کانوں میں صدا
اشک تھے آنکھوں میں، دل تھا دکھ بھرا اُس احد سے آئی بوئے آشنا
بعد ازاں جب وہ ملے تنہا کہا کافروں سے رکھنا ایماں کو چھپا

عالمِ سرّ ہے خدا مقصد چھپا — بولا صاحب، میں نے لو توبہ کیا
صبح دم صدیقؓ جب بارِ دگر — جارہے تھے کام سے اپنے ادھر
پھر احد، آوازِ ضرب و زخم خار — دل سے شور اٹھا، بھڑک اٹھے شرر
توبہ گو بسیار کی پر کیا ہوا — آخرش توبہ سے دل اکتا گیا
فاش ایماں کردیا مولیٰ بلا — عاشقِ احمدؐ کو توبہ ہے خطا
تن میں رگ رگ میں مری ہے تو ہی تو — اُس میں گنجائش کہاں ہے توبہ کو
دل سے بس توبہ کو باہر پھینک دوں — کیوں حیاتِ خلد سے توبہ کروں
عشق ہے قہار، میں مقہور عشق — جوں شکر شیریں ہوں میں از شورعشق
تنکا ہوں میں تند ہوا کے دوش پر — کیا خبر جاکر گروں گا میں کدھر
چاند ہوں یا ہوں بلالؓ اب رو میں ہوں — پیروی میں تیرے سورج کی کروں
چاند کو کیا موٹے دُبلے پن سے کار — وہ کرے سورج کا پیچھا سایہ وار
طے کرے کوئی جو برعکس قضا — وہ کرے ٹھٹّھا خود اپنی مونچھ کا
تنکے کو صرصر میں کیوں آئے قرار — کیا ہو پیش حشر کوئی عزم کار
بلّی جوں تھیلے میں، ہاتھوں عشق کے — گاہ اوپر گاہ نیچے عشق سے
وہ گھماتا ہے مجھے اطرافِ سر — چین ادھر نیچے، نہ ہے اوپر ادھر
زد میں ہیں عشاق سیل تند کے — راضی اس سے عشق جو بھی حکم دے
جس طرح چکر میں سنگِ آسیا — گھومنا ہر لمحہ جا آہ و بکا
اس کی حرکت کو ہے اک جوئے رواں — تا نہ کہلائے کہ ہے ساکت یہاں
گر ہے وہ جوئے رواں تجھ سے نہاں — دیکھ چرخی آسماں کی ہے دواں
آسماں اُس سے نہیں آسودہ حال — گھوم اے دل، تو بھی تاروں کی مثال
شاخ تو پکڑے بھی وہ چھوڑے نہیں — ٹوٹے گی پیوند کاری سب وہیں
گر گھمانا وہ نہیں آتا نظر — جوش و گردش دیکھ عناصر کی ادھر
کیونکہ ساری گردشِ خاشاک و کف — ہے نشانِ جوشِ بحرِ باشرف

دیکھتا ہے تو بگولوں کا خروش حکم اس کا ہے جو ہے دریا میں جوش
چاند سورج بیل ہیں چکی کے دو گھومتے ہیں حکم کی تعمیل کو
خانہ خانہ دوڑتے ہیں تارے بھی ہے سواری ان پہ سعد و نحس کی
تاروں سے افلاک کے ہیں دور ہم حال ان کا پانے سے ہیں معذور ہم
عقل، آنکھیں اور یہ اپنے دو کان دن میں ہوتے ہیں کہاں شب کو کہاں
گہ سعادت، اور وصال و دل خوشی گاہ نحوست اور فراق و بیہشی
آسماں پر چاند گردش میں سدا گاہ ہے تاریک گاہے پُرضیا
گاہ گرما اور بہاراں شہد و شیر گہ سزا در رنگِ برف و زمہریر
گیند سا روشن ہے سب پیش نظر آگے بلّے کے نگوں ہے اس کا سر
دل، تو ہے اک جزو پیشِ صد ہزار حکم پر اُس کے نہیں تو بیقرار
جیسے گھوڑا مان تو حکم امیر اصطبل میں بند ہو یا راہ گیر
باندھے گر کھونٹے سے تو بھی بندھ جا جب بھی کھولے چل پڑ اور چستی دکھا
آسماں پر مہر اگر ٹیڑھا چلے ہو سیہ رُو اور اسے گرہن لگے
ہاں ذنب سے دور رہنا ہوشیار تا سیہ روئی نہ پائے ریگ وار
ابر کو بھی کوڑا ہے اک آتشیں مارتے ہیں، چل تو ایسا، یوں نہیں
جا برس وادی میں، کیا اس جا سے کار دے کے تنبیہ کہتے ہیں ہاں ہوشیار
عقل سورج سے تری بڑھ کر نہیں ہو مناہی جس کی کرتے ہیں کہیں؟
چال تیری بھی نہ ہو کج اے خرد تا نہ ہو گرہن کی تجھ پر بھی وہ زد
ہوں گنہ کمتر تو آدھا آفتاب زد میں ہو گرہن کی آدھا نور و تاب
جرم حد تک ہی گھیروں گا میں جب ہو سزا اور دین کا اندازہ تب
نیک و بد جو بھی ہو ظاہر یا چھپا دیکھنا، سننا ہمارا ہے بجا
عید ہے نوروز کی بس کر پدر لوگ خُلق حسنہ سے ہیں بہرہ ور
آب حیواں نہر میں پھر آگیا اپنے کوچے میں ہے دورہ شاہ کا

ہے نصیبہ بھی ادھر محوِ خرام — آرہا ہے توبہ شکنی کا مقام
سیل توبہ کو بہائے لے چلا — مل گئی فرصت محافظ سو گیا
ہر خماری پی کے ہے مستی سے مات — رختِ ہستی ہوگا گروی آج رات
اُس شراب جانفزا و لعل سے — لعل گویا لعل اندر لعل کے
پھر سے مجلس ہوگئی خوش جانفزا — بد نظر کو کالے دانے دے جلا
نعرہ مستانہ لگے اچھا مجھے — تا ابد جاناں مجھے یہ چاہیے
یہ ہلال اور وہ بلالؓ ہر دو بھی یار — اے گُل و گلزار ان کو زخم خار
ہو اگر کانٹوں سے چھلنی بھی بدن — ہوگا میری خوش نصیبی کا چمن
آگے کافر کے ہے تن گھائل مرا — جاں مری ہے عاشقِ زار اللہ
آرہی ہے میری جاں کو بوئے جاں — آرہی ہے بوئے یارِ مہرباں
اوجِ روحانی سے آئے مصطفیٰﷺ — مرحبا عشقِ بلالیؓ مرحبا

حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ اور ان پر کافروں کے ظلم اور ان کے احد احد کہنے کا اور منکروں کے کینے کے بڑھنے اور ان کے قصہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے دہرانا اور منکروں سے خریدنے میں مشورہ کرنا

جب بلالؓ صدیق سے یوں کہہ دے — دھو لئے ہیں ہاتھ میں توبہ سے
بعد ازاں صدیقؓ پیشِ مصطفیٰﷺ — کہ دیے حالِ بلالؓ باوفا
نیک فال و آسماں سیر آپؐ کا — آپؐ کے دامِ محبت میں پھنسا
بازِ سلطاں چغدوں میں ہے وقفِ رنج — یعنی ہے اندر پلیدی دفن گنج
ہے ستم چغدوں کا مسکیں باز پر — بے گنہ کے نوچتے ہیں بال و پَر
باز ہے وہ جرم اس کا ہے یہی — جرم یوسفؑ کا ہے اس کی خوبی ہی

مولد و مسکن کھنڈر ہے چغد کا   باز پر غصہ اسی باعث رہا
چھوڑ کر اس کو کرے کیوں تو بیاں   ذکر لالہ زار و نہر و گلستاں
یاد کیوں کرتا ہے تو اپنا دیار   وہ کلائی اور قصرِ شہریار
اپنا گھر اپنے لیے رشکِ اثیر   تو کھنڈر بولے، جو ہے نامِ حقیر
تیری یہ مکاری ہے چغدوں سے تا   وہ بنالیں تجھ کو شاہ پیشوا
وہم اور دیوانگی پیدا کرے   نام اس جنت کو ویرانے کا دے
ٹھونکیں گے سر تیرا اتنا زشت خوٗ   بھول جائے کینہ مکاری کو تو
پیشِ مشرق چار میخی دیں سزا   کانٹوں سے پیٹیں گے ننگا تن ترا
تن کے سو زخموں سے خوں اس کا بہے   اور احد کہتے ہوئے سر ڈال دے
کی نصیحت تا اُسے رکھے نہاں   سر چھپائے ہوں گے وہ ملعوں جہاں
وہ ہے اک عاشق قیامت میں پھنسا   بند اس پر توبہ کا کا دَر کھلا
عشق، توبہ اور امکاں صبر کا   جانِ من، یہ کام ہے مشکل بڑا
توبہ کیڑا، عشق جیسے اژدہا   توبہ وصفِ خلق، وہ وصفِ خدا
عشق ز اوصافِ خدائے بے نیاز   عاشقی اس کے سوا سب مجاز
زر چڑھا تانبا ہے خالص زر کہاں   ظاہر اس کا نور اندر سب دھواں
نور کھو جائے تو ہو ظاہر دھواں   عشق پڑ جائے گا ٹھنڈا اس زماں
ہوگا جب ظاہر دھواں وہ غم فزا   عشق ہی باقی رہے گا نے ہوا
حُسن سوئے اصل واپس جائے گا   جسم اس جا گندگی پھیلائے گا
نورِ منہ بھی ہوگا واپس سوئے ماہ   چھوڑ دے گا عکس دیوارِ سیاہ
اس میں ہوگی روشنی نے زندگی   حسن اس کا اور نہ وہ تابندگی
آب و گِل ہوں گے نہ ہوگا وہ نگار   اور رہے دیوار اس جا دیو سار
کھوٹے کے اوپر سے زر اڑ جائے گا   جا کے اپنی کان میں جا پائے گا
اور دھوئیں میں غرق تانبا ہوگا خوار   اس کا عاشق اس سے بڑھ کر خور و زار

جو ہیں عاقل ڈھونڈتے ہیں کانِ زر — ہوتا جاتا ہے وہ بردن بیشتر
تیری بابت ہوگا کیا شک کانِ زر! — ہوگا زر پن میں ترا ساجھی کدھر
کھوٹا ساجھی کان کا گر ہوگیا — لامکاں واپس زرِ کاں جائے گا
عاشق و معشوق نذرِ اضطراب — ماہیاں ٹھہریں، گیا گرداب و آب
عشقِ ربانی ہے خورشیدِ کمال — امر نور اور خلق سایوں کی مثال
کھِل گئے جوں پھول آقاؐ جب یہ سنے — رغبت افزوں ہوگئی کہنے لگے
پائے سننے والے جیسے مصطفیٰؐ — ہر سرِ مو خود زباں جوں ہوگیا
مصطفیٰؐ پوچھے اب اس کا چارہ کیا — بولے یہ بندہ اسے اب مو لے گا
جو بھی قیمت ہو خریدوں گا اسے — میں گزر جاؤں زیاں و ظلم سے
وہ زمیں پر ہے اسیر اللہ کا — دشمنِ حق کے غضب میں مبتلا

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمانا کہ جب تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خریدار بنے گا وہ لوگ لامحالہ مخالفت کی وجہ سے اس کی بہت قیمت بڑھا دیں گے اور مجھے اس فضیلت میں اپنا شریک کر لے اور میرا وکیل بن جا اور آدھی قیمت مجھ سے لے لے

مصطفیٰؐ بولے کہ اے اقبال جُوٗ — کر خریداری میں ساجھی مجھ کو تو
بن وکیل آدھے کا تو میرے لیے — بن خریدار اور قیمت مجھ سے لے
بولے سو خدمت کروں اور چل دیے — کافر ظلّام کے گھر کے لیے
بولے خود میں بچوں سے لینا گہر — مشتری کو سہل ہوتا ہے پدر
عقل اور ایماں کو جاہل قوم سے — دے کے سب دنیا خریدا چاہیے
یوں سجا کر رکھتے ہیں مردار کو — مولیں تا اُن سے دو سو گلزار کو
چاندنی کو یوں دکھائے سحر سے — تا اچکّا تھیلیاں سو لے اڑے

ان کو نبیوں نے سکھائی تاجری
اور جلاکر شمعِ دیں دی روشنی

دیو، غولاں اور سامر سحر سے
ان کو بے وقعت زمانے میں کئے

بد بنا دیتا ہے جادو سے عدو
تاکہ واقع ہو طلاق زن و شو

آنکھ سی دیتے ہیں ان کی سحر سے
تاکہ موتی کو عوض کوڑی کے دے

دو جہاں سے خوب تر ہے یہ گہر
مول کر جاہل سے لے لے وہ ہے خَر

پیشِ خر کوڑی و موتی ایک ہی
اس گدھے کو شک دُر دریا میں بھی

وہ تو ہے اک منکرِ بحر و گہر
ہے کہیں زیور کا جویا جانور

کیا یہ ذوق اللہ نے اس کو دیا؟
لعل و گوہر کا اسے شائق کیا؟

گوشِ خر میں دیکھی ہے بالی کہیں
ہے جہاں بھی سبزہ ہوشِ خر وہیں

احسن التقویم والتّین میں عیاں
قیمتی موتی ہے وہ اے یارِ جاں

احسن التقویم اونچا عرش سے
تو برونِ فکر پائے گا اسے

قیمت اس کی میں کہوں ممکن نہیں
کہنے سننے والے جل جائیں وہیں

موڑ خر کو، روک لے اپنی زباں
چل دیے صدیقؓ سوئے جاہلاں

کھٹکھٹائی کنڈی جوں ہی دَر کھلا
مست و بیخود چل دیے اندر سرا

بیخود سرمست غصے میں بھرے
سختی سے کہنا جو تھا کھل کر کہے

مارتا ہے کیوں ولی اللہ کو
کیسا یہ کینہ، اجالے کے عدو

دین میں، کچھ بھی ہے سچائی، ترے
ظلم اک سچے پہ کیوں بھایا تجھے

تو تو دین کفر میں بھی مادہ ہے
اور گماں تیرا کہ تو شہزادہ ہے

ٹیڑھ اوروں میں نہیں، ہے تجھ میں خود
تجھ پہ لعنت، ہے تو ہی مردود و بد

گر کہوں صدیقؓ جو کچھ بھی کہے
ہوش اپنے دست وپا کا گم کرے

حکمتوں کے چشمے مانندِ فُرات
ان کے منہ سے تھے رواں از بے جہات

جیسے پتھر، جس سے پانی ہو رواں
مایہ بازو ہے نہ باطن میں نہاں

حق نے اس پتھر کو ڈھال اپنی کیا
صاف پانی اُس سے جاری کردیا

اس طرح جوں آنکھ کے چشمہ سے نور   کردیا جاری بلا بُخل و فتور
جھلّی، چربی کب ہیں مایہ نور کیا   دی بصارت، ان کو پردہ کردیا
بادِ جاذب ہے خلد میں کان کے   جھوٹی سچّی باتوں کو تا پاسکے
چھوٹی ہڈی اس میں وہ کیسی ہوا!   قصہ خواں سے اخذ جو کرلے صدا
آڑ کو ہیں بس یہ ہڈی اور ہوا   کون ہے دونوں جہاں میں جز خدا
سننے والا کہنے والا سب وہی   کہ ہیں دونوں کان حصہ سر کا ہی
بولا اتنا مہرباں ہے اس پہ تُو   پیسہ دے رکھ لے اُسے اے نیک خُو
مول لے مجھ سے جلے گر دل ترا   خرچ بن حل کیوں ہو تیرا مسئلہ
بولے سو خدمت کروں پانسو سجود   بندہ میرا نیک ہے لیکن یہود
جسم گورا دل ہے کالا جان لے   اس کے بدلے اجلا دل تن کالا دے
بھیج کر بلوائے اس کو وہ ہمام   پس وہ فی الحق تھا بہت زیبا غلام
ہوگیا حیران از حد وہ یہود   دل ہوا قابو سے باہر اس کا زود
حال ہے صورت پر مستوں کا یہی   دیکھے صورت پگھلے پتھر دل تبھی
پھر ہوا جھگڑا شروع روکی رضا   اور اضافے کے لئے وہ اُڑ گیا
اس پہ کچھ چاندی افزونی بھی کی   تاکہ ہو راضی یہودی بخوشی
ہوگیا سودا، دیا بھی لے لیا   دے دیا گوہر عوض پتھر ملا
یہ خیال اس کا، اٹھایا فائدہ   دے اک کالے کو گورا لے لیا
درمیاں دونوں کے سودا طے ہوا   عقدِ ایجاب و قبول آخر بندھا

کافر کا ہنسنا اور خیال کرنا کہ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس معاملے میں ٹوٹے میں ہیں

قہقہہ مارا یہودی سنگ دل   از سرِ افسوس و طنز و غش و غل
پوچھے صدیقؓ اس ہنسی کی وجہ کیا   پوچھنے اور بھی بڑھ کر ہنسا
بک رہا تھا جب کہ اک کالا غلام   تم اگر کرتے نہ جدت، اہتمام

جھگڑا کرتا مول میں میں کس لئے
اس کے دسویں میں پکا دیتا اسے

آدھی دمڑی کے بھی یہ لائق نہ تھا
مانگ کر تم نے بڑھا ڈالی بہا

لوٹ کر صدیقؓ بولے اے غبی
دُر کے بدلے جوز، ہے بچہ تو ہی

قیمت اس کی میرے آگے دوجہاں
دیکھ تو رنگ، میں نے دیکھی اس کی جاں

سرخ سونا، رنگ کالا پڑ گیا
کہ ہے حاسد دہر کا احمق کدہ

آنکھ جو ست رنگ کی عادی رہی
کر نہیں سکتی گرفت اس روح کی

کرتا گر سودے میں تنگی اور بھی
دے ہی دیتا ملک و مال اپنا سبھی

پایاں ارزاں، اور دیا بھی سہل اسے
جب نہ کھولی ڈبیہ موتی کیوں دِکھے

ڈبیہ کو کھولے بنا ہی دے دیا
دیکھ لے گا جلد کیا ٹوٹا ہوا

لعل سے پُر ڈبیہ خود برباد کی
جیسے حبشی کالی صورت پر خوشی

پھر بتائے حسرتوں کی زندگی
بیچتا ہے بخت و دولت بھی کوئی؟

بندہ کی صورت نصیب آیا ترا
اے تو منحوس اس کے ظاہر پر گیا!

اس نے تجھ کو اپنی خدمت پیش کی
تو ہے بدخو، مکر و فن عادت تری

یہ سیہ باطن، تن اجلا، لے اسے
جیسے کافر پوجنے کے واسطے

یہ تجھے اور وہ مجھے دونوں کو سود
دیں مرا مجھ کو، ترا تجھ کو، جھود!

خود سزائے بت پرستاں ہے یہی
گھوڑا چوبیں جھول اطلس کی رہی

جیسے گورِ کافراں پُردود و نار
اور باہر سینکڑوں نقش و نگار

جیسے مالِ ظالماں، باہر جمال
اور اندر خونِ مظلوماں و بال

جوں منافق راندن صوم و صلوٰۃ
اور اندر کالی مٹی بے ثبات

ابر خشک اور گڑگڑاہٹ ہی سبھی
خاک بنجر پھل نہ کھانے کو کوئی

باتیں جھوٹی مکر کے وعدے سبھی
انتہا رسوائی اول روشنی

بعد اُس کے تھامے وہ دستِ بلالؓ
تھے مشقت جھیل کر مثلِ جلال

تھے خلال اور راہ پائے در وہاں
دوڑے آئے جانبِ شیریں زباں

ساتھ لے آئے انھیں، نزدِ رسولؐ کر لئے تھے ان کا دیں دل سے قبول
دیر تک وہ بیخود و بے ہوش تھے ہوش آیا اشکِ شادی پہ چلے
مصطفیؐ اس کو بغل میں لے لئے ان پہ بخشش کی خبر ہوگی کسے
ہوگا کیا، تانبا پڑا اکسیر پر پہنچا مفلس گنجِ پُرتوقیر پر
ادھ موئی مچھلی کو دریا مل گیا ایک گمرہ راستہ ٹھیک آلیا
وہ جو ارشادات فرمائے نبیؐ ہوں جو شب سے کھوئے تاریکی سبھی
پُر اُجالا ہوگی شب مثلِ سحر کہہ نہ پاؤں کہنے کو جاؤں اگر
جب ہوتا ہے حمل میں آفتاب جانے کیا کرتا ہے جھاڑوں سے خطاب
خود تو جانے کیا کہے آبِ زلال سبزہ و گل سے بھی درگوش نہال
صنعِ حق ہے یوں بہ اجزائے جہاں جیسے پھونک اور گفتۂ افسوں گراں
راہِ جذبِ حق اثر ہے اور سبب بات اس کی بے وسیلۂ حرف و لب
کب کہا تاثیر قدرت سے نہیں؟ عقل سے پر سرّ یہ پاسکتے نہیں
ہے مقلد عقل چونکہ در اُصول ہے مقلّدِ در فروعات اے فضول
عقل گر پوچھے کہ کیسے ہوگا کام بول ''وسیلے'' تو نہ جانے، والسلام

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ناراضگی کا اظہار کرنا کہ میں تجھ سے کہا تھا کہ بلال رضی اللہ عنہ کو میری شرکت میں خریدنا تو نے صرف اپنے لیے کیوں خریدا؟ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا معذرت کرنا

سیّدِ کونین و سلطانِ جہاں ہوگئے ناراض بعد از اک زماں
بولے اے صدیقؓ جب میں نے کہا مجھ کو اس اعزاز میں ساجھی بنا
مولا کیوں تنہا اسے اپنے لئے اب بتا احوال تو کھُل کر مجھے
بولے ہم دونوں ہیں بندے آپؐ کے آپؐ کے آگے کیا آزاد اُسے
مجھ کو بندہ رہنے دو اور یارِ غار کوئی آزادی نہ چاہوں زینہار

بندہ ہونے سے مجھے آزادی ہے
بن تمھارے محنت و بیداری ہے

اے جہاں کو تم نے زندہ کردیا
عام کو خواص اور مجھے خاصہ کیا

میری جاں نے خواب دیکھے در شباب
مجھ کو حاصل تھا سلامِ آفتاب

خاکداں سے آسماں پر لے گیا
ارتقا سے اس کا ساتھی بھی بنا

میں نے سمجھا یہ جنوں ہے اور محال
کبھی ناممکن ہوا ہے وصفِ حال

جب بھی دیکھا تمؐ کو، دیکھا آپ کو
مرحبا، آئینۂ پاکیزہ خوٗ

حال تھا دیکھے سے تم کو ہر محال
جان میری ہوگئی غرقِ جلال

جان شہروں کی تمھیں دیکھا جہاں
ساکھ کھویا اپنی خورشید جہاں

اس قدر ہمت نظر کی بڑھ گئی
ہیچ نہ پائی آنکھ میں دنیا کبھی

دیکھا نور چشم، تھا وہ نور نور
حور کو ڈھونڈا تو دیکھا رشک حور

چاہا یوسف سا حسین و سیم بر
تجھ میں یوسف ستاں سر بسر

باغِ جنت کی تھی مجھ کو جستجو
پایا جنت تیرے ہر اک جزو کو

میرے من میں ہے تمھاری یہ ثنا
حق ثنا کا پر نہ ہوپایا ادا

پیشِ موسیٰ جیسے بھولا گڈریا
صدقِ دل سے حمد میں مشغول تھا

کہ جوئیں پکڑوں تری اور دودھ دوں
جوتیاں سی کر ترے آگے رکھوں

مدح اس کی قدح جب کردے خدا
اے تو عقل و وہم سے ہے ماورا

عاشقو! اقبالِ نو لو آگیا
تازہ تازہ آگیا کہنہ گیا

چارہ جو بیچاروں کا ہے وہ جہاں
ہیں نوادر لاکھوں دنیا کے وہاں

مژدہ اے لوگو فراخی آگئی
ہے خوشی کا وقت تنگی جاچکی

پہنچا خود جہاں پر تھے بلالؓ
تھا تقاضا یہ کہ راحت دو بلالؓ

زیرِ لب کہتے تھے از بیم عدو
اب منارہ سے علانیہ کہو

کان میں بولے وہ ہر غمگین کے
راہ خوش بختی کی اٹھ بدبخت لے

آہ یہ قید اور یہ گندہ جوئیں
چپ عدو اس حالِ بد کی سن نہ لیں

کیوں چھپا پائیں گے اس کو ہم اے یار | ہر بنِ مو سے ہے پیدا اشتہار
پُر حسد دشمن ہے بے حِس اس قدر | بج رہے ہیں ڈھول، کہتا ہے کدھر
مارے تازہ پھول چہرے پر کوئی | اندھا کہتا ہے مصیبت آپڑی
ہاتھ کھینچے، حور بھی چٹکی جو لے | اندھا حیراں کاہے کو یہ دکھ، مجھے
دست و تن سے کھینچا تانی کس لئے | سو رہا ہوں چھوڑو، سونے دو مجھے
ڈھونڈے جس کو خواب میں تو، یہ وہی | خوش قدم ہے دیکھ تو کھول آنکھ بھی
سب بلائیں آتی ہیں پیاروں کے ہاں | یار کی یاروں سے یہ اٹھکھیلیاں
چھیڑ چھاڑ اس کی حسینوں سے سدا | گاہے اندھوں کو پریشاں کردیا
خود کو کوروں کے حوالے کردیا | تا کرے کوروں میں برپا غلغلہ

بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ جو صاحب بصیرت بغیر تقلید کے خدا کے مخلص بندے تھے مصلحت کی وجہ سے نہ کہ عجز کی وجہ سے، مخلوق کی غلامی میں پوشیدہ تھے جیسا کہ بظاہر لقمان و یوسف علیہما السلام وغیرہ اور یہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک سردار کے سائیس تھے اور سردار مسلمان تھا لیکن اندھا تھا

اندھا واقف کہ ماں ہے اس کی بجا | پر وہ کیسی ہے وہم میں بھی نہ تھا

اگر اس جاننے پر کہ ماں کی تعظیم کرے تو ممکن ہے کہ نجات حاصل کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ اگر کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے دل کی دونوں آنکھیں کھول دیتا ہے تا کہ ان کے ذریعے غیب کو دیکھ لے

اس زندگی کی راہ سے دل پیدا کر | وہ زندگی تن صفتِ حیواں ہے
سن لیے تو نے کچھ اوصافِ بلالؓ | سن ذرا اب قصہ ضعفِ بلالؓ

نیکی ان کی تھی بلالؓ سے بھی سوا خوئے بد سے بغض تھا ان کو بڑا
وہ نہ تھے پس رَو جو پیچھے ہی چلے گر کے جو موتی سے پتھر ہو رہے

اس معنی کے بیان میں

آیا مہماں جس طرح خواجہ کے ہاں عمر پوچھی خواجہ نے اُس کی وہاں
پوچھا تیری عمر کتنی ہے بتا سال بتلا مجھ کو، گن کر، مت چرا
بولا اٹھّارا کہ سترہ، سولہ ہی یا ہے پندرہ یا ہے دس بھائی مری
بولا واپس، سر ترا چکرا گیا جاتے جاتے تا دمِ تولید جا

اس معنی کے اثبات میں حکایت

وہ کسی نے گھوڑا مانگا میر سے بولا جا وہ اجلا گھوڑا تھام لے
بولا نانا، پوچھا کیوں، اس نے کہا وہ بہت ضدی ہے اور سرکش بڑا
پیچھے پیچھے جانبِ دُم ہی چلے بولا گھر کی سمت دم کو موڑ دے
دُم ہے کیا شہوت ہے تیرے گھوڑے کی جاتا ہے اس واسطے وہ پیچھے ہی
اُس کی اِس شہوت کی جڑ دُم ہے اگر شہوتِ عقبیٰ میں تو تبدیل کر
دور روٹی سے رکھے شہوت کو گر عقلِ عالی سے اٹھائے گی وہ سر
ڈالی گر اک کاٹ ڈالے جھاڑ سے دوسری پھوٹے نئی قوت لئے
دُم کا رُخ تو نے ادھر جب کردیا جائے پیچھے پیچھے تا جائے پناہ
آگے چلنے والے گھوڑے آفریں وہ نہیں ضدی وہ سرکش بھی نہیں
تیز رو بن جیسے موسیٰؑ کلیم مجمع البحرین کی وسعت جوں گلیم
سات سو سالہ ہو مدت بھی تو کیا طے مسافت یوں ہی کرتے جاؤں گا
تن میں ہمت اتنا چلنے کی جو ہو کیوں نہ جائے جان علّیین کو
شہسواران بہر سبقت ہیں دواں درجۂ اسفل مقام احمقاں

اس معنی کے اثبات کی حکایت

ویسے ہی جوں آرہا تھا قافلہ — گاؤں کی دیوار کا در تھا کھلا
بولا اک سردی بہت ہے اس جگہ — پس ٹھکانہ چند روز اس جا بھلا
کوئی بولا رخت باہر ڈال دے — بعد اُس کے اندر آنا چاہئے
پھینکنے کی چیز باہر پھینک دے — لا نہ اندر، بزم نورانی ہے یہ

بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصہ کی جانب رجوع

تھے بلالؓ استادِ دل، پُرنور جاں — سائس و بندہ تھے اک مومن کے ہاں
سائسی تھا اصطبل میں ان کا کام — شاہ وہ شاہوں کے بندہ ان کا نام
گھوڑوں کے سائس بھی نفسِ خود کے بھی — زہد میں تھے بہتوں سے وہ آگے بھی
حال سے بندے کے آقا بے خبر — کیونکہ ابلیسانہ تھی اس کی نظر
دیکھا آب و گِل ہی گنجینہ کہاں؟ — پانچ چھ میں پانچ کی جڑ بھی نہاں
خاک پیدا نورِ دیں اندر نہاں — سب پیمبر یوں ہی اندر جہاں
وہ منارہ دیکھا، مرغ اس پر نہیں — شاہباز اک اس پہ بیٹھا تھا وہیں
پھڑپھڑاتا مرغ دیکھا دوسرا — پر نہیں جو بال اس کے منہ میں تھا
وہ جو دیکھے سے اللہ کے — آگہی ہے مرغ اور مو سے اسے
بولا دیگر جانبِ مو رکھ نگہ — تا نہ دیکھے نہ مو نہیں کھلتی گرہ
دیکھا اک کھڈ میں منقش مورتی — اور دگر علم و عمل ہی دل سبھی
تن منارہ، مرغ علم و بندگی — پائے جانِ مرغ ابدی زندگی
آدمی اوسط کا دیکھے مرغ ہی — کچھ نہ دیکھے آگے پیچھے وہ کبھی
بال جو منقار میں ہیں مرغ کی — ان سے کام اس کے نہیں ہیں عارضی
علم ان کا جاں سے جوشاں ہے مدام — وہ نہ ان میں مستعار آئے نہ دام

بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیمار ہو جانا اور ان کے آقا کی حقارت اور پہچان نہ ہونے سے ان کی بیماری سے لاعلمی اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کا ان بیماری و حالت سے واقف ہو جانا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دلجوئی اور مزاج پرسی

ہوگئے بیمار قسمت سے بلالؓ — وحی سے تھے مصطفیٰؐ آگاہِ حال
ان کی بیماری سے خواجہ بے خبر — کھوٹے معمولی وہ آتے تھے نظر
اصطبل ہی میں تھے وہ نو دن پڑے — ہر کوئی اَن جانا ان کے حال سے
ایک انساں وہ شہنشاہِ جہاں — سو سمندر عقل وہ ہر جا رساں
وحی آئی، لطفِ حق غمخوار تھا — ''ہے ترا شیدا مرض میں مبتلا''
''مصطفیٰؐ بہرِ ہلالِ باشرف'' — چل دیے بہر عیادت اُس طرف
وحی کے سورج کے پیچھے مہ دواں — اور صحابہؓ پیچھے جیسے اختراں
چاند بولے ہیں صحابہؓ جوں نجوم — راہبر شب رَو کو، سرکش کور جوم
میر کو پہنچی خبر آئے حضورؐ — چونکا اچھلا ہوگیا دل پُرسرور
تالیاں باجیں خوشی سے، یہ گماں — آئے بہرِ میر شاہِ دوجہاں
آیا غرفہ سے اتر کر وہ امیر — جان چھڑکا مرد میں پیشِ بشیر
کی زمیں بوسی، بجا لایا سلام — رخ گلاب آسا، خوشی رگ رگ تمام
بولا بسم اللہ، مشرف ہو وطن — تاکہ جنت بن سکے یہ انجمن
اس کو غصہ میں یہ بولے شاہ دیں — دیکھنے تجھ کو یہاں آیا نہیں
بولا جان ملک آپ کی، یہ جان ہی کیا — کہیے اس زحمت کا باعث کیا ہوا
تا بنوں اس شخص کی میں خاکِ پا — جس کو باغ لطف ہوگی جگہ
جب کہا یہ تکبر رد کیا — چھوڑے ناراضی کو اس سے مصطفیٰؐ
وہ بلالؓ عرش، پوچھے، ہے کہاں — چاند وہ، فرشِ تواضع ہے یہاں؟
شاہ ہے وہ بندگی میں چھپ رہا — بہر جاسوسی ہے وہ آیا ہوا

تو نہ کہہ وہ بندہ و سائس اُسے
گنج ہوتے ہیں کھنڈر میں جان لے
اے عجب ہے سقم میں کیسا بلالؓ
ہیں ہزاروں بدر اس کے پائمال
اس کی بیماری سے میں آگہ نہیں
کچھ دنوں سے حاضرِ درگہ نہیں
اس کے ساتھی اونٹ، گھوڑے جانور
سائس وہ اور اصطبل ہے اس کا گھر

بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مزاج پرسی کے لیے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سردار کے اصطبل میں جانا اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نوازنا

ان کی جانب آقاؐ خوش خوش چل دیے
اصطبل میں پہنچے ان کو ڈھونڈتے
اصطبل تاریک، بد اور گندہ تھا
جب محبت آئی، ناخوش سب گیا
پایا پیغمبرؐ کی بو وہ شیرِ نر
پائے جوں یوسف کی بو ان کے پدر
باعث ایماں کے نہیں معجزات
جنسیت ہے باعثِ جذبِ صفات
مات ہوگا، یار ہونے کا نہیں
دوست کیا گردن بند ہوگا کہیں؟
آئی خوشبو خواب سے وہ جاگ اٹھے
سب پلیدی، خوشبو اس میں کبھی یہ
دیکھے حیوانوں پاؤں بیچ سے
دیکھے دامن کو نبیؐ بے مثل کے
کھسکے آئے اصطبل کے گوشے سے
پاؤں پر آقاؐ کے چہرہ رکھ دیے
چہرہ چہرے پر پیمبرؐ نے رکھا
بوسہ رُخ پر سَر پہ آنکھوں پر دیا
بولے بھائی تو ہے اک موتی چھپا
اے مسافر عرش کے، اچھا ہے کیا؟
حال ہے خوابِ پریشاں دیدہ کا
جس کا رُخ سورج نے روشن کردیا
حال کیا ہو تشنہ و گِل خوار کا
پانی جس کو اپنے سر پر لے چلا

اس کا بیان کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ عیسیٰ علیہ السلام و ہمارے نبی پر اور ان پر درود و سلام ہو، پانی پر چلتے تھے فرمایا کہ اگر ان کا یقین بڑھ جاتا تو یقیناً ہوا پر چلتے

جیسے عیسیٰؑ سر پہ لے ان کو فرات
بے خطر ہے غرقۂ آبِ حیات

گر بڑھے ایقاں تو ہو، آقاؐ کہے ۔۔۔ باد مرکب، دشت چلنے کے لئے
جس طرح میں خود ہوا پر چل پڑا ۔۔۔ طالب صحبت شب اِسریٰ ہوا
بولےؓ حال اندھے، نجس اس کتے کا ۔۔۔ خواب سے چونکا تو گویا شیر تھا
شیر وہ مارے نہ کوئی تیر سے ۔۔۔ بلکہ ڈر سے تیغ و پیکاں توڑ دے
کور اک جوں مار رینگے پیٹ پر ۔۔۔ پائے جنت جس طرف دیکھ اُدھر
کیسا ہے وہ جو ہے چونی سے رہا ۔۔۔ جو حیا تستانِ بیچوں کو چلا
ہے وہ چونی بخش اندر لامکاں ۔۔۔ ریزہ چیں ہیں جس کے شیراں جوں سگاں
دیتا ہے وہ لامکاں سے ہڈیاں ۔۔۔ چپ، نجس تو، پڑھ نہ قرآں اس زماں
پہلے دھو اوصاف بشریت کے تو ۔۔۔ پھر لگا ہاتھ اپنا اُس قرآن کو
پاک ہوں یا ہوں نجس میں اے شہاں ۔۔۔ نہ پڑھوں یہ تو پڑھوں گا کیا یہاں
تو کہے مجھ کو کہ از بہر ثواب ۔۔۔ غسل کرنے تک نہ جا در حوضِ آب
حوض سے باہر جو کچھ خاک ہے ۔۔۔ جو نہ جائے حوض میں ناپاک ہے
گر نہیں ہے پانی میں اتنا کرم ۔۔۔ کہ وہ ناپاکی قبولے دم بدم
پانی میں ہیں سو کرم سو احتشام ۔۔۔ کون مولے گا پلیدی والسلام
اے ضیاء الحق حسام الدین کہ نور ۔۔۔ ہیں تمھارے پاسباں شرّ الطّیور
نور اور اس کی بلندی پاسباں ۔۔۔ ہے خفا شوں سے ترا سورج نہاں
کیا ہے پر پیشِ نورِ آفتاب ۔۔۔ جز فرد کی کرنوں کی تیزی و ناب
پردۂ خورشید بھی ہے نورِ رب ۔۔۔ اور محروم اس سے چمگادڑ و شب
ہر دو دوری اور پردے میں رہے ۔۔۔ ہیں سیہ رویوں میں وہ ٹھٹھرے ہوئے
تو نے لکھا تھوڑا سا قصّۂ بلالؓ ۔۔۔ لا مہِ کامل کا قصہ در مقال
ہے ہلال و بدر میں جو اتحاد ۔۔۔ ہے دوئی سے دور بے نقص و فساد
وہ ہلال اس نقص باطن سے بری ۔۔۔ جاتے جاتے جائے نقصِ ظاہری
بدر ہر شب درس دے تدریج کا ۔۔۔ دے گا پھل تاخیر سے تفریج کا

بوئے ہے تاخیر ہی اچھی اے خام
پایہ پایہ چڑھتے جانا ہے بام
دیگ کو تدریج استادانہ جوش
قلیہ کو بے سود ہے دیوانہ جوش
کیا نہ کرسکتا خدا خلقِ فلک
کن سے دم بھر میں، ہے کوئی اس میں شک
کیوں لگی چھ دن کی مدت کھینچتے
سال ہزار اک روز کیوں، کس لئے؟
بچے کی تخلیق کو نو مہ لگے
کام لیتا ہے خدا تدریج سے
دن لگے چالیس آدم کے لئے
کیوں فزونی تھوڑی تھوڑی خاک سے
صبح سے تا صبح پورے الف سال
تا بالآخر ہوگئی صورت بحال
خام نے جیسے کہ تو دوڑے چلا
بچہ ہوتے خود کو بوڑھا کرلیا
جوں کدو کی بیل سب پر تو چلا
تجھ سے ناممکن جہاد و ملحمہ
ٹیک تیری جھاڑ پر دیوار پر
اوپر اوپر جائے تو گنجا کدھر
پہلا مرکب تیرا تھا سرو سہی
لیکن آخر خشک و بے مغز و تہی
سبز رنگت زود پیلی ہوگئی
وہ تھا پوڈر تیری اصلیت نہ تھی

اس بوڑھی عورت کا قصہ جو اپنے بھدے چہرے پر پاؤڈر ملتی تھی وہ نہ لگتا تھا اور بھلا نہیں معلوم ہوتا تھا

تھی نود سالہ کوئی اک بوڑھیا
جھرّیاں چہرے پہ پیلا رنگ تھا
سلوٹیں چہرے پہ توبہ تو کئی
خواہش اس کے دل میں شوہر کی بڑی
دانت خالی، بال اجلے دود سے
قد دوتا، حِس بھی سبھی بدلے ہوئے
حرص شہوت، شوق شوہر کا تمام
عشقِ صید اور پارہ پارہ اس کا دام
مرغِ بے ہنگام، بے رہ راہرو
اور جلاتی آگ خالی دیگ کو
عشق میداں کا، نہ گھوڑا اور نہ پائے
دُھن بجانے کی، نہ ہونٹ اس کے نہ نائے
حرص یہودی کو بھی پیری میں نہ دے
ہا بدبختی جسے اللہ دے
دانت خالی کتّا جب بوڑھا ہوا
چھوڑا انسانوں کو گوبر کو چلا

دیکھ سٹھ سالہ سگوں کا حال ادھر	دانت کرلیتے ہیں ہر دم تیز تر
گر گئے سب بال ان کی کھال سے	دیکھ کتّے اطلسی پوشاک کے
دولت و شہوت کی حرص ان کو بڑی	دن بہ دن جوں پول کتوں کی بڑھی
عمر ایسی مایۂ دوزخ بنے	ذبح خانہ جوں قصابوں کے لئے
لوگ جب بولیں گے ''عمرِ تو دراز''	ہوگا دل خوش، منہ ہنسی سے ہوگا باز
وہ دعا سمجھے گا اس نفرین کو	سر اٹھائے گا، نہ کھولے آنکھ وہ
اک سرِ مو آخرت گر دیکھ لے	بولے ایسی عمر ہو تیرے لئے

اس فقیر کا قصہ جس نے اک گیلانی کو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ سلامتی کے ساتھ گھر بار کو واپس پہنچا دے

خواجۂ گیلان سے اک دن کہا	جھولی والا، ناں پرست اک نر گدا
مجھ کو روٹی چاہئے، تو دے مجھے	تا کروں میں اک دعا تیرے لئے
روٹی لے لی، دعا کی، اے خدا	باسلامت اس کو گھر پہنچا ذرا
بولا ہے گھر وہ کہ دیکھا ہے جسے	اے غمیں اللہ لوٹائے تجھے
دیتے ہیں دکھ کہنے والے کو خساں	حرفِ عالی کو گراتے ہیں یہاں
جیسا سامع ویسا ہوتا ہے کہا	کاٹے درزی قد پہ خواجہ کے قبا
چونکہ مجلس طعنوں سے خالی نہیں	قول کی پستی سے چارہ ہے کہیں؟
اس سخن کو ختم کردے تو یہیں	چل کے لے بڑھیا کا افسانہ وہیں

اس بڑھیا کا بیان اور اس کے قصہ کی جانب واپسی

مرد بوڑھا صاحبِ قوت نہ ہو	ٹھیک ہے اس کو عجوزہ تم کہو
پاس اس کے مال ہے نے مایہ ہے	رتبے کے لائق نہ کچھ کرسکتا ہے
نہ خوشی چاہے نہ وہ دے گا خوشی	اس میں نے معنی نہ ہے مطلب کوئی

نے نظر نے عقل نا ہی منطق و گوش — فکر ہی باقی نہ بیہوشی و ہوش
نہ نیاز اور نہ حمال از بہرِ ناز — پردہ پردہ گندگی جیسے پیاز
وہ نا سالک ہے نہ کو مردِ راہ — قحبہ اک اس میں نہ گی و سوز و آہ

اس فقیر کا قصہ کہ ایک گھرانے سے جو کچھ بھی وہ مانگتا تھا وہ کہہ دیتے تھے کہ نہیں ہے

ایک گھر کی جانب اک سائل گیا — خشک یا تر نان کا طالب ہوا
بولا صاحب خانہ، نان اس جا کہاں — نانبائی کی نہیں ہے یہ دکاں
بولا بس تھوڑی سی چربی ہی سہی — بولا یہ دکّاں نہیں قصاب کی
بولا آٹا مٹھی بھر مجھے کرنا عطا — پوچھا تو چکی اسے سمجھا ہے کیا
بولا آخر پانی اک پیالہ پلا — گھاٹ ہے یا نہر ہے کوئی بھلا
روئی بھوسا جو طلب اس نے کیا — پھبتیاں اس نے کسی ٹھٹھا کیا
کودا دامن کو سمیٹے وہ گدا — گھر میں ہی پاخانہ کرنے کو چلا
بولا ہے ہے بولا خاموش اے غمیں — ہولوں فارغ اپنی حاجت سے یہیں
کچھ نہیں ہے چونکہ جینے کے لئے — ایسا گھر کیا، اس میں ہگنا چاہئے
تو نہیں ہے باز کرنے کو شکار — نہ سدھایا تجھ کو کوئی شہر یار
تو نہیں کوئی منقش مور بھی — جس سے آنکھوں کو ہو حاصل روشنی
تو تو طوطی بھی نہیں تا قند دیں — بولی بھی میٹھی نہیں تا ہم سنیں
تو نہیں ہے عندلیب زار زار — خوشنوائی کو بباغ و لالہ زار
تو نہیں ہدہد بھی بہرِ قاصدی — یا بدلنے بستی تو لق لق کوئی
کیوں خریدیں تو بھلا کس کام کا — مرغ کیا تو، کس سے کھایا جائے گا
سخت گیروں کی دکاں سے بڑھ کے چل — تا دکان فضلِ مولا عزّ و جل
کہنہ شئے کوئی نہیں چاہا جسے — لطف سے حق نے خریدا ہے اُسے
کھوٹا بھی مردود اس کے ہاں نہیں — کیوں قصد سود اس کے ہاں نہیں

خیر جملہ بیع ہو یا سود ہو　　نیک خُلق اور نیک عادت والا وہ
ذوالکرم وہ ناامیدی کس لئے　　قصہ اب بڑھیا کا لینا ہے تجھے
لوٹتا ہوں پھر سوئے قصّہ عجوز　　اس لئے کہ حد سے باہر ہیں رموز

اس بوڑھی عورت کی داستان کی طرف رجوع

جشن تھا شادی ہمسایہ کے گھر　　اور مدعو تھی وہ بڑھیا بھی اُدھر
شادی میں شرکت کی خاطر گندہ پیر　　کالی کرلی ابروؤں کو مثلِ قیر
شادی میں جانے کی خاطر وہ حرّاف　　بال کی اپنی دو ابرو کی وہ صاف
اس نے اپنے آگے آئینہ رکھا　　تاکہ منہ، گال اپنی تھوڑی لے سجا
رخ پہ غازہ کی تہیں ہرچند تھیں　　جھریاں چہرہ کی یوں ہی رہ گئیں
کاٹ کر عشرے ز قرآنِ مجید　　چپکاتی تھی رخ پہ اپنے وہ پلید
تاکہ رخ کی جھریوں کو پاٹ دے　　تا حسینوں میں نگیں جیسی لگے
جھریوں میں بھرتی تھی عشرے مگر　　گرتے تھے وہ چھو کے چادر سے ادھر
پھر اُن عشروں کو اپنے تھوک سے　　چپکاتی اطراف اپنے چہرے کے
ٹھیک کرنے لگتی جب چادر وہیں　　عشرے گر پڑتے تھے رُخ سے برزمیں
وہ گرے، ناکام تدبیریں ہوئیں　　لعنتیں ابلیس پر ہوتی رہیں
اس زماں شیطاں مجسم ہوگیا　　بولا سوکھا گوشت تو ناخواستہ
عمر بھر میں یہ کبھی سوچا نہیں　　قحبہ تجھ سی کوئی بھی دیکھا نہیں
بیج رسوائی کا تو بوئی نیا　　دہر میں کب چھوڑی مصحف بھی بتا
دیونٹو خود فوج فوج اندر ترے　　گندی بڑھیا میرا پیچھا چھوڑ دے
کتنے عشرے تو نے قرآں سے اڑائے　　سیب کے ہم رنگ تا چہرہ بنائے
تیرا سرقہ حرف مردانِ خدا　　پیچتی ہے تو ز بہرِ مرحبا
کب بندھی ڈالی ہے اصلی شاخ سی　　کام اصلی کا بھی کی ڈالی بندھی؟

موت کی چادر بالآخر آئے گی
یہ سجاوٹ عشروں کی گر جائے گی

چل چلاؤ کا وہ جب وقت آئے گا
وقت قال و قیل کا کھو جائے گا

ہوگا وقت خامشی آگے کھڑا
حیف جس میں ہو نہ جذبہ پیار کا

اپنے ہی سینے کو تو صیقل چڑھا
اور اُس آئینہ کو دفتر بنا

کہ ز سایۂ یوسف صاحب قراں
ہو زلیخا کیطرح پھر سے جواں

جاڑا سا ٹھٹھرا مزاج کہنگی
گرما کا سورج بدل دے گا تبھی

سوز سے مریم کے جائے گی بدل
خشک شاخ نخل اور لائے گی پھل

چھوڑ دے بڑھیا قضا کا سامنا
نقد لے لے، سب گیا گزرا گیا

رخ کی وہ خوبی نہ لوٹ آئے کبھی
مل سیاہی رخ پہ خواہ گلگونہ ہی

اس بیمار کی حکایت جس میں طبیب نے صحت کی امید نہ دیکھی

وہ چلا بیمار اک سؤئے طبیب
بولا میری نبض کو جانچ اے لبیب

تاکہ جانے نبض سے تو حالِ دل
ہاتھ کی رگ ہے جو دل سے متصل

دل ہے غائب اس لئے چاہے مثال
پوچھ اسے ہے اس کا دل سے اتصال

باد پنہاں ہے نظر سے اس لئے
گرد اڑی پتّے ہلے پس دیکھ لے

دائیں بائیں کس طرف سے ہے رواں
پتوں کی جنبش تجھے دے گی نشاں

تو نہ جان مستیِ دل ہے کہاں
ہے، خمار آلودہ آنکھیں ہیں جہاں

ذات حق سے دور ہے تو وصف ذات
جان تو از رسول و معجزات

سو قیامت ان کے اندر ہیں نہاں
مست اثر سے ان کے سب ہمسایگاں

عجزوں سے اور کراماتوں سے بھی
دل پہ چھا جاتے ہیں پیرانِ صفی

ہم جلیس اللہ کا وہ نیک بخت
نیکوں کے پہلو میں رکھا جس نے رخت

ہے موثر معجزہ بے جانوں پر
یا عصا، یا بحر یا شق القمر

گر کر جاں پر اثر بے واسطہ
جاری پنہاں ربط بھی ہوجائے گا

یہ اثر بے جانوں پر ہے عارضی — اور روحِ پاک پر ہے وہ خفی
گر ہو متاثر جمادی سے ضمیر — اے خوشا ہاتھ آئی نانِ بے خمیر
خوب ہے خوانِ مسیحؑ بے کمی — خوب ہے بے باغ میوۂ مریمؑ
جانِ کامل سے ہیں ظاہر معجزے — ہیں موثر جانِ طالب کے لئے
معجزہ دریا ہے ناقص مرغِ خاک — مرغِ آبی اس میں محفوظ از ہلاک
جو بھی نامحرم ہے وہ عاجز بنے — اور قدرت بخش ہمدم کے لئے
یہ سعادت گر نہیں حاصل تجھے — باثبوتِ ظاہری سے کام لے
ہیں اثر احساس پر جب کارگر — ملتی ہے ان سے موثر کی خبر
ہر دوا کی صنعت اس میں ہے چھپی — ساحری کی جس طرح کاریگری
کار اور آثار اس کے دیکھتے — گرچہ ہے پنہاں اسے ظاہر کرے
اور جب اس کا بروئے کار آئے — جو خفی ہے اس کو تو مشہود پائے
جب کہ ہے آثار سے ظاہر سبھی — تجھ پہ ظاہر کیوں نہیں اللہ بھی
کیا نہیں اثر و سبب سب مغز و پوست — تو جو دیکھے ہیں سب آثارِ دوست
دوست تو آثار سے ہر چیز کا — جان اسے جس نے اثر پیدا کیا
دوست رکھا کچھ سمجھ کر خلق کو — کیوں نہ رکھا شاہِ غرب و شرق کو
اس سخن کی حد نہیں کوئی شہا — حرص کی اپنی نہ ہو یہ انتہا

اس بیمار کے قصہ کی طرف واپسی

لوٹ چل بے قصۂ بیمار تو — جو تھا پیشِ چارہ‌گر، ستار خوٗ
نبض جانچنی ہوگیا واقف ز حال — کہ صحت یابی رہی اس کو محال
بولا جو دل چاہے تو کرتے نہ ڈر — کہنہ یہ بیماری تن سے دور کر
روکنا مت جو بھی چاہے دل ترا — صبر اور پرہیز ہے تجھ کو خطا
صبر و پرہیز اس مرض کو ہے زیاں — جو بھی دل چاہے وہ کرنا بے گماں

قول حق ایسوں کی بابت لو سنو — دل نے جو چاہا تمھارا وہ کرو
بولا تیری خیر ہو جا اے چچا — سیر کرنے وہ کنارے جو چلا
حسبِ خواہش گشت میں تھا وہ برآب — تاکہ ہو صحت کا اس پر فتحِ باب
صوفی اک بیٹھا کنارے جو پہ تھا — پاکی چاہی ہاتھ منہ کو دھو لیا
گدی دیکھا جیسے سودائی کوئی — بات سیلی کی سجھائی دی تبھی
صوفی کی گدی پہ وہ حیرت زدہ — ہاتھ تھپڑ مارنے سیدھا کیا
آرزو کرلینی ہے پوری مجھے — ورنہ بولا وید وہ علت بنے
ہے لڑائی، آیا تھپڑ مارنے — تہلکہ میں خود کو ڈالوں کس لئے
ہے ہلاکت صبر و پرہیز اے فلاں — کوٹ اچھا، چپ نہ رہ، جوں کاہلاں
مارا تھپڑ آئی آوازِ طراق — بولا صوفی ہائے اے دیوث عاق
چاہا صوفی اک دو گھونسے مار کے — داڑھی مونچھ اس کی اکھیڑے پھینک دے
دیکھا اس کو خستہ و رنجور تھا — خوار زار و ناتواں غور تھا
پھر خیال آیا ہے اس کے ضعف کا — بولا بس گھونسا اسے کرنے فنا
دِق کی بیماری سے گھٹ کر تھا تباہ — اک ضعیف و زار دکھ میں مبتلا
دق کی ماری خلق خوار لاچار ہے — دیو کے جھانسے میں غیر آزار ہے
بے خطاؤں کو ستانا صبح و شام — پیٹھ پیچھے عیب جوئی ان کا کام
اے کہ مارے بے گنہ کی گدی پر — اپنی گدی کی نہیں تجھ کو خبر
ہے ہوا سمجھا علاج اپنا جسے — تا نے تھپڑ لاغروں کے واسطے
وہ ہنسا تجھ پر سمجھا کر یہ دوا — وہ صنعی کو سوئے گندم رہنما
کھاؤ دانہ اے مدد کے طالبین — یہ دوا ہے، ہوسکو تا خالدین
اس نے پھسلایا سو یہ تھپڑ دیا — لوٹا تھپڑ، ہے یہی اس کی جزا
سخت پھسلن میں جو پھسلایا اسے — دستگیری حق نے کی تھاما اسے
کوہ تھے آدمؑ گو تھے سانپوں سے بھرے — کانِ تریاقی تھے نقصاں سے بچے

ذرّہ بھر تریاق تیرے ہاں کہاں
کیوں ہے غافل خلاصی سے یہاں

نے توکل وہ خلیلانہؑ تجھے
نہ کرامت وہ کلیمانہؑ تجھے

تا سو کاٹے تیغ اسماعیلؑ کو
تا کرے شہراہ قعرِ نیل کو

وہ سعیدؒ اونچے منارے سے گرے
باد سے تھا جامہ پُر وہ بچ گئے

نیک بختی کا نہیں جب اعتبار
کیوں کیا راہِ تباہی اختیار

اس منارہ سے ہزاروں عاد سے
گِر پڑے، برباد ہوکر چل دیے

اوندھے گر پڑتے ہیں چو زیرِ منار
دیکھتا جا ہیں ہزار اندر ہزار

رسّی پر چلنا نہ جانے تو یقیں
شکر ادا کر پاؤں کا چل بر زمیں

گر ہے اڑنا مت لگا کاغذ کے پر
ہوگئے خاک اس جنوں میں کتنے سر

صوفی آتش کا بھیس کا تھا مگر
رہ گئی انجام پر اس کی نظر

پہلی صف میں ہوگا مردِ شادکام
جو نہ جائے دانہ پر دیکھے گا دام

عقل کی انجام بیں دو آنکھ شاد
جسم کو رکھے جو محفوظ از فساد

دیکھے جو انجام کو احمدؐ تھے وہ
دیکھے اس دنیا میں دوزخ موبمو

دیکھے عرش و کرسی کو اور جنوں کو
چاک غفلت سے کئے سب پردوں کو

تو بھی گر چاہے نہ ہو کوئی ضرر
چھوڑ اول رکھ تو آخر پر نظر

دیکھے ناموجود کو موجود تو
پست اور محبوس پائے ہست کو

پس جو عاقل ہے زمانے میں کوئی
رات دن ہے جستجو میں نیست کی

نیست کا طالب گدا ہے جود کا
نیست کا طالب دکاں سے سود کا

کھیت سے غلہ، ہے نیست کی
پیڑ خالی جائے سے بھی نیست ہی

مدرسوں، علم کا طالب نہیں
خانقاہ میں حلم کا طالب نہیں

پیٹھ پیچھے ہست کو پھینکے سبھی
نیست کے خواہاں ہیں بندھوا ان کے ہی

جبکہ کان و مخزنِ صنعِ خدا
نیست، غیر نیستی پاؤگے کیا

اس سے پہلے بھی اشارہ اک کیا
یہ وہ دونوں ایک، دوگنا خطا

کہہ دیا، جو کاریگر پیدا ہوا   اس نے ڈھونڈی ہے عدم میں اپنی جا
چاہئے معمار کو خالی جگہ   چھت گرے اور شہر ویرانہ ہوا
ڈھونڈے سقّا پیالہ پر پانی کجا   بڑھی وہ گھر اس کا دروازہ بنا
حملہ ان کا نیست میں وقت شکار   ہوتے ہیں پر موت کے ڈر سے فرار
کا تری امید ہے پرہیز کیوں   کیوں جھگڑنا ایسے ہی ہمدم سے یوں
ہمدمِ طبعی ہے تیری نیستی   کیوں فنا و نیست سے دوری تری
لا سے انسیت نہیں ہے گر میسر   کیوں ہے اس کی گھات تو منتظر
جو ہے تیرا اُس سے دل برداشتہ   شستِ دل ڈالے ہے اندر بحر لا
کیوں تو بھاگے، یہ ترا بحرِ مرا   لاکھ صید اس کی ہیں تجھ کو دین و داد
برگ کو کیوں دے دیا تو نامِ مرگ   دیکھ یہ جادو لگے ہے مرگ برگ
باندھیں اس کے سحر نے آنکھیں تری   جاں کنویں کی سمت راغب ہوگئی
وہ یہ سمجھے کہ ز مکر کردگار   چہ کے اوپر دشت سب تھا زہر و مار
چاہ کو ہی وہ پناہ گہ کردیا   پس وہیں وہ موت کا لقمہ بنا

ہندو غلام اور سلطان محمود کا قصہ

رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے   ذکر شہ محمود غازی آیا ہے
ہند کے جنگی غنائم سے تمام   پیشی میں شہ کی تھا اک ہندی غلام
بول کر تائب بٹھایا تخت پر   میرِ لشکر کرکے ٹھہرایا پسر
تم مفصّل قصّہ اس کا تو بتو   خود بزرگ و دیں کے والی سے سنو
اس کی بیٹھک تخت زریں پر وہیں   ساتھ شہ کے وہ رہا پہلو نشیں
رو کے وہ آنسو بہا دیتا بسوز   پوچھا سلطاں اے کہ فیروز روز
رونا کیوں، دولت ہے تجھ کو ناگوار؟   چرخ پر ہے تو قرینِ شہریار
بچہ بولا اس لئے روتا ہوں زار   کیوں کہ ماں ہندوستان میں باربار

ڈر دکھاتی تھی یہی کہہ کر مجھے — ارسلاں محمود کو دوں گی تجھے
پس پدر مادر سے از رؤئے جواب — خوب لڑتا کیا غصہ کیا عتاب
کیا نہیں پاتی تو دیگر بددعا — بددعا اک ایسی مہلک کے سوا
سنگ دل تو رحم کب آیا تجھے — قتل کرتی ہے تو سو تلوار سے
ان کی باتوں پر میں تھا حیرت زدہ — دل بھی ہوتا خوف و غم میں مبتلا
اے عجب محمود وہ دوزخ خصال — ہوگیا کرب و ہلاکت میں مثال
میں لرز جاتا تھا ہیبت سے تری — لطف و حرمت سے نہیں تھی آگہی
تا یہ دیکھے وہ مری ماں ہے کہاں — تخت پر بیٹھا ہوں اے شاہ جہاں
باپ کو بھی دیکھنے پاتا نہیں — بیٹھا ہوں ہم پہلوئے سلطانِ دیں
فقر وہ محمود اے بے حوصلہ! — کہ سرشت اس سے ڈر کی ہے سدا
جانے گر تو رحمِ محمودِ سخی — کہہ خوشی سے نیک ہو انجام بھی
فقر وہ محمود ہے اے نیم دل — بات ماں کی تو نہ سن وہ ہے مضل
جب شکارِ فقر ہوگا تو یقیں — روئے گا بچہ کی صورت یوم دیں
پرورش کو تن کی وہ ماں ہے بجا — دشمنی میں سو عدو سے وہ سوا
تن کی بیماری میں دارو جو کیا — اور بقوت تجھ کو شیطاں خو کیا
تن زرہ کی طرح ہے تیرے لئے — سرما کے لائق نہ گرما کے لئے
یار بد اچھا سکھائے تجھ کو صبر — صبر کرنے کا نتیجہ شرحِ صدر
صبر مہ کا رات کو روشن رکھے — صبرِ گل باخار خوشبو دے اسے
دودھ اک شے درمیاں لید اور لہو — زندگی بالیدگی اطفال کو
انبیا کو صبر نے بامنکراں — کردیا خاصِ حق و صاحب قراں
صاف جامہ میں تو پائے گا جسے — صبر و محنت سے کمایا وہ اسے
جس کسی کو پائے ننگا بے نوا — اس کی بے برداشت پر ہے وہ گوا
وہ جو ہو وحشت زدہ پُرغصہ جاں — اس میں دھوکا بازی کا وہ اک نشاں

صبر کرتا گر بہ حقِ دوستی ۔۔۔ ہجر کی سیلی نہ کھاتا وہ کبھی
ہوتا باحق جیسے شیر اور انگبیں ۔۔۔ اور کہتا لا اُحبُّ الآفلین
وہ نہیں رہتا اکیلا یوں کبھی ۔۔۔ آگ جیسے کارواں کے بعد بھی
کی جو بے صبری سے یاری غیر سے ۔۔۔ ہجر میں غم پایا عاری خیر سے
نورِ خالص سے ہے جبکہ دوستی ۔۔۔ خائنوں کے ہاں امانت کیوں تری
دوست ہو ایسا امانت میں تیری ۔۔۔ اس میں غبن ہو نہ کوئی سرکشی
خو لے اس سے جس نے خو پیدا کیا ۔۔۔ جس نے کی تکمیلِ خوئے انبیاء
برہ دے گا گلہ اس سے پائے گا ۔۔۔ پالنے والا ہے ہر خوٗ کا خدا
گرگ کو بکری امانت میں نہ دے ۔۔۔ گرگ کے ہمراہ یوسفؑ کیوں رہے
گرگ اگر تجھ کو لگے روبہ کہیں ۔۔۔ کر نہ باور اس میں خیریت نہیں
گر کوئی جاہل دکھائے دوستی ۔۔۔ دے گا زحمت آخرش از جاہلی
اس کے آلے دو ہیں، وہ ہے ہیجڑا ۔۔۔ کام دونوں بیگماں دکھلائے گا
عورتوں سے وہ ذکر پنہاں رکھے ۔۔۔ خود کو تا ان کی بہن ظاہر کرے
ہاتھ سے مردوں میں فرج اپنی چھپائے ۔۔۔ مردوں کا ہم جنس تا خود کو سجھائے
بولا یزداں اس لئے اس کا ذَکر ۔۔۔ ہم لگا ڈالیں گے اس کو ناک پر
تاکہ بینا اس کے ناز انداز سے ۔۔۔ جان لے اور اس کے پھندے سے بچے
ہر ذَکر میں پس نہیں مردانگی ۔۔۔ جاہلوں سے دوری ہے دانشوری
دوست گر جاہلِ شیریں سخن ۔۔۔ اس کم سُن وہ جو ہے زیرِ کہن
چشمِ روشن، جانِ مادر گو کہے ۔۔۔ جز غم و حسرت نہ کچھ اس سے ملے
مانعلی الاعلان بابا سے کہے ۔۔۔ مدرسے سے بچہ کیوں لاغر بنے
دوسری بیوی سے تیری ہو اگر ۔۔۔ یہ جفا یہ ظلم تو اس پر نہ کر
بچہ دیگر زن سے یہ ہوتا کبھی ۔۔۔ وہ بھی بکواس کرنے والی تھی یہی
ماں کے افسوں سے اے بیٹے بھاگ جا ۔۔۔ اس کے حلوے سے مرا تھپڑ بھلا

نفس جوں ماں، باپ دانائی و داد   ابتدا تنگی و آخر سب کشاد
عقل کے داتا سن اب فریاد بھی   تو نہ گر چاہے نہ چاہے گا کوئی
ہے طلب بھی تجھ سے، تجھ سے فضل بھی   کون ہوں میں، اوّل و آخر تو ہی
بول، سُن تو تجھ کو ہی ہستی سزا   سچ کے بھی لاشے رہے ہم اور کیا
رغبتِ سجدہ اسی حیلے بڑھا   کاہلی، افسردگی کو دے مٹا
جبر کیا ہے پر وبالِ کاملاں   جبر کیا ہے قید و بندِ کاہلاں
نیل کا پانی سمجھ تو جبر کو   پانی وہ مومن کو کافر کو لہو
بال بازوں کو سوئے سلطاں چلائے   بال ہی کووں کو گورستاں چلائے
لوٹ کر چل پھر سوئے شرحِ عدم   وہ رہا تریاق تو سمجھا ہے سم
جیسے وہ ہندو پسر اے ہم قدم   خوف کیوں محمود ہے روز عدم
خوف کر ہستی سے اس میں ہے ابھی   تو بھی لاشی اور دُھن لاشی تری
ہوگئی لاشئے سے لاشئے کی لگن   ہیچ دیگر ہیچ کا ہے راہزن
ذہن سے یہ کوچ خارج ہوئی   تب تو جانے اپنی ناشائستگی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانے والوں کو موت کا غم نہیں ان کو موت کی حسرت ہے

ٹھیک فرمائے ہیں سالارِ بشر   جو کوئی جاتا ہے دنیا سے گزر
موت کا دکھ اور نہ غبنِ موت کا   ہے مگر افسوس اس کو فوت کا
بولے ان کو موت کا کچھ غم نہیں   پر ہے حسرت موقع کھونے کا یقیں
کیوں نہ قبلہ موت کو میں نے کیا   گنج وہ ہر دولت و سامان کا
احوالی سے اپنا قبلہ عمر بھر   سوچ تھی جو بے نشاں ہے موت پر
مردگوں کو موت پر حسرت نہیں   اس سے ہے، نقشوں عمریں کٹ گئیں
یہ دیکھا نقش وہ بس جھاگ تھا   جنبشِ دریا سے پاتا تھا غذا
کف کو دیا لا کے پھینکا خشکی پر   کف ہے قبرستاں میں پھرتا دیکھ اُدھر

اب کہاں وہ جنبش و جولانیاں
بحر پھینکا ہے تعطّل میں یہاں
منہ سے بولیں گے نہیں بلکہ ز حال
پوچھ دریا سے یہ کیوں ہم سے سوال
نقش جوں کف کیوں ملے گا جز بموج
خاک کیوں بے باد پہنچے گی بہ اوج
نقش کی دھول دیکھے دیکھ باد
قلزمِ ایجاد کف میں دیکھ شاد
دیکھ تو تیری نظر کرتی ہے کار
باقی ہے سب گوشت چربی پود و تار
شمع کی بڑھتی نہیں چربی سے تاب
لحم سے کب رند دیکھے گا کباب
سارے تن کو جذب کر اندر نظر
در نظر چل در نظر چل در نظر
اک نظر دیکھے دو گزی راستہ
دیکھے کونین اک نظر اور روئے شاہ
درمیاں اِن دو کے فرقِ بے شمار
سرمہ لے واللہ اعلم السرار
سن لیا سب ذکر بحرِ نیست کا
جہد کر اس بحر کے اندر سدا
کارگہ اصلی یہی ہے نیستی
کہ خلا ہے بے نشاں ہے اور تہی
کاملاں سب از پئے اظہار کار
نیستی چاہیں و جائے انکسار
اور وہ استادِ استاداں خدا
نیستی ہے کارگہ اس کی ولا
ہے جہاں بھی نیستی افزود تر
کار حق و کار خانہ ہے ادھر
سب سے اونچا ہے مقام نیستی
سب پہ سبقت اس لئے درویشوں کی
خاص کر درویش وہ بے جسم و مال
فقر جسمانی نہ میلانِ سوال
وہ سوالی جو گنوا بیٹھا ہو دَھن
اور قانع وہ جو ہارے اپنا تن
اب نہ کرنا درد کا اپنے گلہ
نیست کی جانب چلا وہ باد پا
کہہ دیا ہم نے بہت جا فکر کر
فکر اگر افسردہ ہے جا ذکر کر
سوچ اپنی ذکر کو حرکت میں لائے
ذکر کو افسردہ کا سورج بنائے
خودکشش ہے اصل اے بھائی مگر
کام کر، جذبہ پہ ہی تو بس نہ کر
ترک کرنا کام خود اک ناز ہے
ناز کوئی شیوۂ جانباز ہے؟
سوچ یہ بہرِ قبول و رد ہے خام
امر و نہی پیشِ نظر رکھنا مدام

مرغِ جذبہ چھوڑے ناگہ آشیاں شمع گل کر صبح تو دیکھے جہاں
کھولے جب آنکھیں تو دیکھے روشنی پوست کے اندر سے ظاہر مغز بھی
ذرّے میں دیکھے وہ خورشیدِ بقا قطرے میں دریا نمایاں پائے گا

صوفی وقاضی کے قصہ کی جانب دوبارہ واپسی

عوض اک تھپڑ کے، صوفی نے کہا سر کسی کا کیوں گنوایا جائے گا
خرقۂ تسلیم گردن میں مری شیلی کھائی اس لئے آساں رہی
دیکھا صوفی دشمن اپنا سخت زار بولا گھونسا ماروں اس کو خصم وار
وہ بکھر جائے گا ایک ہی گھونسے سے حکمِ شہ ہوگا قصاص اس کے لئے
خیمہ ویراں اور شکستہ کھونٹیاں حیلہ ڈھونڈے گا وہ گرنے کا وہاں
افسوس افسوس ایسے مردے کے لئے خوں کا خوں بدلہ مجھے دینا پڑے
ہاتھ اٹھانا اس پہ دیکھا ہے خطا پیش قاضی لانے کی طے کرلیا
حق کا وہ پیمانہ ہے میزان ہے حق کی جانب ہی سدا میلان ہے
مکر اور حیلوں سے شیطاں کے بری اس کی قید و قول سے مامون بھی
قینچی وہ کینہ لڑائی کے لئے ختم کرنے قیل و قال اور تفرقے
دیو در شیشہ کرے افسون سے بند فتنوں کو کرے قانون سے
دیکھ کر میزاں کو خصم لالچی سرکشی چھوڑا ہوا راضی تبھی
تو ترازو کے بنا افزوں بھی دے وہ نہ ہو راضی تری سوگند سے
کیسے مانے ذہنیت ہے کھوکھلی وجہ بے عقلی اور اس کی ابلہی
قاضی رحمت دفعِ قضیہ کے لئے بحر عدلِ حشر کا قطرہ بنے
قطرہ چھوٹا، ست یا ہو بھی تو کیا اس کے اندر آبِ دریا کا مزا
دھول سے گر پاک تو کُلّہ رکھے قطرے کے اندر تجھے دجلہ دِکھے
جزو حالِ کُل پہ ہوتا ہے گوا جوں شفق غماز ہے خورشید کا

جسم احمد کی قسم کھاتا ہے حق　　وہ جو فرمایا ''کلّا والشّفق''
چیونٹی کیوں لرزاں زبانِ دانہ پر　　پہنچی ہے دانے سے خرمن میں اگر
صوفی ہے دلگیر، بس مطلب پہ آ　　اس کو عجلت دیکھے تا کیا ہے جزا
اے تو خوش ہے ظلم گو تو نے کیا　　اس کے بدلے سے مگر غافل رہا
گر نہ ہوتی تیرے در پہ دشمنی　　غیرتِ گردوں صفائی تھی تری
تو مگر محبوس ہے قانون سے　　سرکشی سے اب معافی مانگ لے
تا نہ پکڑے محتسب یکبارگی　　صاف کرلے اپنا پانی اے صفی

صوفی کا طمانچہ مارنے والے کی جانب جانا اور اس کو قاضی کے یہاں لے جانا

سیلی زن کے سمت وہ صوفی چلا　　اس کا دامن اپنے قبضے میں لیا
حاضر دربارِ قاضی کردیا　　بولا سا منحوس کو خر پر بٹھا
یا تو درّے مار، دے اس کو سزا　　یا تو ویسا کر جو تو سمجھے سزا
زخم سے تیرے مرے بھی گر کہیں　　کوئی بھی تاواں ترے اوپر نہیں
زجر سے جو بھی تری مرجائے گا　　بچ کے دوزخ سے وہ جنت پائے گا
جو بھی حد تعزیر میں مرجائے گا　　کیوں ضمانت قاضی ہوتا ہے بڑا
نائب حق، سایۂ عدلِ خدا　　مستحق و مستحق کا آئینہ
دیتا ہے مظلوم کی خاطر سزا　　خود کا اس میں کچھ نہیں ہے فائدہ
جبکہ ہے حق و قباحت کے لئے　　ہے دیت عاقل پہ گر غلطی کرے
عاقلہ کون اس کا ہے؟ ہے وہ حق　　سؤئے بیت المال اب پلٹا ورق
جو بھی مارے بہر خود ضامن ہے وہ　　جو بھی مارے بہر حق آمین ہے وہ
باپ نے مارا، اگر بیٹا مرا　　ہوگیا واجب پدر پر خوں بہا
کیونکہ مارا اس نے اپنے واسطے　　حق ہے خدمت باپ کی لڑکا کرے
گر معلّم مارے اور بچہ مرے　　کچھ معلم پر نہیں وہ کیوں ڈرے

ہے امین ونائب اک استاد بھی — حکم اس کے باب میں بھی ہے یہی
واجبی خدمت نہ تھی استاد کی — بہرِ خود استاد کی تنبیہ نہ تھی
مارا گر مارا پدر اپنے لئے — خوں بہا سے کس طرح وہ بچ سکے
کر خودی کا سر قلم از ذوالفقار — بیخود و فانی ہی رہ درویش وار
بیخودی کے حال میں جو بھی کرے — ما رَمَیتَ اِذ رَمیتَ ایمن رہے
اس کا ضامن حق، امیں ہوگا بری — قصہ میں اس کی وضاحت ہے سبھی
ہر دکاں میں مال ہوگا اور ہی — فقر کی دکّاں ہے یہ مثنوی
چمڑا اچھا موچی کی دکان پر — سانچہ ہے جوتوں کا لکڑی ہے اگر
کالا ریشم قز فروشوں کے یہاں — چیز لوہے کی مگر گز ہے وہاں
اپنی بے دکّانِ وحدت مثنوی — جو سوا وحدت کے لیے وہ بت سبھی
پھانسنے عامہ کو سب بت کی ثنا — جس طرح وہ ''کالغرا...... العُلیٰ''
سورۂ وَالنَّجم میں جلدی پڑھا — چونکہ یہ فتنہ تھا سورہ میں نہ تھا
جملہ کافر سجدے میں خود گر پڑے — راز تھا وہ بھی در پر سر رکھے
بات پھر مشکل، سمجھ سے ماورا — سن سلیماں، دیو کو مت ورغلا
صوفی اور قاضی کی اب تو بات کر — اک نظر ظالم ضعیف و زار پر

قاضی وصوفی کے قصہ کی تقریر

بولا قاضی تخت پہلے دے بچھا — تا میں کھینچوں نقش شرّ و خیر کا
کس نے مارا؟ ہے وہ لائقِ انتقام — ہے ضروری دیکھنا یہ در سقام
مالداروں، زندوں کو شرع مبیں — بہر سکونانِ گورستاں نہیں
وہ جو کرتے ہیں فقیری میں بسر — سو جہت مردوں سے بھی معدوم تر
مردہ ہے اک رُو سے بیمار و فنا — صوفیاں سو جہت سے فانی ولا
موت بس اک قتل و صدہا ہزار — خوں بہا ہر اک سے ہے بے شمار

حق نے اس امت کو مارا بارہا ۔۔۔ اور انباروں دیا بھی خوں بہا
ہر کوئی باطن میں ہی جرجیسؑ وار ۔۔۔ ہورہا ہے مر کے زندہ ساٹھ بار
ہو کے خوہانِ سنانِ داد گیر ۔۔۔ رو کے بولے گا لگا زخمِ دگر
خاں پہ مرنے والوں سے بڑھ کر ادھر ۔۔۔ کُشتہ دیگر قتل کے دیوانہ تر
بولا قاضی زندوں کا میں حکمراں ۔۔۔ پس کہاں میں اہل گورستاں کہاں
گو نہیں یہ گور کے اندر ابھی ۔۔۔ جسم میں اس کے نہاں قبریں کئی
دیکھا ہے مردوں کو اندر گور تو ۔۔۔ گور اندر مردہ دیکھ اے کور تو
خشت اک گر قبر سے تجھ پر گرے ۔۔۔ داد کب چاہے گا عاقل قبر سے
غصہ، کینۂ مردہ کے درپے نہ رہ ۔۔۔ نقش سے حمام کے لڑنے نہ جا
شکر زندے نے نہیں مارا تجھے ۔۔۔ رَد کرے زندہ تو حق بھی رد کرے
زندوں کا غصہ خدا کا حق کی مار ۔۔۔ باخدا وہ زندہ ہے اور حق کا یار
حق نے مارا، پھونک پاؤں میں بھری ۔۔۔ کھال اس کی جوں قصاباں کھینچ لی
پھونک باقی اس میں تا روزِ حساب ۔۔۔ پھونک حق کب رہی نفعِ قصاب
فرق ان دو پھونکوں کے اندر بڑا ۔۔۔ دَم یہ سب خوبی ہے اور وہ دم بُرا
کٹ کے اُس سے زیست نقصاں دہ بنی ۔۔۔ نفخِ حق سے زندگی وہ دائمی
یہ دم اور وہ دم نہ آئیں شرح در ۔۔۔ چھوڑکر قعر چہ آ بام پر
مسئلہ ہے خر سواری کا کدھر ۔۔۔ نقش ہیزم کب لائقِ بار خَر
ہو گدھے پر کب ہے لائقِ پشتِ خر ۔۔۔ نعش اس کی پشتِ خر پر خوب تر
ظلم کیا، رکھیں جو محلِ غیر پر ۔۔۔ دیکھ موضعِ غیر پر ضائع نہ کر
پوچھا صوفی تم کو یہ جائز ہے کیا؟ ۔۔۔ مارے تھپڑ جائے بدلے کے بنا
کب روا ہے تجھ کو بھالو بے حیا ۔۔۔ مارے تھپڑ صوفی کو باعث بنا
بولا اٹھ صوفی کو کیا سیلی کا ڈر ۔۔۔ ایسے اک بیمار سے جھگڑا نہ کر
پوچھا قاضی پاس کیا بیش و کم ۔۔۔ بولا میرے پاس ہیں بس چھ درم

بولا قاضی تین درہم خود لو لے — تین درہم چپکے سے تو اس کو دے
زار و رنجور وہ فقیر و ناتواں — تین درہم بس ہیں تجھ کو بہرِ ناں
قاضی و صوفی تھے محوِ قال و قیل — اور وہ رنجور گم کردہ سبیل
جب گئی قاضی کی گدی پر نظر — صوفی کی گدی سے دیکھی خوب تر
ہاتھ تھپڑ کے لئے سیدھا کیا — کہ صلہ سیلی کا میری کم ہوا
کہنے آیا راز کی نزدیک تر — خوب اک تھپڑ لگایا قاضی پر
بولا تم دونوں یہ چھ لو بانٹ لو — میں چلا بے خرخشہ آزاد لو

پس بیمار فقیر کے طمانچہ سے قاضی کا مکدر رہونا اور صوفی کا قاضی کو ملامت کرنا

گڑبڑایا قاضی، صوفی ہاں کہا — کب غلط ہے، عدل تیرا ہے بجا
جو نہ چاہو بہر خود اے شیخ دیں — کیوں وہ چاہا بھائی کی خاطر امیں
تم نے کھودا خود مرے آگے کنواں — گر پڑے آخر تم ہی اس میں وہاں
''حَفَرَ ا تو'' کیا نہیں اندر خبر — جو پڑھا اس پر عمل کر اے پدر
حکم اپنا فیصلہ میں یوں ہی تھا — گدی پر اس نے تمھیں تھپڑ دیا
آپ کے افسوس دیگر فیصلے — آپ کے سر پاؤں پر کیا لائیں گے
رحم اک ظالم کے اوپر از کرم — خرچ کو دوگے اسے تم تین درم
ہاتھ کاٹو کو بھلا موقع کہاں — اس کے ہاتھوں دوگے جب حکم وعناں
تو ہے اس بکری کی صورت ہے پتہ — دودھ جس نے گرگ بچے کو دیا

جواب دینا قاضی کا صوفی کو

بولا قاضی ہم پہ واجب ہے رضا — لائے تھپڑ یا جفا ہم پر قضا
خوش ہے احکامِ کتب پر دل مرا — حق اگرچہ ہوتا ہے کڑوا بڑا
باغ ہے دل ابر آنکھیں ہیں مری — ابر گریاں، باغ خنداں، سب خوشی
قحط سالی اور سورج کی ہنسی — موت کا عالم چمن سب جانکنی

''خوب رولو'' حکم حق کا تو پڑھا
پر بھنے سر کی طرح کیوں ہنس دیا

تو اجالا گھر کا ہے جیسے دیا
شمع جیسے اشک باری گر کیا

لگتے ہیں ماں باپ گرچہ ترش رو
دور رکھتے ہیں ضرر سے بچوں کو

تو ہنسی کا ذائقہ تو چکھ لیا
دیکھ، ہے کانِ شکر خندہ ترا

یاد دوزخ کی رلائے ہر زماں
پس جہنم خوبتر ہے از جناں

چونکہ گریہ میں پوشیدہ خوشی
جستجو کھنڈرات میں کر گنج کی

غم میں لذت ہے، نہیں پیدا نشاں
آبِ حیواں بھی ظلمت میں نہاں

تا بہ منزل نعل الٹے راہ پر
اپنی آنکھیں احتیاطاً چار کر

بہرِ عبرت اپنی آنکھیں کر لے چار
اپنی آنکھیں دو دگر دو چشم یار

''اَمرُ ہم شوریٰ'' کتب میں پڑھ ذرا
یار کا بن ناز سے تو اُف نہ کہہ

راہ میں ہے یار جب پشت و پناہ
غور سے دیکھو تو ہے خود یار راہ

یاروں کی صحبت جو ہو خاموش رہ
حلقہ کے اندر تو نگ بننے نہ جا

تو نماز جمعہ میں رہنا بہ ہوش
جمع ہیں سب یک خیال ان کا خموش

اپنا ساماں کچھ دو دم لے جا وہاں
اور جہاں بیٹھے نہ تو خود کو نشاں

بولے آقاؐ ہو غموں کا گر ہجوم
رہنما یاروں کو کر وہ ہیں نجوم

راہ چلتے ہو ستاروں پر نظر
ہے تردد بات میں باتیں نہ کر

گرچہ سچ ہی کچھ جو بولے اے فلاں
ہوں گی گدلی باتیں بھی پیچھے رواں

بات سے بات اس کا جاری سلسلہ
نہ پڑھا حیراں کہ بڑھتا جائے گا

بات اچھی ہو بھی تو شارع نہ بن
اک سخن کھینچے گا تا دیگر سخن

ضبط مشکل اگر کھولے وہاں
ہوگا گدلا صاف کے پیچھے رواں

جو ہے معصوم رہ وحی خدا
پاک ہے وہ لب جو کھولے تو روا

وہ نبیؐ کہتا نہیں کچھ از ہوا
ہے ہوا سے پاک معصومِ خدا

بول بیشک خوب تو از رؤئے حال
جیسے میں ہو ناز تو سُخرہ مقال

صوفی سے قاضی کا سوال کرنا

پوچھا صوفی کیوں ہوئی یک کانِ زر — نفع اس سے کیوں ہے اس سے کیوں ضرر
چونکہ ہیں یہ سب بنے اک ہاتھ کے — مست یہ ہشیار ہے وہ کس لئے
ایک ہی دریا سے ہیں نہریں رواں — پانی میٹھا یہ، وہ کیوں زیرِ دہاں
ہیں سبھی انوار از شمسِ بقا — صبح کاذب و صادق آخر کیوں
سرمہ تو آنکھوں کا ایک ہی ہے مگر — راست وہ بھینگی ہے کیوں اس کی نظر
چونکہ ہے ٹکسال کا سلطاں خدا — نقد پر کیوں صرف خوب و ناروا
راہ کو کہتا حق جب راہِ من — کیوں یہ چوکیدار اور و راہزن
اک شکم سے عالم و جاہل یہیں — بیٹا ہے رازِ پدر کا کیا یقیں
کس نے وحدت دیکھی یہ اتنے ہزار — حرکتیں عینِ سکوں میں بے شمار

قاضی کا اس صوفی کو جواب دینا

بولا قاضی مت ہو حیراں صوفیا — ہے مثال اک اس بیاں میں سن ذرا
دیکھ یہ، حال اُس کا اچھا جان لے — گر نہ دیکھے حال اچھا پڑھ اسے
جس طرح کہ بیقراریِ عاشقاں — اس کا باعث ہے سکونِ داستاں
ناز میں وہ کوہ جیسا برقرار — عاشقاں بتوں کی صورت رعشہ دار
اس کے ہنسنے سے ادھر رونا لگے — اس کی ساکھ، عزت ادھر جاتی رہے
جھاگ کے مانند سب کیفیتیں — بحر پیچوں پر سب ان کی حرکتیں
ضد و ندِ کون اس کا در کردار و ذات — جامۂ ہستی میں ہے کُل کائنات
ضد خود اپنی ضد کو کیوں دے گی وجود — بلکہ وہ باہر چلے جائے گی زود
ندِ ہے کیا ہے نیک و بد کی مثل ہی — مثل اپنی مثل کیونکر لائے گی
جبکہ دونوں مثل ہیں اے عشقی — اک سے بہتر کیوں دگر کی خالقی
باغ میں تینوں کو گنتے ضد و ند — جھاگ کو دریا پہ کیوں ند ہے نہ ضد

دیکھ تو بے کیف برد و ماتِ بحر چوں چگونہ کو راہ کہاں در ذاتِ بحر
اس کا چھوٹا سا کھلونا تیری جاں چوں چگونہ راست جاں تو ہے کہاں
ایسا دریا جس کی بوندوں سے جہاں جسم سے بڑھ کر ہیں پیدا عقل و جاں
تنگ نائے چند و چوں میں کیوں سمائے عقلِ کُل بھی اس میں لاعلمی دکھائے
عقل پوچھے جسم سے اے تو جماد کچھ پتہ بھی پایا از بحرِ معاد
جسم بولے گا میں ہوں سایہ ترا کیا مدد سایہ سے کوئی چاہے گا
عقل بولے کب ہے یہ حیرت سرا قابل و ناقابلاں ہوں اک جگہ
اس جگہ خورشیدِ پُر انوار بھی کرتا ہے ہر ذرے کی خود چاکری
شیر پیشِ آہو رکھ دیتا ہے سر باز تیتر کو بچھا دیتا ہے پر
گر نہیں تجھ کو یقیں کہ مصطفیٰؐ چاہے ہیں مسکینوں سے بھی کیوں دعا
گر کہوگے دی ہمیں تعلیم یوں یہ غلط فہمی ہوئی تفہیم کیوں
علم تھا ان کو کہ گنج بے شمار رکھا ہے ویرانوں وہ کردگار
بدگمانی نعل الٹا ہے یہاں مخبر اس کا ہر کوئی جزو بے گماں
اصلیت میں اصلیت گم ہوگئی بلکہ ستّر سو میں ملّت بٹ چلی
پوچھا مجھ سے چاہئے کیا، ہوشیار صوفیا! اب گوشِ جاں کو دے پیار
تجھ کو ہر زخم آسماں سے آئے گا صبر کر بعد اس کے خلعت پائے گا
سیلی دیکھی، دوستی بھی دیکھ ایں غیر گردن گوشتِ داں ملتا نہیں
جس نے سیلی ماری ہے سلطاں کہیں؟ تا کلاہ و تخت دے تجھ کو، نہیں
قیمتِ دنیا سبھی مچھر کا پَر ایک سے لے اس کا بدلہ کس قدر!
جگ کی طوقِ زریں سے گردن بچا دور کر زود، اور حق کی سیلی کھا
کتنے تھپڑ انبیا نے بھی سہے امتحانوں میں سر اونچا کیے
اپنے اندر رہ تو حاضر اے جواں وہ جو آئے تو تجھے پائے وہاں
ور خلعت لوٹ کر لے جائے گا جب کسی کو نہ گھر میں پائے گا

پھر اس صوفی کا اس قاضی سے سوال کرنا

پوچھا صوفی ہو تا کیا گریہ جہاں　　خندہ رو رہتا برحمت جاوداں
ہر زماں شورش نہ ہوتی سامنے　　رنگ رنگی ڈنک یوں اٹھتے نہ تھے
رات سے چوری نہ ہو دن کا چراغ　　ہو نہ بر یادِ خزاں راحت کا باغ
جامِ صحت کو نہ تھا پتھر بخار　　ڈر مصیبت کا نہ تھا بہرِ قرار
آپ خود کم ہوں گے کیوں جود و سخا　　گر نہ ہوگا نعمتوں میں خر خشہ
سب کی حالت خوب وخوش ہوتی یہاں　　کیوں مکدر ہوتی روحِ انس و جاں
ہوتا عالم جاوداں ذوق و حضور　　اور دائم جاں بھی رہتی پُرسرور

صوفی کے سوال پر قاضی کا جواب دینا اور چور کے قصے کی مثال دینا

بولا قاضی دست خالی صوفی تو　　ناسمجھ جس طرح کاف کوفی تو
نہ سنا تو نے کہ وہ شیریں زباں　　کرتا تھا غداریِ درزی بیاں
درزیوں کی چوریوں کے واقعے　　وہ بیاں کرتا تھا عہدِ رفتہ کے
اک تراشے کے چرانے کی یہ بات　　کررہا تھا اپرے غیرے سب کے ساتھ
پڑھ رہا تھا قصہ درزی نامے کا　　ہوگیا گرد اس کے ہنگامہ کھڑا

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تفسیر اللہ تعالیٰ واعظوں کی زبان سے سننے والوں کی ہمت کے بقدر تلقین کرتا ہے

پا لے جاذب جب کوئی شعلہ بیاں　　اس کا ہر اک جزو ہوگا داستاں
گائے سُر چوبیس سارنگی نواز　　گر نہ ہو سامع تو چپ ہمسازِ ساز
گو ترانہ یاد آئے نے غزل　　انگلیاں دس ہوں گی مصروفِ عمل
گر نہ ہوتے کان کوئی غیب گیر　　آسماں سے وحی کیوں لاتا بشیر

دیکھنے ہوتیں نہ گر آنکھیں کہیں آسماں ہوتا نہ ہنستی یہ زمیں
ہے فسوں لولاک کا اس واسطے تیز ہیں آنکھوں کی حاجت اسے
خوان بس لوگوں اور ہمبستری دیکھے کیوں قدرت کے نظارے کوئی
آش کا پانی نہ ڈالے در تغار چند کتّے ہوں نہ جب تک طعمہ خوار
بن خدائی غار کا کتّا ہی جا تا کہ اس برتن سے ہوجائے رہا

ایک ترک کا دعویٰ کرنا اور بازی لگانا کہ کوئی درزی میری کوئی چیز نہیں چرا سکتا

دو زبانِ بے رحمانہ کہے دریاں کرتے سب چوری چھپے
ایسے ہنگامے میں تُرک از خطا پردہ کھلنے سے مکرر ہوگیا
جیسے روزِ حشر شب کو قصہ گو راز بتلاتا تھا اہلِ عقل کو
جس کسی گوشے میں تم جاؤگے بھید بتلاتے دو دشمن پاؤگے
تو زباں کو محشر مذکور جان اور کہنے والے کو تو صور جان
حق نے پیدا طیش کا باعث کیا چوک میں ذلت کا پھوڑا ٹھیکرا
درزیوں کی چوری ذکر آگیا تُرک کو افسوس و خشم و درد تھا

ترک کا درزی کے گھر کا پتہ معلوم کرنا

پوچھا تیرے شہر میں اے قصہ گو کون ہے استاد چوری چھکہ کو
بولا درزی، نام اُس کا پورشش چوری مشاق ہے اور خلق کُش
بولا میں ضامن کرے کوشش ہزار وہ پائے مجھ سے اک دھاگے کی تار
لوگ بولے تجھ سے بھی چالاک تر مات کھائے اس سے یہ دعویٰ نہ کر
عقلِ خود پر زعم اتنا کیوں بھلا اس کے پھندوں میں پھنسا رہ جائے گا
ترک بھڑکا اور بھی، بازی بدی وہ نہ لے گا نے پرانا نو کوئی
طمع والوں نے اسے بھڑکا دیا زود شرط اس نے لگائی اور کہاں

عربی گھوڑا یہ مرا بازی مری ... اس سے دھوکا کھاؤں تو دے دوں ابھی
وہ جو ہارے، دوگے تم گھوڑا مجھے ... ساتھ اس کے رہن رکھا ہے جسے
ترک تھا بے خواب غصہ میں بھرا ... چور کی دُھن رات بھر لڑتا رہا
صبح کو اطلس دبائے در بغل ... چل دیا بازار و دکانِ دَغل
اک سلامِ گرم درزی نے کیا ... کرتے پرسش اپنی جا سے اٹھ گیا
ترک کی حد سے پرسش جو کی ... اور محبت اس کے دل میں ڈال دی
جب سنی اُس کی وہ بلبل سے نوا ... اطلس استنبول کا آگے رکھا
اک قبا کاٹ اس سے بہرِ روزِ جنگ ... دامن اس کا ہو وسیع سینہ ہو تنگ
تنگ بالا تن کی زینت کے لئے ... واسع نیچا، پا الجھنے سے بچے
بولا سو خدمت بجا لاؤں تری ... ہاتھ سینے پر رکھا وہ ساتھ ہی
ناپا اور اندازہ محنت کا کیا ... بعد ازاں بکواس کرنے کو چلا
دوسرے سردار، ان کے واقعات ... بخششیں ان کی کرم ان کے صفات
ان بخیلوں کا گھٹانا بارہا ... اور ہنسانے کو پتہ بھی دے دیا
ہاتھ اک آگ جیسی قینچی لی ... کاٹ میں وہ، لب پہ افسانے سبھی

درزی کا تُرک سے ہنسی کی باتیں کرنا اور ہنسی کی زیادتی کی وجہ سے دو چھوٹی آنکھوں کا بند ہو جانا اور درزی کا چوری کا موقع پانا

جوں ہی درزی نے اک چٹکلا ... ہنستے ہنستے ترک نیچے گر پڑا
ترک ہنسنے میں تھا سن کر داستاں ... آنکھ کھینچ کر ہوگئی بند اس زماں
چوری کی پارے کی رکھا زیرِ راں ... غیرِ حق نظروں سے زندوں کو نہاں
حق نے دیکھا وہ مگر ستار خو ... حد سے جب گزرے تو ہے غماز وہ
ترک کو لذت سے اس افسانے کی ... بات غائب دل سے دعوے کی ہوئی
کیسی اطلس، دعویٰ کیسا، رہن کیا ... لاغ میں سرمست ہے وہ ترک جا

کی خوشامد ترک نے بہرِ خدا — کہہ مزح کی، ہے وہی میری غذا
خندہ لا نے والا نے اک لطیفہ وہ کہا — ہنستے ہنستے وہ زمیں پر گرپڑا
زود اطلس پارہ نیفہ پر گیا — ترک غافل چٹکلے میں مست تھا
ویسے ہی بارِ سوم تُرکِ خطا — بولا از بہرِ خدا پھر چٹکلہ
چٹکلہ چھوڑا اک ایسا جالدار — کرلیا اس ترک کو جملہ شکار
آنکھ بند اور عقل گم دل باختہ — مدعی ترک اب تھا مست قہقہہ
پس سوم شاخِ قبا چوری کیا — کہ ہنسی میں اس کی وقت اچھا ملا
جب چہارم بار وہ ترک خطا — پھر تقاضا چٹکلے کا جب کیا
رحم آیا اس پہ اس استاد کو — رکھ لیا باقی فنِ بیدار کو
بولا دلدادہ ہے پاگل ایسا ہی — بے خبر کتنی خسارت ہوگئی
اس نے پھر استاد کو بوسہ دیا — کہ سنا افسانہ اک بہرِ خدا
جا فسانہ ختم ہوکر رہ گیا — کتنے افسانے تو سنتا جائے گا
تجھ سے بہتر کون ہوگا چٹکلہ — جا کنارے گور کے ہو جا کھڑا

اس نفس کو خطاب جو اس جیسی بلا میں پھنسا ہے

اے کہ تو ہے جہل و شک میں مبتلا — کب تلک دھوکے فسانے چاہے گا
تو فریبِ دہر کب تک کھائے گا — عقل و جاں کو ڈر نہیں قانون کا
چرخ کی بازی تشنۂ پیر و جواں — آبرو لاکھوں کی لوٹے در زماں
پھاڑتا سیتا ہے یہ درزیِ عام — جامۂ صد سالہ پیر و طفلِ تام
ملتجی ہیں بوڑھے بچے اس کے ہاں — تا مذاقِ نیک و کرلیں وہاں
کہ مذاق اس کا چمن کو دے عطا — جب خزاں آئے کرے اس کو تبہ

ترک سے درزی کا کہنا کہ خبردار چپ ہوجا کہ اگر ہنسی کی دوسری بات کہوں گا تو تیری قبا تنگ ہوجائے گی

بولا درزی اس طلب کو ترک کر — حیف میں گر چٹکلہ چھوڑوں دگر
تنگ ہوجائے گی پھر تجھ پر قبا — کوئی اپنے ساتھ یوں کرتا ہے کیا؟
اس ہنسی کا راز اگر تو جان لے — تجھ کو رونے سے بھی بدتر لگے
تو ہنسی کو چھوڑ دے اے ترک مست — ہوگئی ہے عمر ہوجائے گا پست
ہاتھ سے درزی نے جب رکھ دی قبا — ترک نے برباد گھوڑا کرلیا
سن خلاصہ، تُرک وہ پاگل رہا — عالمِ غدار درزی بھوت تھا
وہ جو اطلس نیکی کا تقویٰ تھا — سینے تھا تو نے ہنسی میں کھودیا
عمر اطلس، چٹکلے شہوت سبھی — رات دن قینچی، ہنسی غفلت سبھی
اسپ ایماں، اور شیطاں در کمیں — ہوش میں آ چھوڑ افسانے وہیں

اس کا بیان کہ بیکار اور افسانے کے جویاں اس ترک جیسے ہیں اور دھوکے باز غدار عالم درزی کی طرح ہے اور شہوت اور عورتیں اس دنیا کی ہنسانے والی باتیں کہنا ہے اور عمر اس اطلس کی طرح ہے اس درزی کے سامنے بقا کی قبا اور تقویٰ کا لباس بنانے کے لیے

ماہوں کی قینچی سے اطلس عمر کا — درزی دھوکا باز ٹکڑے کردیا
تو ستارے سے یہ چاہے گا مدام — مسخری سے نیکی ہی پائے دوام
بھاگتا ہے اس کے بد اثرات سے — اس کے بوجھ اور کینہ و آفات سے
اس کی خاموشی کرے تجھ کو دکھی — اور نحوست، قبض اور کینہ وری
مشتری، زہرہ میں جب ہو ناخوشی — ہو نہ مریخ و زحل گر کمی

مشتری کی زہر میں ہو بھی ناخوشی ان کے بیش و کم کیوں وابستگی
جب ستارہ بولے رقص افزوں کروں ساتھ اس کے درد بھی افزود دوں
تو گھماؤ پرستاروں کی جا تو گھمانے والے پر نظریں جما

زمانے کے ظلم سے فقیروں کو تسکین دینے میں اس دنیا کی مثال دینا

وہ کسی نے راہ لی سوئے دکاں بند دیکھا رہ ز انبوہِ زناں
پاؤں میں سوزش ہے چل کر تیز راہ اور حسینوں سے کھچاکھچ وہ جگہ
مڑ کے اک عورت سے پوچھا کیوں یہاں جمع اس کثرت سے کیوں ہیں لڑکیاں
مڑ کے اس کی سمت بولی بد نظر! پوچھ کچھ کثرت پہ ان کی کچھ نہ کر
اس قدر کثرت ہماری دیکھئے ہم سے خوش عیشی میں کیوں لگے
قحطِ زن سے تم لواطت کو چلے فاعل و مفعول رسوا ہوگئے
واقعاتِ دہر سے کر آنکھ بند ہوتے ہیں گو ہیں فلک کو ناپسند
کم نہ ہوگی تیری اور معاش کاہے کو یہ خوف و قحط و ارتعاش
باوجود ان تلخیوں کے کیا ہو تم مرتے ہو اس پر ہی، بے پروا ہو تم
جان رحمت امتحانِ تلخ کو اور نعمت ملکِ مرو و بلخ کو
وہ براہیم ماتا زر کا رہ گیا اور یہ ابراہیمؑ آگے بڑھ گیا
نہ جلے یہ، وہ جلے کیوں اے عجب نعل الٹا ہے یہ در راہِ طلب

صوفی کا اس سوال کو مکرر کرنا

یار قادر اپنا صوفی نے کہا بے خسارہ اپنا سودا ہوگیا
آگ سے لاتا ہے جو پھول اور شجر اس کو بھی کرسکتا ہے وہ بے ضرر
کرتا ہے جو پھول کو پیدا ز خار وہ خزاں کو بھی بنائے گا بہار
سرو ہے آزاد جس کی وجہ سے اُس کی قدرت غصہ کو شادی کرے

ہوتا ہے موجود جس سے ہر عدم رکھے گر باقی اُنھیں کیا اس کو غم
وہ جو دیتا ہے جلانے تن کو جاں گر نہ مارے اس کو، کیا ہو گا زیاں
اس کو روکے وہ سخی اس کو جو دے بندے کو کوشش بنا جاں چاہئے
دور کمزوروں کو دیکھے گھات سے مکرِ نفس اور دیو کی آفات سے

قاضی کا صوفی کو جواب دینا

بولا قاضی ناگوارا ہیں یہ کام نیک و بد ہیں، موتی کنکر ہیں تمام
نفس ہے شیطان ہے اور ہے ہوا زخم بھی ہیں معرکے بھی اور دغا
نام کیا لے کر پکارے شہر یار! اس کے ہی بندے ہیں سب اے پردہ دار
کیسے کہلائے وہ صبّار و حلیم کیسے کہتے اے بہادر اے حکیم
صابرین و صادقین و منفقین ہوتے کیوں بے رہزن و دیو لعین
ایک ہوتے حمزہؓ رستم، ہیجڑا علم و حکمت کو نہ تھی کوئی جگہ
علم و حکمت راہ اور بے راہی سے جس میں سب راہیں وہ خالی رہے
ہے دکانِ طبع تیری شورہ آب یہ رواداری کرے دو جگ خراب
جانتا ہوں پاک تجھ کو نہ کہ مقام ہے تیرا یہ مسئلہ بہرِ عوام
جورِ دوراں، رنج کچھ بھی ہو تجھے سہل حق سے دوری اور ہے بھول سے
ختم یہ سب، خاتمہ اس کا کہاں دولت اس کی جس کی ہے آگاہ جاں
رنج و درد و جور و فقرِ ایں دیار کیوں گراں ہو جوں فراق و بعدِ یار

اس بیان میں حکایت کہ رنج پر صبر کر لینا دوست کے فراق پر صبر کرنے اور اس کی مشقت سے زیادہ آسان ہے

عورت اک خاوند سے کہنے لگی اے مروّت ختم کی یکبارگی
کیوں نہیں کرتا خبر گیری مری کب تلک خواری میں رکھے گا یونہی

بولا وہ تدبیر میں ہوں خرچ کی　　بینوا ہوں جہد جاری ہے مری
خرچ، کپڑا یہ دو واجب ہیں صنم　　مجھ سے پاتی ہو یہ دو کیا ہے یہ کم
پیرہن کی آستیں دکھلائی زن　　کھردرا، میلا تھا اس کا پیرہن
اس کی سختی کاٹ کھاتی ہے بدن　　کوئی کیا ایسا بھی دے گا پیرہن
کیا میں پوچھوں بات اک تجھ سے اے زن　　میں ہوں درویش اک وہی آتا ہے فن
کھردرا میلا ہے غلیظ و ناپسند　　خوب سوچ اس بات کو اے ہوشمند
کھردرا، ناخوب تر یا خود طلاق　　یہ تجھے مکروہ تر ہے یا فراق
تجھ کو بھی اے میرے صاحب طعنہ زن　　یہ بلا و فقر اور رنج و محن
ہے بلاشک تلخ ہی ترکِ ہوا　　سہل لیکن پیش دوری از خدا
گو نماز و روزہ پاتے ہیں کٹھن　　خوب تر دوری سے ہے اے ممتحن
رنج کیسا ذوالمنن خود پوچھے جب!　　''بولا اے رنجور میرے کیوں ہے اب''
تو نہ بولے کہ ہے فہم وفن سے دور　　ذوق پرسش پھر بھی ہوتا ہے ضرور
حسن والے وہ طبیبِ عاشقاں　　پرسشِ بیمار پر راغب ز جاں
اور اگر ہو ان کو خوفِ ننگ نام　　کرکے و تدبیر بھیجیں گے پیام
فکر اس کی ان کے دل پر کارگر　　یار سے دلدار کیوں ہو بے خبر
چاہیئے تجھ کو عجائب داستاں　　پڑھ ذرا تو قصہ ہائے عاشقاں
بعد مدت جوش میں آیا بجا　　نہ پکا تو نیم پختہ ہی رہا
عمر بھر ذی اقتدار و باعطا　　بھول نادیدوں سے بھی تیری سوا
اس کا ہر شاگرد خود عارف بنا　　اور وہ پس، گول، جھگڑالو ہوا
نہ ہوئی ماں باپ سے عبرت تجھے　　اور نہ ہی حاصل تجھے دن رات سے

ایک عارف کی ایک پادری سے دریافت کرنے کی مثال کہ تو داڑھی سے زیادہ عمر کا ہے یا داڑھی تجھ سے

پوچھا اک اسقف یہ عارف کوئی — عمر داڑھی کی بڑی ہے یا تری
بولا اس سے پہلے میں پیدا ہوا — سیرِ دنیا میں بنا داڑھی کیا
بولا داڑھی حال سے اجلی ہوئی — زنشت خو تیری نہ اچھی ہوسکی
تجھ سے چھوٹی تجھ پہ سبقت لے گئی — لذتوں میں گم 'تو' جو تھا ہے وہی
رنگ وہی تیرا جو پیدائش پہ تھا — اک قدم آگے نہ اس سے بڑھ سکا
چھاچھ کھٹّی تو ہے معدن میں ابھی — اس سے آگے بن نہیں پایا تو گھی
تو خمیرِ آب و گِل، اب بھی وہی — آگ کے تنور میں مدت ہوئی
گھاس تو اور پاؤں دلدل میں پھنسا — گرچہ سرگرداں ہے تو اندر ہوا
قومِ موسیٰ کی طرح در تابِ تیسہ — ایک گجہ تو ہے چہل سال اے سفیہ
تو چلے ہر روز تا شب پو یہ حال — منزل اول سے پر بڑھنا محال
طے ہو کیوں یہ تین سو سالہ سفر — جاں فدا کرتا ہے تو گو سالہ پر
دل میں گو سالہ کا ہے جب تک خیال — تیسہ کا ان کو بھنور جیسا ہے حال
ہے علاوہ عجل کے حاصل وہیں — حد سے بڑھ کر لطف و نعمت، کیا نہیں
بیل سا تو، وہ عطایا سب بڑی — عجل کی دُھن میں بھلا بیٹھا سبھی
پوچھ لے آخر ترے ہر جزو سے — سو زباں رکھتے ہیں گنگ اجزا ترے
''ذکرِ نعمت ہائے رزاقِ جہاں'' — کہ ہیں پوشیدہ در اوراقِ زماں
روز و شب انسانوں کا دیوانہ تو — تیرا ہر اک جزو ہے افسانہ گو
جزو جزو تیرا جو پھوٹا از عدم — کتنی خوشیاں دیکھی ہیں اور کتنے غم
کیونکہ ہے لذت نہیں اگتے ہیں جزو — بلکہ لاغر پیچ سے ہوتے ہیں جزو
رہ جزو اور خوشی محو ہوگئی — بلکہ پانچ اور سات چھپ کر رہی

جس طرح گرما ہے موسم روئی کا   رہ گئی روئی مگر گرما گیا
یا کہ یخ جاڑے میں جو پیدا ہوا   رہ گیا یخ اور جاڑا چل دیا
برف جوں ان مشکلوں کا ماحصل   اور گرما کی نشانی جیسے پھل
یوں ہی ہر اک جزو تیرا اے جواں   جسم میں ہے نعمتوں کا قصہ خواں
بیں فرزندوں کی جیسے ماں کوئی   اک کہانی شاد حالی کے سبھی
حمل کیسا؟ ہے ز مستی ہے خمار   ہوں گے کیسے باغ پیدا بن بہار
حمل والے، اپنے بچے درکنار   ہیں دلیلِ عشق بازی و بہار
ہے رضاعت میں پھلوں کی ہر شجر   جیسے مریمؑ حاملِ پیغامبر
گرچہ پانی میں ہوئی آتش نہاں   جھاگ پانی پر ابلتا ہے وہاں
آگ چھپ چھپ کر ابھرتی ہے اگر   اُٹھتی ہیں دس انگلیاں کف کی ادھر
یونہی سب اجزائے مستانِ وصال   حاملوں میں نقش ان کے حال و قال
وہ جمال حال کیا حیرت سبھی   نقشِ عالم سے نظر جاتی رہی
چار عناصر سے بھی وہ پیدا نہیں   اور اِن آنکھوں کے لئے پیدا نہیں
وہ محاصل پس تجلی زادہ ہیں   اور نہاں در پردہ ہائے سادہ ہیں
''پیدا ہونا'' یہ، جنم لینا نہیں   جز ہدایت کام کچھ اس کا نہیں
بند کر لب تا نہ بولے شاہ قل   تو کہ بابل ہے نہ پیچ ایسوں کو گُل
یہ گُلِ گویا ہے باجوش و خروش   ترک کر بلبل زباں ہوجا تو گوش
ہر دو یہ پاکیزہ پیکر در مثال   شاہد عادل ہیں بر سرِّ وصال
دونوں خوب و پاک بھاتے ہیں بجا   حشر و احیائے گزشتہ پر گوا
جس طرح یخ جبکہ گرمی ہو زیاد   ہر زماں جاڑے کو کرلیتا ہو یاد
تیز ہوائیں، زمہریری سردیاں   ان دنوں میں اور تنگی کے زماں
جس طرح میوہ بہ وقتِ ناشتا   اور ذکر فرحتِ موج صبا
وقت جب خورشید ہنستا ہوا   باغ کی حوروں سے طمس ولمس کا

رہ گیا تو حال جو تھا سو گیا | پوچھ اسی سے یا تو واپس یا دلا
چُست ہوتا جب کہ غم گھیرا تجھے | پوچھتا نومید کرنے والے سے
اس سے کہتا غصّہ تو منکر بہ حال | وہ ہیں انعامات عطا نے ذوالجلال
گر خوشی حاصل نہیں ہر دم تجھے | تو وہ گُل سا ترا تن کس لئے
تو وہ گل تن، فکر مانندِ گلاب | منکرِ گل لے گلاب اپنا جواب
تنکا بندر خوٗ سے لینا ناروا | بادل اور سورج بنی خوٗ پرواز
کفر جھگڑا بندروں کا راستہ | اور سپاس و شکر رستہ نبیوں کا
کام بندر خویوں کا پردہ دری | ہیں نبی خو جو بھی ان کا بندگی
کٹ کھنے کتّوں کے گھر محل و قصور | اور خرابے جاے عزت گنج نور
گر نہ ہو سورج طلوع اندر کسوف | راہ گم کرتے نہ اتنے فیلسوف
زیرک و باریک ہیں، عاقل سبھی | ناک ہی پر ان کی داغ ابلہی

اس فقیر کا قصہ جو بغیر کمائی اور مشقت کے روزی طلب کرتا تھا

وہ کوئی بیچارہ مفلس درد سے | بے نوائی کے ہزاروں دکھ لئے
چاپلوسی اس کی طاعت اور دعا | بولے تو گلہ کا حافظ اے خدا
بے مشقت تو نے جب پیدا کیا | بے ہنر روزی بھی کر مجھ کو عطا
پانچ موتی سر کی ڈبیا میں دیا | پانچ حِسِ باطنی بھی کیں عطا
دین تیری بے عدد اور بے شمار | میں بیاں سے اس کے عاجز شرمسار
جب کہ ہے خالق مرا تنہا تو ہی | پس کھلائے مجھ کو رزاقی تری
یونہی وہ برسوں دعا کرتا رہا | آخرش کام آگئی اس کی دعا
جیسے کوئی شخص روزیِ حلال | حق سے مانگے بے مشقت اور ملال
بیل لائی نیکی وہ اس کے لئے | تب نشانِ عدلِ حق داوٗدؑ تھے
وہ بھی دکھی زاریاں کیں بے حساب | بازی گہ میں ہوگیا پھر کامیاب

گاہے بدظن ہوگیا اندر دعا — دیکھی جب تاخیر پانے میں جزا
پھر امید افزائیِ ربِ کریم — کرتی ہے اس کو بشارت سے زعیم
تھک کے ناامید جب ہوجائے گا — آئے آواز از جنابِ حق کہ 'آ'
خود گرائے خود اٹھائے کردگار — یہ گرانا اور اٹھانا اس کے کار
پستیِ ارض و بلندی آسماں — دو حدیں گردش ہیں یہ اے فلاں
ہے بلندی پستیِ ارض اور بھی — سال آدھا خشکی اور آدھا تری
زندگی کے پھیر سب گرنا ابھار — نیم شب ہو یا کہ وہ نصف النہار
اونچ نیچ اپنی طبیعت کی یہی — تندرستی اور بیماری کبھی
جان یونہی یونہی جملہ احوالِ جہاں — آشتی و جنگ، قحط ارزانیاں
یہ دو پَر ان سے جہاں اندر ہوا — یہ دو جانیں منزلِ بیم رجا
تا لرز اٹھے جہاں سب برگ وبار — جیتے مرتے حال خوش یا ناگوار
خمِ یک رنگِ مسیحا اپنا تا — مول کم کردے خم صد رنگ کا
وہ جہاں کانِ نمک جیسا رہا — اس میں بے رنگ ہوگا جوبھی جائے گا
خلقِ رنگا رنگ کو یہ خاک بھی — گود میں کردیتی ہے بے رنگ یہی
یہ نمک داں بہرِ جسمِ ظاہری — ہے نمک دانِ معانی اور ہی
ہے نمک سارِ معانی معنوی — ہے ازل سے تا ابد یہ تازہ ہی
اس نئی کے واسطے زد کہنگی — بے ضد ونِد و عدد ہے وہ نئی
صیقل ایسا جیسے نورِ مصطفیٰؐ — لاکھ اندھیرے ہوگئے اس سے ضیا
مشرک و ترسا، یہودی گبر اب — ان کے باعث ہوگئے یک رنگ سب
لاکھ وہ کوتاہ سایہ و دراز — ہوگئے سب ایک وجہِ مہرِ راز
نہ درازی، کوتاہی نے چوڑا پن — سائے سارے ہوگئے سورج کے رہن
پر جو یک رنگی ہے روز حشر کی — ہے نمایاں نیک اور بد سب یہ ہی
جو بھی مخفی ہے وہاں ہوگا عیاں — صورتیں بن جائیں گی خصلت وہاں

فکر لے گی بھیس تب تحریر کا اور استر آبرہ بن جائے گا
بیل چتکبرے سے اسرار اس زماں کاتے ہے سو رنگ کے دھاگے زباں
وقت ہے زنگی کا اب رومی کہاں رات ہے اب ہوگیا سورج نہاں
گرگ کا اب وقت ہے یوسف بہ چاہ نوبتِ قبطی ہے اور فرعون شاہ
رزق ہے آسان، بیہودہ ہنسی یہ ہیں کتے، چند دن ان کی خوشی
شیر ہیں جنگل کے اندر منتظر تا ہو ''آجاؤ'' کا مژدہ منتشر
شیر پھر جنگ سے باہر آئیں گے پردے آمد وخرچ کے اٹھ جائیں گے
جوہر انسان لے گا بحر و بر بیل چتکبرے کٹیں گے روزِ نر
حشر کا دن روزِ نحرِ خوفناک مومنوں کو عید بیلوں کو ہلاک
جملہ پانی کے پرندے روز نحر ہوں رواں جوں کشتیاں بر سطحِ آب
ہوگا ہر مہلک گواہوں سے ہلاک اور نہیں اہلِ یقیں کو کوئی باک
سوئے سلطاں باز سارے جائیں گے سوئے گورستان کو دے جائیں گے
استخواں گوہر کے ٹکڑے ان کو ناں نُقل زاغوں کو وہی اند جہاں
قند حکمت کی کہاں زاغاں کہاں ہیں کہاں گبرنڈے اور باغاں کہاں
غزوے لائق نہیں بددل بشر مشک کے قابل کہاں ہے کونِ خَر
غزوہ جب لازم نہیں بہرِ زناں تو جہاد اکبر ان پر ہے کہاں
غیرمعمولی ہے مریم کے یہاں اک بہادر ہم نے دیکھا جو نہاں
ویسے جیسے جسمِ مرداں میں زناں عجز ان کا ضعف دل سے ہے نہاں
اُس جہاں میں ہوگی صورت مادہ کی چونکہ مردی میں نہ تھی آمادگی
عدل کا دن ہے پَے عدل و عطا جوتا پاؤں کے لئے سر کو کلاہ
تاکہ طالب پاسکے مطلوب کو ڈوب جائے ڈوبنے والا جو ہو
ساتھ ہیں مطلوب کے طالب سبھی شمس کی جوڑی تپش، آب ابر کی
یہ جہاں ہے قہر خانۂ کردگار قہر دیکھے گر کرے قہر اختیار

دیکھ بال اور ہڈیاں مقہوروں کے — پھینکے بحر و بر میں تیغِ قہر نے
پَر و بالِ مرغ یہ اطرافِ دام — قہرِ حق کی داستاں ہے بے کلام
مرگیا وہ چھوڑکر تودہ وہاں — ہوگیا وہ بھی کہن ڈھیر اب کہاں
جوڑے سب کے کردیے اللہ نے — ہاتھی ہاتھی، پشہ پشہ کے لئے
تھے محبِ مصطفیٰؐ وہ چار یار — مونسِ بوجہل عتبہ، ذوالخمار
کعبۂ جبریل و ارواح سدرہ وہ — پیٹ کے بندوں کعبہ سُفرہ وہ
قبلۂ عارف ہے کیا نور و وصال — فلسفی کی عقل کا قبلہ خیال
زاہدوں کا قبلہ ہے محسن خدا — کیسۂ زر قبلہ اہلِ طمع کا
قبلۂ مردانِ حق نیکی سبھی — قبلہ ہے نالائقوں کا جہل ہی
قبلہ اہلِ معنی کا صبر و قرار — بت پرستی اہلِ ظاہر کا شعار
قبلۂ خلوت گزیناں ذوالمنن — قبلۂ ظاہر پرستاں رؤئے زن
قبلہ عاشق کا خدا ہے اے پسر — قبلہ باطل کا ہے ابلیس اے پدر
قبلۂ فرعنو رودِ نیل، پر — خر کے پالن ہار کا ہے کونِ خر
یونہی کر تازہ، پرانے کا شمار — گر ہو ناخوش تو کئے اپنے کار
رزق اپنا زریں پیالے میں شراب — اور کتوں کے لئے ہے آتش آب
جو بھی لائق جس کے ہے اس کو دیا — اس کے لائق رزق کرتے ہیں عطا
عاشقِ ناں کردیا ہم نے اسے — اور کیا بیزارِ جاں ہم نے اُسے
اس کی خو کو عاشقِ ناں کردیا — اس کی جاں کو مستِ جاناں کردیا
اپنی عادت سے خوش و خرم ہے تو — کیوں نہیں بھائی تجھے موزونِ خوٗ
بھائے عورت پن تو چادر ساتھ لے — رُستمی بھائے تو خنجر ہاتھ لے
ہو جہاد اچھا، پہن لیتا زرہ — ہیجڑا تو کام لے کوں سے ترا
اس سخن کی حد نہیں ہے وہ فقیر — اپنی محتاجی سے گھائل ہے اخیر

اس گنج نامہ کا قصہ کہ انھوں نے کہا کہ قبہ کے پہلو میں قبلہ کو رخ کر اور تیر کمان میں رکھ اور پھینک جس جگہ وہ گرے خزانہ ہے

خواب میں اک شب وہ دیکھا، خواب کیا! دیکھا صوفی نے جاگتے اک واقعہ
بولا ہاتف اے تو دکھوں میں گھرے جا کباڑیے سے اک پرچہ لے
خفیہ وہ وراق ہمسایہ ترا کاغذوں کے پرزوں پر تو ہاتھ لا
رنگ ایسا، شکل ویسی اے حزیں چھپ کے پڑھ لے اس کو خلوت میں وہیں
وہ کباڑیے سے اڑا لے اے پسر دور جا انبوہ سے اور شور و شر
اس کو پڑھ تنہائی میں خود آپ ہی ہو نہ پڑھنے میں ترا ساتھی کوئی
ہوگیا ظاہر بھی تو غمگیں نہ ہو بن ترے لے گا نہ کوئی نیم جو
دیر بھی ہوجائے گر، ہشیار تو ورد ہو ہر دم ترا لاتقنطو
مژدہ دینے والے نے اتنا کہا جہد کرنے بولا، تسکیں بھی دیا
ہوگیا بیدار جس دم وہ جواں ایسا پھولا نہ سمایا در جہاں
دھڑکنوں سے پتہ پھٹ جاتا ضرور گر نہ ہوتا حفظ کو ربِّ غفور
سات سو پردوں کے پیچھے اے خوشا اک جوابِ حضرت حق سن لیا
جب ساعت چیرتے پردے چلی سر اٹھاتے آسماں سے بڑھ چلی
ہوگا بھی یہ چشم جس کا اعتبار اس حجابِ غیب سے ہوجائے پار
پار کرلیں جب حواس اس کے حجاب ہوگا عالم پے بہ پے دید و خطاب
فوجِ زنگی چھپ کے آئے اہلِ روم تیغ سورج کی چلی، پیدا علوم
اک خوشی، دریافت سے پائی خلاص بعد اس کے ہوگا حاصل گنجِ خاص
اک خوشی وہ رد نہیں اس کی دعا عاقبت پایا اجابت کا صلہ
آگیا وراق کی دکان کو ہاتھ تحریروں پہ پھیرا سؤ بہ سؤ
اس کے آگے اب وہی مکتوب تھا تھے نشاں ہاتف کے بتلائے بجا

پس بغل میں دابا، بولا خیر باد | واپس آؤں گا ابھی اے اوستاد
وہ گیا تنہائی میں اس کو پڑھا | پڑھ کے وہ حیران و ششدر رہ گیا
اس طرح وہ گنج نامۂ بے بہار | کاغذوں میں مشق کے پایا گیا
پھر خیال اک دل میں یہ پیدا ہوا | کہ ہے ہر اک چیز کا حافظ خدا
اپنے محفوظات سے کیسے خدا | موقع دے اک شئے بھی کوئی لے اڑا
نقد و زر سے پُر بیاباں بھی رہے | بے رضائے حق کوئی جو بھر نہ لے
سو صحیفے بھی پڑھے سکتہ بنا | یاد اک نکتہ نہ ہو غیر از رضا
گر صحیفہ اک پڑھے، خدمت کرے | علم نادر آپ خود سے جان لے
دستِ موسیٰ جیب سے ہو ضو فشاں | و فزوں تر ہے ز ماہِ آسماں
ڈھونڈتے تھے جس کو اندر آسماں | موسیٰ تیرے آستیں میں ہے یہاں
تا کہ یہ معلوم ہو افلاک بھی | ہیں فقط عکسِ علومِ آدمی
کیا نہیں کہ عقل کو دستِ خدا | دوجہاں سے پہلے ہی پیدا کیا
یہ سخن پیدا بھی ہے پوشیدہ بھی | کہ مگس عنقا سے نامحرم رہی
قصہ کو پھر لوٹ کر آ اے پسر | قصہ گنج و فقیر اب ختم کر

فقیر کے قصے کی تکمیل اور اس خزانہ کی جگہ کا پتہ

اور اس رقعہ میں لکھا تھا یہی | شہر سے باہر ہے گنجینہ کوئی
وہ فلاں گنبد ہے قبر اس میں کوئی | دشت کو رخ، پشت جانب شہر کی
پیٹھ ادھر کر اور ہوجا قبلہ رو | پھر رہا کردے کماں سے تیر تو
جب چلائے تیر کو تو از کماں | کھود اس جا کو پڑے گا وہ جہاں
پھر اک اچھا تیر لایا وہ جواں | پھینکا پہنچائے فضا میں بعد ازاں
لایا خوش خوش بیلچے اور پھاوڑا | کھود وہ جا تیر جس جا پر پڑا
کُند دونوں ہوگئے بیل اور تبر | پر خزانے کا نہ پایا کچھ اثر

یوں ہی پھینکا تیر وہ ہر دن مگر — جا خزانے کی نہیں آئی نظر
تیر ہر دن پھینکنا تھا اس کا کام — چل پڑیں سرگوشیاں اندر عوام

اس خزانے کی خبر کا پھیلنا اور بادشاہ کے کان میں پہنچنا

بات اسی کی ہر کوئی کرنے لگا — کھیل ایسا بھی کوئی ہوتا ہے کیا
ہر کوئی بیہودہ گوئی میں رہا — ہر طرف حاسد کوئی اٹھنے لگا
دی خبر اس بات کی سلطان کو — اس گروہ نے تھا مخالف اس کا جو
اور مخفی طور سے سب کہہ دیا — کہ فلاں نے گنج نامہ پالیا
جب سنا کہ بات پہنچی تا بہ شاہ — جز کہ تسلیم و رضا چارہ نہ تھا
اس سے پہلے کہ ہو کچھ اقدامِ شہ — رقعہ لایا اس کے آگے رکھ دیا
رقعہ یہ جس دن سے میں نے پایا ہے — گنج کیسا دکھ ہی میں نے جھیلا ہے
گنج سے حبّہ نہ دیکھا آشکار — پیچ کھائے ہیں بہت مانندِ مار
اک مہینہ نامراد و نامرام — سب زیاں ہی سود اس سے کچھ حرام
چہرہ شاید آپ سے اٹھ جائے گا — آپ فاتح جنگ ہو قلعہ کُشا
چھ مہینے یا زیادہ اے شہا — تیر پھینکے میں نے اور کھودا بھی چاہ
آزمودہ جو بھی تیر انداز تھا — تیر پھینکا، گنج بھی تھا ڈھونڈتا
جز پریشانی مشقت کیا ملا — نامِ عنقا ہر کجا، عنقا کجا؟

اس خزانے کے نہ پانے سے بادشاہ کا ناامید ہونا اور اس نیک بختی کے خزانے کی طلب سے اس کا عاجز آجانا

ڈھونڈنے میں دیر جب کافی لگی — ہوگیا دل سیر آخر شاہ بھی
دشت میں گز گز پہ کھودا اک کنواں — جز ہنسی گنجینہ ہاتھ آیا کہاں
پس بلایا اس دکھی درویش کو — پھینکا غصہ میں وہ رقعہ روبرو

بولا رقعہ لے پتہ اُس کا نہیں
تو ہی بہتر ہے کہ کچھ دھندا نہیں

کام یہ اس کا نہیں جس کو ہے کار
جل گیا گُل کے لیے پھر طوف خار

نادر ایسا کوئی دیوانہ ملے
سبزہ اگتے دیکھنے کو لوہے سے

سخت جاں چاہے یہ فن جیسے کہ تو
سخت جاں ہے تو کر اس کی جستجو

گر نہ پائے کچھ نہیں کو ملال
گر تو پالے گا کیا میں نے حلال

عقل راہ ناامیدی کیوں چلے
عشق ہو پس سر سے چلنے کے لیے

عشق بے پروا، خرد ویسی نہیں
نفع دیکھے جس جگہ جائے وہیں

وہ لٹیری، تن گداز و بے حیا
امتحاں میں سنگ زیرِ آسیا

ڈھیٹ وہ پھیرے پشت اپنی کبھی
اور نہ کوئی فکر اسے مقصود کی

پاکباز ایسا نہ چاہے وہ صلہ
پاتا ہو جوں حق سے بے واسطہ

بے غرض حق نے اسے پیدا کیا
بے غرض اس نے بھی وہ لوٹا دیا

بے غرض ہی دی گئی مردانگی
پاکبازی سب مذاہب سے گئی

مخلصی چاہے گی ملّت یا جزا
پاکبازاں اپنے خالق پر فدا

نہ خدا کا وہ کریں گے امتحاں
دیں نہ دستک بر درِ سود و زیاں

بادشاہ کا ناامید ہو جانا اور گنج نامہ کو اس فقیر کو واپس کر دینا کہ لے کیونکہ ہم اس خزانہ کے خیال سے باز آئے

رقعہ وہ اُس گنج پُرآشوب کا
شہ نے اُس آفت زدہ کو دے دیا

نیش سے، اعدا سے وہ یوں بچ گیا
آپ اپنی دُھن میں گم وہ چل دیا

عشقِ دزد اندیش کو ہمدم کیا
آپ اپنا زخم کتّا چاٹے گا

عشق کا مشکل میں یار اپنا نہیں
گاؤں میں محرم کوئی اس کا نہیں

کوئی عاشق سے نہیں دیوانہ تر
اس کے سودا سے خرد ہے کو روکر

عام بیماری نہیں دیوانگی
طب کو بھی حاصل نہیں ہے رہبری

چارہ گر ہو جو آزارِ جنوں　　طب کا دفتر لے کے بھی دھوئے بخوں
طب عقلی سارا ہکّا بکّا ہے　　چہرہ معشوق اس کا پردہ ہے
ہوجا عاشق آپ اپنے روبرو　　کون دیگر، یار خود اپنا ہے تو
دل کو قبلہ کرکے تھا محوِ دعا　　ہے بشر کو اس کی کوشش کا صلہ
اُس سے پہلے جب جواب آیا نہ تھا　　مدتوں تو رہ گیا وقفِ دعا
بے اجابت تھا دعاؤں میں لگا　　وہ کرم لبیّک جو تو نے سنا
دف بنا تھا رقص فرما وہ علیل　　اعتماد اس کا بخلاقِ جلیل
سوئے ہاتف اور نہ سوئے پیک تھا　　گوش بھر لبیّک وہ سنتا رہا
بے زباں کہتی تھی امید اس کو 'آ'　　وہ بلانا دور دل سے دکھ کیا
وہ کبوتر جو ہے عادی بام کا　　مت بلا اس کو ہے پَر اس کا سِلا
اے ضیاء الحق حسام الدین بھگا　　وہ ترے دیدار سے جانبر ہوا
گر بھگائے اس کا مرغِ جاں گزاف　　گرد کوٹھے کے ہو مشغولِ طواف
کھانا دانہ کو اسے تیرا ہی بام　　گھومتا ہے مست وہ اطرافِ دام
گر کبھی منکر بنے چوری سے روح　　شکر ادا کرتے ترا، فتحِ فتوح
محتسب وہ عشق کا ہے کینہ ور　　طشت انگاروں کا رکھے سینہ پر
آ سوئے منہ چھوڑکر یہ گرد سب　　عشق کے شہ نے بلایا چل تو اب
گرد کوٹھے اور کابک کے پھروں　　جوں کبوتر مست میں اڑتا رہوں
جبرئیل عشق میں سدرہ ہے تو　　میں ہوں اک بیمار اور عیسیٰؑ ہے تو
جوش دے اِس بحرِ گوہر بار کو　　پرسشِ بیمار کر خوب آج تو
بحر تیری اور تو اس کی آن ہے　　اب اگرچہ نوبتِ بحران ہے
ہے یہ خود وہ نالہ جو ہے ظاہر ہوا　　اور جو پوشیدہ ہے اللہ کی پنہ
دو دہن رکھتے ہیں ہم مانندِ نَے　　اک دہن پوشیدہ اس کے لب میں ہے
پر وہی جانے جو رکھتا ہے نظر　　اُس طرف سے ہے فغاں جو ہے ادھر

شور اس نَے کا ہے اس کی پھونک سے — شورِ ہائے ہو غلغلہ سے روح کے
اس کے لب سے وصل نَے ہوتا نہ گر — نَے نہ کرتی اس جہاں کو پُرشکر
سویا کس ساتھ، کس پہلو اٹھا — جوش میں دیکھو تو دریا ہوگیا
شب گزاری ساتھ رب کے تو پڑھا — تو جو بحرِ نار کے اندر چلا
نعرہ مارا آگ ٹھنڈی ہوجا کا — پس تحفظ تیری جاں کا ہوگیا
اے ضیاء الحق ہو دل، تم تیغِ دیں — مٹی میں مل سکتا ہے سورج کہیں
خاک کے ذرّوں نے یہ طے کرلیا — ڈھانپ لیں تا خاک سے سورج ترا
قلبِ کُہ میں لعل دلاّلاں ترے — باغ مالا مال روئے خنداں سے
کون رستم جانے جو مردی تری — کہتا سو انبار سے جو بھر سہی
راز سے تیرے جو چاہوں آہ کروں — میں کنویں میں کرکے منہ اس کو کہوں
بھائیوں کا تیرے دل ہے کینہ ور — قعرِ چہ یوسف میرے خوب تر
مست ہوں اب خود کو غوغا اُڑاؤں — چاہ کیوں خیمہ صحرا میں لگاؤں
جام مے لا رکھ تو میرے ہاتھ پر — دیکھ پھر مستی میں میرا کروفر
بے نوا سے منتظر رہنے کہو — ہم نشہ میں غرق ہیں اب بول دو
مانگے وہ اس وقت اللہ کی پنہ — غرق ہیں ہم ایسے میں یاری کجا
ان ثبوتوں کی مجھے پروا نہیں — مجھ کو احساس اپنی داڑھی کا نہیں
غرّا کیسا، کیا مقامِ آبرو — بادہ میں کیسے سمائے تارِ مُو
ساقیا لادے مجھے پیالہ بڑا — مونچھ داڑھی سے مجھے کردے رہا
مونچھ پر تاؤ ہمارے سامنے — لیک نوچے اپنی داڑھی رشک سے
مات کھالے مات کھالے تو وہاں — جانتے ہیں اس کی مکاریاں
سو برس کے بعد جو بھی آئے گا — شیخ اپنا موبمو بتلائے گا
آئینہ میں دیکھتے ہیں جو بھی عام — پیر دیکھے اینٹ کے اندر تمام
گھر میں بڑھیا نے نہ دیکھا جو کبھی — ہے عیاں بے ریش کے اوپر سبھی

ماہی بچہ ہے تو پس دریا میں جا ۔۔۔ جیسے تنکا کیوں ہے داڑھی میں پڑا
اشک گوہر تو کوئی تنکا نہیں ۔۔۔ موج و دریا تیرے لائق جا وہیں
بحرِ واحد ہے نہیں وہ فرد و زوج ۔۔۔ موتی مچھلی کچھ نہیں ہے غیرِ موج
غیر ممکن اس کا ساجھی ہو کوئی ۔۔۔ دور اس دریا سے موج پاک بھی
شرک دریا میں نہ کوئی اینچ پینچ ۔۔۔ پھر بھی بھینگے کو کہیں ہیچ ہیچ
مشرکوں سے سابقہ چونکہ رہا ۔۔۔ ان سے یارانہ نبھانا ہی پڑا
ذات ٹھہری ورائے وصف و حال ۔۔۔ جز دوئی بھائے کوئی شے ہے محال
یا تو جوں بھینگا دوئی برداشت کر ۔۔۔ یا لگا تالا لبِ گفتار پر
باری باری یا خموشی یا کلام ۔۔۔ ہاں کئے جا بھینگے پن سے والسلام
دیکھے گر محرم بتا دے سرِّ جاں ۔۔۔ گُل جو دیکھے چیخ جیسے بلبلاں
مشک دیکھے گر پُر از مکر و ریا ۔۔۔ جیسے مٹکا بند کرلے منہ ترا
صبر کرنا جاہلوں کے جور پر ۔۔۔ اور تواضع عقلِ رحمانی سے کر
صبر با نااہل اہلوں کو جِلا ۔۔۔ جو بھی دل ہے صبر سے پائے صفا
آگ ابراہیمؑ کو نمرود کی ۔۔۔ آئینہ کو جوں جِلا ثابت ہوئی
جورِ قومِ نوحؑ صبرِ نوحؑ سے ۔۔۔ جیسے صیقل نوحؑ کی جاں کے لئے

شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ کے مرید کا قصہ

چھوڑا اک درویش شہر طالقاں ۔۔۔ بوالحسن کا شہرہ تھا در خارقاں
طے کیا سب کو وہ وادیِ دراز ۔۔۔ بہرِ دیدِ شیخ باصدق و نیاز
عرض کے قابل ہیں گرچہ واقعے ۔۔۔ راہ کے پر ختم کرنا ہے مجھے
راہ سے منزل کو پہنچا وہ جواں ۔۔۔ ڈھونڈ پایا شاہؒ کے گھر کا نشاں
کھٹکھٹایا باادب زنجیرِ دَر ۔۔۔ دَر سے باہر زن نکالی اپنا سر
پوچھا تم کو چاہئے کیا اے جناب ۔۔۔ بولا بس بہرِ زیارت در جواب
وہ مثال اور وہ مذاق ناسزا ۔۔۔ وہ مسافر قعرِ غم میں گِر پڑا

اس آنے والے کا شیخ کی بیوی سے معلوم کرنا کہ شیخ کہاں ہیں اور کہاں تلاش کروں اور اس مرید کو شیخ کی بیوی کا نامناسب جواب دینا

پوچھا وہ آنسوں بہاتے پھر وہاں　　کچھ بھی ہوں وہ شاہ شیریں میں کہاں
بولی مکّار و ریا پیشہ وہی　　احمقوں کا دام، حلقۂ گمرہی
بیوقوفاں لاکھ ہیں تیرے سوا　　اس کے باعث سرکشی میں مبتلا
گر اسے دیکھے بنا تو جائے گا　　خیر، گمراہی سے تو بچ جائے گا
شیخی باز و لالچی، پیٹو بڑا　　گونج اس کے ڈھول کی ہے ہر کجا
ہیں بچاری بچھڑے کے یہ شیطاں　　پھیرتے ہیں ہاتھ بیلوں پر یہاں
شب کا وہ مردار، جھوٹا روز کا　　جو بھی اس پیٹو کے اوپر ہے فدا
سب بھلا بیٹھے یہ لوگ علم و کمال　　کام ان کا مکر دھوکا بے حلال
اب کہاں موسیٰؑ کی قوم باوفا　　خوں بہانے عابدانِ عجل کا
وہ نبیؐ ان کے وہ اصحاب اب کہاں　　وہ نماز و سجدۂ آداب کہاں؟
شرع و تقویٰ پیٹھ کے پیچھے رہے　　امر بالمعروف، عمرؓ بھی جاچکے
یہ اباحت فاش سب پر ہوگئی　　شامل اس مفلس و قلاش بھی

مرید کا جواب دینا اور اس طعنہ زن کو کفر اور بیہودہ گوئی کی وجہ سے جھڑکنا

چیخ اٹھا وہ جواں بولا کہ بس　　آگیا دن دہاڑے کیسے یہ عسس
گھیرے شرق و غرب مردانِ خدا　　عجب سے افلاک نے سجدہ کیا
آفتاب حق ادھر پیدا ہوا　　زیرِ چادر شرم سے سورج چھپا
ایسی ابلیسی تری بکواس سے　　اس سرا سے کب ہٹائے گی مجھے
میں نہیں آیا ہوا سے جوں سحاب　　گرد کے ڈر سے نہ چھوڑوں گا یہ باب
بچھڑا بھی اس نور سے قبلۂ کرم　　اور بغیر اُس نور کے قبلہ صنم

وہ جو خواہش سے ہے رخصت ہے ضلال
جو اباحت ہے خدائی وہ کمال

کفر ایماں، دیو مسلم ہوگیا
نورِ بے حد رخ جدھر اپنا کیا

عشق کا مظہر ہے، محبوبِ خدا
سب فرشتوں سے وہ سبقت لے گیا

سجدۂ آدم نشانِ برتری
پوست سے ہوتا ہے افضل مغز ہی

شمعِ حق وہ تو بجھانے کو چلی
تیرا گندہ منہ بھی تو جل جائے گی

کتے سے میلا کہیں دریا ہوا
پھونک سے سورج کہیں بجھ جائے گا

حکم ظاہر پر بھی گر تیرا چلے
کیا ہے ظاہر تر بتا جز نور کے

دور عیبوں سے ہے اک اس کا ظہور
باقی سب میں ہیں کئی نقص و قصور

شمعِ حق پھونک جو بھی مارے گا
کیوں بجھے وہ اس کا منہ جل جائے گا

تجھ سے چمگادڑ بہت دیکھیں گے خواب
تا جہاں محروم ہو از آفتاب

تیز موجیں اور دریا ہائے روح
اب ہے سو گنا سوا طوفانِ نوحؑ

آنکھ میں کنعاں کے اک ہال اُگا
چھوڑا نوحؑ اور ناؤ ٹیلے کو چلا

موج آدھی کوہ و کنعاں لے گئی
اور مذلت کے گڑھے میں ڈال دی

چاند نور افشانی، تو سگ عو عو کرے
چاندنی اس کو چرائی کیوں بنے

شب کے راہی ماہ کے وہ ہمراہاں
کتّوں کی عو عو سے رکتے ہیں کہاں

سوئے کُلِ جزو تیر کی صورت چلا
اس کو کیسے روکتی وہ بوڑھیا

جان زہد تقویٰ کی عارف ہے کیا
معرفت زہدِ سالف کا صلہ

کھیتی کرنے کی مشقت زاہدی
معرفت اس کھیت روئیدگی

ہے مماثل جسم کے ایماں عمل
جان کھیتی کی نبات و ماحصل

امر بالمعروف وہ معروف بھی
کاشف اسرار وہ مکشوف بھی

وہ ہمارے آج کل کا بادشاہ
عمدہ مغز اور چھلکا خادم ہے سدا

شیخ انا الحق کہہ کے آگے جب بڑھے
گھونٹ ڈالے جملہ کوروں کے گلے

جب وجودِ بندہ خود لا ہوگیا
سوچ اے منکر وہاں پھر کیا رہا

گر ہیں آنکھیں دیکھ آنکھیں کھول کر　　بعد لا کے ہوگا کیا آخر دگر
اے ترے کٹ جائیں لب، حلق و دہاں　　تو نے تھوکا سوئے ماہِ آسماں
تھوک منہ پر واپس آئے بے گماں　　جا نہیں سکتا وہ سوئے آسماں
حشر تک تھوک اس پہ برسے گا ز رب　　جس طرح تبّت بہ جان بولہب
ہے علم نقارہ شانِ بادشاہ　　سگ ہے وہ جس نے پٹیو کہا
آسماناں بندہ ان کے ماہ کے　　مشرق و مغرب کو رزق ان سے ملے
نقشِ لالوک ان کے طغرے کے لیے　　ہیں یہ نعما بانٹنے، واسطے
گر نہ ہوتے وہ نہ پاتا یہ فلک　　نور کی گردش مقاماتِ ملک
گر نہ ہوتے وہ نہ ہوتے یہ بحار　　نہ ہی مچھلی نہ ہی درِّ شاہوار
گر نہ ہوتے وہ نہ ہوتی یہ زمیں　　دفن اندر گنج اور نہ باہر یاسمیں
رزق اس کا، کھانے والے اس کے ہی　　اس کی بارش کے پیاسے میرے بھی
الٹا عقدہ ہے یہ امرِ خدا　　صدقہ صدقہ دینے والے کو لکھا
اک فقیر، اس سے سبھی زرّ و حریر　　دے زکات اب تو غنی کو اے فقیر
تو ذلیل اور بیوی روح پاک کی　　جیسے کافر بیوی نوحؑ پاک کی
گر نہ ہوتی نسبت اس گھر سے تری　　تجھ کو ریزہ ریزہ کردیتا ابھی
تجھ سے اس نوع میں کرواتا رہا　　اور مشرف ہونا تھی میری جزا
لیکن اُس شاہِ زمانہ کے خانہ سے　　ایسی گستاخی نہ کرنی ہے مجھے
کتیا اس گھر کی دعا دے جا مجھے　　ورنہ کردیتا جو کرنا ہے تجھے

شیخ کے گھر سے مرید کا لوٹنا اور لوگوں سے دریافت کرنا اور ان کا پتہ بتادینا کہ شیخ فلاں جنگل میں گئے ہیں

بعد ازاں ہر ایک سے وہ پوچھتے　　اور چلا ہر سمت شہ کو ڈھونڈتے
کوئی بتلایا کہ وہ قطبِ دیار　　لکڑیاں لانے چلا ہے کوہسار

وہ مریدِ خوش سمجھ یہ سنتے ہی — جستجو میں شیخ کی نکلا تبھی
ایسے میں شیطان آیا پیشِ مرد — وسوسہ ڈالا چھپالے تاکہ گرد
کہ زن ایسی کس لیے یہ شیخِ دیں — رکھے گھر میں کرکے یار ہمنشیں
ضد کو ضد آخر محبت ہے کہاں — کیسا بندر ایسے انساں کے یہاں
پھر پڑھا لاحول اس نے آتشیں — عیب چینی یہ مری ہے کفر و کیں
کون میں حق کا تصرف ہو جہاں — نفس ڈھونڈے کاہے کو باریکیاں
نفس نے پھر کردیا حملہ وہاں — گھاس دل میں جوں جلی اٹھا دھواں
کیا ہے نسبت دیو کو جبریلؑ سے — تاکہ ہمخواب اور ہمدم ہوسکے
ساتھ آزر کے بنا ہے کیوں خلیلؑ — کیوں رہے ہمراہ رہزن کے دلیل

مرید کا مراد حاصل کرلینا اور جنگل کے قریب شیخ سے اس کی ملاقات

تھا اسی دُھن میں کہ شیخِ نامدار — آگئے وہ شیر کے اوپر سوار
آرہا تھا شیر ہیزم کھینچتے — اور ہیزم پر تھے وہ بیٹھے ہوئے
مارِ نر تھا تازیانہ آپ کا — ہاتھ میں کوڑے مانند ان کے تھا
شیخ جو بھی ہے یقیناً جان لے — ہیں سواری مست شیروں پر کئے
وہ ہے محسوس اور یہ ایسا نہیں — پھر بھی چشمِ جاں سے پوشیدہ نہیں
لاکھ ان کے لئے ہیں زیرِ راں — دیکھے چشمِ غیب دان ہیزم کشاں
کردیا محسوس اسے اللہ نے — جو بھی ہے نامرد تا دیکھے اسے
دیکھا اس کو دور سے اور ہنس دیے — مت سن اس کی، دیو کے فتنے بڑے
نورِ دل سے پا لئے سب وہ جلیل — ہاں کہا دل نے بھی وہ اچھا دلیل
آپ نے ایک ایک سارے واقعے — راہ میں گزرے ہوئے بتلا دیے
بعد میں انکار زن نے جو کیا — باب میں اُس کے ہوئے وہ لب کشا
اور تحمل نفس کے باعث نہیں — وہم ہے تیرا اسے رد کر یہیں

بارِ زن پر صبر گر میں نہ کروں
شیر سے اجرت بنا کیوں کام لوں

ہم پہل کرنے میں بختی اونٹ سے
مست و بے خود پیٹھ پر محمل لئے

امر و فرماں میں نہیں میں نیم خام
کیوں کروں پروائے تشنیعِ عوام

عام و خاص اپنے سب اس کے حکم سے
منہ کے بل جاں جائے اس کو ڈھونڈتے

دور میں تحسین سے تشویق سے
ہوگا کیا تکذیب سے تصدیق سے

جوڑ پن، فردیت اپنی از ہوا
جان جیسے مہرہ در دستِ خدا

باز اس کا لوں گا ویسے سو کا بھی
رنگ و بو سے نے غرض اس کو کوئی

درس شاگردوں کو اپنے ہے یہی
شان شوکت جنگ کیوں اس میں کوئی

کب تلک وہ جا کہ جا کو رہ نہیں
جز تجلیِ مہِ اللہ نہیں

سب تصور اور سب وہموں سے دور
نور نور و نور نور و نور نور

پست کی ہے تیری خاطر گفتگو
زشت خو کو تا کرے برداشت تو

تنگی ہو برداشت یا ہنستے ہوئے
صبر تا کنجی فراخی کی بنے

سفلہ پن سفلوں کا ہو برداشت اگر
سنتوں کے نور میں ہوگا بسر

چونکہ قصد و حکمِ یزدانِ غفور
تھا ازل میں اس کا جلوہ اور ظہور

ضد بلا ضد کے نہیں ہوتا عیاں
اس شہِ بے مثل کی ضد تھی کہاں

میں زمین میں قائم کرنے والا ہوں، کی حکمت

اہلِ دل کو کرنا تھا نائب اسے
آئینہ اس کی شہی کا تا بنے

صاف کرکے دی اسے آراستگی
اس کی ضد کے واسطے ظلمت بھی دی

اجلا کالا دو علم پیدا کیا
ایک آدمؑ، ایک شیطاں کو دیا

اور ان دو لشکر کے بیچ بھی
جنگ جو بھی ہوگئی وہ ہوگئی

یوں ہی تھا دور دوم ہابیل کا
ضد نور پاک وہ قابیل تھا

یوں ہی دو جھنڈے یہ انصاف اور جور
تا بہ نمرود آئے ہیں سب دور دور

ضدِ ابراہیم اور دشمن ہوا   وہ دو لشکر کہنہ کُش و جنگجو
جب درازی جنگ کی ناخوش لگی   فیصلے کو دریاں آگ آگئی
حکم عذاب و آگ کو اس نے کیا   تا ہو حل دونوں نفر کا مسئلہ
قرن قرن اور دور دور یہ دو فریق   تا بفرعون اور موسیٰؑ شفیق
جنگ برسوں ان کے ہاں ہوتی رہی   تب رُکی جب کہ ملولی بڑھ گئی
آبِ دریا کو حکم حق نے کیا   کون ہارے کون دیکھے جیتے گا
مبتلا آلِ ثمود اور اس میں ہوئی   چیخ سے سلب ان کی جاں کرلی گئی
تھا عذاب اک از برائے قومِ عاد   تیز رو، جلد اٹھنے والی یعنی باد
اک عذاب از بہرِ قاروں وجہِ کیں   لقمہ کرلی جس طرح اژدر زمیں
قہر میں بدلا زمیں کا حلم بھی   کھا گئی قارون اور اس کا گنج بھی
لقمہ جو ہے کھمبا جسم کا   بھول کی تلوار کو گویا زرہ
قہر کر ڈالا جو روٹی کو خدا   پھر تو اٹ جائے گا روٹی سے گلا
ہوگی یہ پوشاک سرما میں مجیر   دے گا حق اس کو مزاجِ زمہریر
یہ عجب جبّہ ترے تن کے لئے   یخ سا ٹھنڈا برف جوں کاٹے تجھے
پھر نہ بھائے تجھ کو پوشاک و حریر   تو پتہ کو بھاگے سوئے زمہریر
دو نہیں بس ایک ہی قلّہ ہے تو   قہر ظلّہ کا نہ جانے قصّہ تو
شہر، گاؤں حکم حق کا آگیا   گھر پر دیواروں پہ سایہ ناروا
منع سورج اور بارش کو نہ کر   قوم دوڑی جانبِ پیغامبر
غالبًا ہم مرگئے آقا اماں   دیکھ در تفسیر حالِ باقیاں
ایسا ماہر سانپ عصا کو جو کرے   بس یہ نکتہ عقل والوں کے لئے
یوں ہی تھا وہ دورِ طورِ مصطفیٰؐ   باابوجہل جو تھا سالارِ جفا
بند مٹھی میں ثنا گو کنکریاں   پیشِ آقاؐ انگلیوں کے درمیاں
دیکھا منکر سر جھکانے سے رہا   دشمنی نے اس کو اندھا کردیا

دیکھتا ہے غور پر کرتا نہیں چشمہ ہے ٹھہرا ہو بہتا نہیں
پس کہا وہ خالقِ افکار بھی ہے ضرورت فکر کی امعان کی
سرد لوہا کوٹنے کو کب کہا بولا لوہے طوف کر داؤدؑ کا
جب مرے تن سوئے اسرافیل جا سمت بہرِ جاں اگر دل بجھ گیا
ہے خیالوں میں بہت الجھا ہوا پاس سو فسطائی بدظن کے تو جا
عقل کے جوہر سے جب خود تھا جدا حس سے محروم اور ہستی سے گیا
نے سخن خائی دمِ لب خائی ہے گر کہے مخلوق کی رسوائی ہے
کیا ہے امعاں؟ چشمہ کو کرنا رَواں تن سے جاں چھوٹے تو بولیں گے رَواں
جسم سے ہوکر رہا جان حکیم بن گئی ہے سائرِ باغِ نعیم
یا جہنم کی طرف از خود چلی جیسے چوہا گوشہ گوشہ ڈھونڈتی
نام اُن دو کو الگ رکھے ہیں دو آفریں اک جان پر ان دو سے ہو
حکم پر جو کوئی بھی قائم رہا خار کو گُل بولے گُل ہوجائے گا

پیغمبر ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ہوا کے تیز ہونے کے وقت امت کے مومنوں کو بچانے کے لیے

گردِ قوم ہود خط کھینچے نبیؑ باد کے طوفاں سے قوم ان کی بچی
بچ کے مومن باد کے نقصان سے دائرے کے درمیاں بیٹھے رہے
باد طوفاں اور وہ کشتی یقیں ایسے طوفاں آتے رہتے ہیں یہیں
باد طوفاں تاؤ وہ لطفِ خدا کشتی و طوفاں ہیں اس کے ہر جا
شاہوں کو کشتی بناتا ہے خدا اور ہوس سے جنگ میں وہ مبتلا
امن لوگوں کا نہیں شہ کو پسند قصد اس کا ہو رعایا پائے بند
قصد چکّی سے خلاصی بیل کا مار سے بچنے وہی اک راستہ
قصد پانی کھینچے وہ اس کا نہیں نل سے روغن بھی نکلوانا نہیں

بیل بھاگے زد سے بچنے کے لئے   گاڑی، ساماں کھینچنے کو کیوں چلے
پر خدا نے خوف درد اس کو دیا   تا مصالح اس سے ہوں حاصل بجا
ہر کمانے والا یوں ہے در دکاں   فکر خود اپنی نہیں فکرِ جہاں
درد ہو تو سب کو مرہم چاہئے   حیلے یہ دنیا بسانے کے بنے
حق نے کھمبا ڈر کو دنیا کا کیا   جاں کے ڈر سے کام میں ہر اک لگا
ڈر دیا جو شکرِ رب العالمین   کیا ہے وہ؟ معمار اصلاحِ زمیں
نیک و بد سے ڈرتے ہیں یہ لوگ سب   ڈرنے والا آپ ہی سے ڈرتا ہے کب
حق یہی کہ سب پہ حاکم ہے کوئی   پاس ہے ہوتا نہیں محسوس بھی
گھات میں وہ ہر کبھی اے بوالہوس   شب سے تا فارغ نہ ہوجائے قفنس
خاص اسے محسوس کرلیتے ہیں پاس   لیک اسے پاتے نہیں اپنے حواس
حِس وہی جس حِس پہ ظاہر ہے خدا   حِس نہیں وہ اس جہاں سے ہے جدا
حِس وہ حیواں کو میسّر ہو اگر   بایزیدؒ وقت ہوتے گاو و خر
تن کو مظہر کردیا جو روح کا   ناؤ کو جس نے براقِ نوحؑ کیا
وہ اگر چاہے تو اے تو نور جُوٗ   ناؤ کو تیری کرے طوفان خوٗ
کشتی و طوفاں میں رہنا ہے سدا   شادی و غم کا ہے جاری سلسلہ
گر نہ دیکھے تاؤ دریا سامنے   دیکھ لرزاں سارے اجزا جسم کے
ڈر کا باعث جب نہیں آتا نظر   تو ڈراؤنے خیالات اس کا ڈر
ابلہ مارے جاکے گھونسا کور کے   کور سمجھے مارا خچر لات اُسے
کہ اسی دم بانگ خچر کی سنا   آنکھ سے محروم وہ، کان آئینہ
پھر کہے نے ہوگا وہ پتھر کوئی   وہ صدا شاید کسی قبّہ کی تھی
یہ نہ تھا اور وہ نہ تھا، وہ بھی نہ تھا   بلکہ یہ تھا کام مکّے باز کا
خوف، لرزہ غیر ہی سے ہے یقیں   آپ خود سے کون ڈرتا ہے؟ نہیں
وہم بولے خوف کو وہ فلسفی   ٹیڑھ ہے دانست میں اس درس کی

وہم کیوں ہوگا حقیقت گر نہ ہو
چاہیے سچ، جھوٹ کی ترویج کو

زر بنا کیوں جھوٹ کی قیمت اٹھے
جھوٹ دو جگ میں اٹھا ہے سانچ سے

فلسفی اور اس کے سودا کی کہوں
پھر میں کشتی اور دریا کی کہوں

کشتیوں کی بولوں غلبہ اس کا ہی
کُل کی بولوں اس میں شامل جزو بھی

ہر ولی و نوحؑ کو کشتیاں سمجھ
اور صحبتِ خلق کو طوفاں سمجھ

اژدہوں شیروں سے تو ہرگز نہ ڈر
آشناؤں، اقربا سے کر حذر

وقت ضائع ان کی صحبت میں ترا
تیری غیبت ان کی یادوں کو غذا

تن کی ٹونٹی سے ہر اک پیاسا گدھا
چوستا ہو جیسے شربت فکر کا

چوستے ہیں وہ چغل خوف اقربا
بحرِ جاں کا اوس سا قطرہ ترا

ڈالیوں سے چوسنے کا وہ نشاں
کس طرح جنبش سے ہوتا ہے عیاں

عضو چونکہ شاخ ہے تازہ و تر
جس طرف کھینچے وہ کھنچتی ہے اُدھر

ٹوکری چاہے بنائے گا اسے
اس کی گردن کو بھی حلقہ کرسکے

بند چڑ سے چوسنا جب ہوگیا
پھر نہ آئے جس طرف تو چاہے گا

پڑھ یہ قرآں ''سست ہوتے ہیں کھڑے''
شاخیں جن کو جڑ سے پتاں نہ ملیں

یہ نشاں ہے آتشیں سو بس کروں
پس فقیر و گنج و احوال اس کے لوں

آگ دیکھی وہ جو پودوں کو جلائے
آگ وہ جاں کی خیالوں کو جلائے

نازِ الفت پھونکے جان و دل یہاں
اور تہی اس نور سے وہ قلب و جاں

نے حقیقت نے خیال کو اماں
آگ سے جو جاں میں ہے شعلہ فشاں

لومڑی شیر اس کے غلبہ میں سبھی
ہے فنا ہر چیز کو، باقی وہی

جا تجلیات میں ہوجا فنا
ضم الف جوں بسم کے اندر ہوا

بسم میں دکھتا نہیں پر ہے وہیں
بسم میں ہوتے ہوئے ظاہر نہیں

جملہ حرفوں کا یہی ہوتا ہے حال
جب بھی آتا ہے مقامِ اتصال

وہ صلہ ہے 'باوسین' اُس سے جڑے
وصل میں 'باسین' الف رد کئے

حرف جب اٹھے نہ وقتِ اتّصال / ہے ضروری تا کروں کوتہ مقال
جب کہ 'باوسینؔ' کو ہونا ہو جدا / تو بجا ہوگی خموشی اس جگہ
جب الف از خود فنا ہوجائے گا / بے الف 'باسینؔ' کے بیچ آئے گا
''مـــارَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ'' اُس کے بنا / یوں ہی قولِ حق بھی ضمناً آئے گا
دارو جب تک نہیں کرتی عمل / جب فنا ہوجائے، مٹ جائیں علل
روشنائی بحر ہو جنگل قلم / مثنوی ہو ختم ہے امید کم
سانچا، خاک اورخشت زن جب تک رہے / شعر بھی تقطیع میں ڈھلتے جائیں گے
ختم ہوگی خاک، اُڑا دے گی ہوا / خاک لانے جوش دریا کھائے گا
ختم جنگل ہو کے سر لیں گے چھپا / ہوں گے پھر دریا سے جنگل رونما
اس لئے بولا خداوندِ فرج / ذکر ہو دریا کا وہ ہے بے حرج
بول دریا لوٹ کر خشکی کو جا / کھیل کی کہہ، کھیل بچوں کو بھلا
تاکہ بچپن ہی میں تھوڑا تھوڑا سا / جان بحرِ عقل سے ہو آشنا
عقل بچہ کھیل سے حاصل کرے / گو نفی وہ عقل کی کرتا رہے
کھیل کیا دیوانے بچے کے لئے / کُل کی ٹوہ کو رشتہ جز سے چاہئے

قبہ خزانے کے قصہ کی جانب رجوع

آگیا عاجز فقیرِ بے ریا / آتی تھی آ آ کی کانوں میں صدا
تو نہیں سنتا میں سنتا ہوں اسے / کیونکہ ہمراز اس کا ہوں میں اس لئے
گنج طالب اس کا ہے وہ خود نہیں / دوست غیر از دوست ہوتا ہے کہیں
سجدے اس کے آئینہ کے روبرو / سجدے کرتا ہے وہ اپنے آپ کو
دمڑی بھی آئینہ میں گر دیکھتا / ذہن میں کیا ہوتا دمڑی کے سوا
اس کی سوچ اور وہ بھی ہوجاتا فنا / جہل ثابت، علم ہو جاتا ہوا
اپنی نادانی سے علم اک دوسرا / سر اٹھاتا بولتے اِنّـــــی اَنــــا''
سجدہ ہو آدم کو آتی تھی صدا / تم بھی آدم ہی ہو، یہ سمجھو ذرا

احولی ان کی نظر سے دور کی　　خود زمیں بھی چرخِ نیلی ہوگئی
لا اِلٰـــہ بولا و الا اللّٰـــــہ کہا　　رازِ وحدت 'لا' الا اللّٰـــہ سے کھلا
وہ حبیب اور دوست اور وہ رہنما　　کان کھنچوانے کا وقت اب آ گیا
صاف کرنے منہ کو چشمہ بھی دیا　　جو ہے در پردہ چھپا رکھنے کہا
گر کہے بھی وہ نہ ہوگا آشکار　　ہوگا قصدِ کشف سے تو جرم دار
پر پراگندہ یہ باتیں ہیں مری　　کہنے سننے والا ہوں میں آپ ہی
صورت مفلس، نشانِ گنج بول　　رنج کے خوگر یہ، سارے رنج بول
ان کے حق چشمۂ رحمت حرام　　زہر قاتل پی رہے ہیں جام جام
لاتے ہیں بھر بھر کے دامن خاک وہ　　خشک کرکے بند کرنے چشموں کو
چشمہ کو دریا مدد سوکھے گا کب　　مشت بھر محنت کی یہ مٹی عجب
تم سے بولے گا کہ دیکھو بند ہوں　　ہٹ کے بولے تا ابد جاری رہوں
قوم الٹی ان کا مقصد ہے دگر　　خاک چاٹیں گے وہ پانی چھوڑ کر
خلق طبعًا ہیں خلافِ انبیاء　　تکیہ ان کے واسطے ہے اژدہا
تو نے جانا پردۂ خلقِ خدا　　جانا کیا بند آنکھ کس سے کرلیا؟
تو نے کس پر آنکھ کھولی یہ بتا　　ہے سراسر تجھ کو وہ بدلہ برا
پر وہ خور شہدِ کرم ہے ضو فشاں　　پاس کے ماروں کا جانے وہ شاں
کھیلا نادر مہرہ اس نے لطف کا　　کفر کو راجع اللہ کردیا
لوگوں کی بدقسمتی سے وہ جواد　　کردیا جاری دو سو چشمۂ وداد
وہ کلی کو خار کا سرمایہ دے　　اور من کو سانپ کا وہ جامہ دے
شب کی ظلمت سے سحر پیدا کرے　　اور گھر مفلس کا دولت سے بھرے
بہرِ ابراہیمؑ ریت آٹا بنے　　ہمنوا داؤدؑ کا پربت بنے
ابر ظلمانی و گُر دہشت فزا　　جیسے سارنگی رہے نغمہ سرا
خلق سے بیزار داؤدؑ اٹھ ذرا　　ترک کا بدلہ لے ہم نے دیا

بہت سی عجز و مجبوری کے بعد اس خزانے کے طلبگار کا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا کہ ظاہر کرنے والا تو ہے اس پوشیدہ کو ظاہر کر دے

بولا وہ درویش اے راز آشنا — مفت میں کیوں گنج کے پیچھے پڑا
دیوِ حرص و آز کی عجلت بڑی — دیر بھائی اس کو نے آہستگی
دیگ سے اک لقمہ کھانے سے رہا — منہ جلایا، ہاتھ کالا کرلیا
غیر واضح کا یقیں مجھ کو نہ تھا — عقدہ عقدہ زن سے کھلوا لینا تھا
حق سے ہی تفسیر قول حق کی ہو — کیوں گماں سے بکوا یہ بیہودہ گو
گانٹھ ڈالی جس نے کھولے گا وہی — مہرہ جو ڈالے اٹھائے گا وہی
گرچہ آساں ہی لگے گا یہ سخن — ہوں گے آساں کیوں رموزِ من لدُن
بولا یارب توبہ کرتا ہوں شتاب — بند در تو نے کیا کر فتحِ باب
جہد پر مجبور ہوں بار دگر — گز دعا کے بھی نہ جانا ہے ہنر
میں کہاں، کیسا ہنر اور کیا قرار — سب ترا ہی عکس ہے پروردگار
رات بھر عقل اور تدبیریں بخواب — جس طرح کشتی کوئی سب غرقِ آب
خود میں رہتا ہوں نہ ہی میرا ہنر — لاش گویا میں زمیں پر بے خبر
رات بھر تا صبح وہ شاہِ علا — خود ہی کہتا ہے اور خود بلیٰ
سب بلیٰ، کو رو میں سیلِ خواب کے — یا مگر نے ان کے ٹکڑے کردیے
جیسے جیسے شب کی تاریکی ڈھلے — تیغِ گوہر دار نکلے نیام سے
شب کا رستہ جوں ہی سورج طے کرے — وہ مگرمچھ کھایا سب کچھ قے کرے
چھوٹے جوں یونسؑ مگر کے معدے سے — منتشر جوں رنگ و بو ہوجائیں گے
خلق اندر پیٹ کے تسبیح خواں — جیسے یونسؑ پاتے تھے آرام جاں
ہر کوئی کہتا تھا ہنگامِ سحر — شب مچھلی کے پیٹ سے نکلا جدھر
ویسی وحشت ناک شب میں یا خدا — کیا مزے، کیا گنجِ رحمت رکھ دیا

کان تازہ، ہلکا تن، روشن نظر
رات کالی زلف والی جوں مگر

جائے وحشت سے نہ بھاگیں پھر کبھی
ساتھ اپنے تجھ سا ہوگا گر کوئی

موسیٰ دیکھے ناز، تھا دراصل نور
ہم نے دیکھا ایک حبشی وہ تھی حور

جز کہ آنکھیں کچھ طلب دیگر نہیں
خوب اور مرغوب آنکھیں تیز ہیں

ہم کو تجھ سے چاہئیں اب آنکھیں بس
نہ چھپائیں بحر کو خاشاک و خس

کورپن سے چھوٹے جب وہ ساحراں
دست و پا بن تھے بجاتے تالیاں

آنکھ کا پردہ بجز اسباب نے
جو ہیں مخزنِ سبب اصحاب نے

جو نہیں اصحاب سے جو ہیں خدا
سب کو گھر میں صدر تک بھی لے گیا

مستحق ہوں یا نہ ہوں سب کا وہی
اس کی رحمت سے رہا ہوں گے سبھی

جب عدم تھے مستحق کیسے بنے
جان و دانش سے مزین کیوں ہوئے

اے کہ یار اغیار کو تو نے کیا
خلعتِ گُل خار کو تو نے دیا

باغ اُگا پھر اپنی بنجر خاک پر
پھر جو ہے ناچیز اسے تو چیز کر

تو نے پہلے سے سکھائی یہ دعا
تھا کہاں مٹی کو ورنہ حوصلہ

یہ دعا سکھلائی تو نے اے عجب
اس دعا کو اپنی کر مقبول اب

ٹوٹی شب کو کشتیِ فہم و حواس
نہ رہی امید، نے خوف اور یاس

لے گیا دریائے حیرت میں خدا
اور لوٹاتے ہنر کیا کیا دیا

ایک کو کر ڈالا پُرنور و جلال
دوسرے کو دے دیا وہم خیال

رائے و فن ہوتے مرے ذاتی اگر
منحصر ہوتے وہ میرے حکم پر

شب کو جاتے ہوش میرے حکم سے
دام میں ہوتے پرندے سب مرے

ہوتے آگہ منزلوں سے ہم سبھی
وقتِ خواب و امتحان و بیہشی

ہاتھ حل و عقد سے میرے تہی
کون جو حیرت کا باعث ہے مری

میں نے دیکھے کو نہ دیکھ کرلیا
اپنی جھولی میں نے لی اپنی اٹھا

کچھ نہیں رکھتا الف جوں اے کریم!
جز کہ اک دل تنگ تر جوں چشمِ میم

میم الف ماں مرکز اپنی بود کا　　میم ما کا تنگ الف ہے نرگدا
ہے الف خالی سو وہ غفلت سبھی　　میم دل تنگ پس ہے ناقص عقل بھی
بیخودی کے حال میں ہوں ہیچ میں　　ہوشیاری میں ہوں اندر پیچ میں
ہیچ پر اک ہیچ دیگر کس لئے　　نامِ دولت گنج کو ایسے نہ دے
پاس کیا ہے جو کرے میرا بھلا　　میرے سو دکھ ہیں گماں وہ بھی مرا
کچھ نہیں رکھتا تو رکھوالی تو کر　　رنج دیکھے راحت افزائی تو کر
آنسوؤں میں ہوں برہنہ تن کھڑا　　چونکہ ہوں در پر ترے آنکھیں بنا
گر نہیں پانی تو آنسو دے مجھے　　جو نبیؐ آنکھیں برسنے والی دے
آنسو مانگے آپؐ نے اللہ سے　　سبقت اور اجلال کے ہوتے ہوئے
نہ بنوں باریک بیں با اشکِ خوں؟　　میں حریص و خالی و بگّی جو ہوں
آنکھیں ایسی اشک پر معنوں رہین　　مجھ کو سو جیحون آنسو چاہئیں
اس کا قطرہ دو سو جیحوں سے بھلا　　جن و انساں اس کے قطرے سے رہا
باغِ جنت کو وہ پانی چاہئے　　کیوں نہ خاک بد کو پانی چاہئے؟
بھائی ہاتھ اب تو دعا سے مت ہٹا　　کام اب رد و قبولیت سے کیا
نان جو مانع بنے اس آب سے　　زود اس سے ہاتھ دھونا چاہئے
خود کو موزوں چست اور سنجیدہ کر　　اپنی روٹی آنسوؤں سے پختہ کر

غیبی آواز کا خزانے کے طلبگار کو پکارنا اور اس کے راز کی حقیقت سے باخبر کرنا

وہ اسی میں تھا کہ الہام آگیا　　مشکلوں کا حل خدا سے مل گیا
وہ اسی میں تھا ز الہامِ خدا　　مشکلیں حل ہوگئیں حاجت روا
تیر کو اندر کماں رکھنے کہا　　کھینچنے وہ کب کہا میں نے بھلا
کب کماں کو کھینچنے میں نے کہا　　بس کماں میں تیر کو رکھنے کہا
ابلہی تیری کماں اونچی کیا　　تیر اندازی کا فن اپنالیا

اپنی یہ سختہ کمانی رکھ اُدھر　　رکھ کماں میں بان، اڑانا ترک کر
گر پڑے جس جا ادھر تو کھوکر　　عجز سے زر لے تو قوت چھوڑکر
ہے رگِ جاں سے بھی حق نزدیک تر　　تیر پھینکا فکر کا تو نے کدھر
اے کمان و تیر حاصل کرلیا　　صید پاس ہی پر نشانہ دور کا
دور منہ سے جو بھی ہے وہ دور ہے　　آزمانے زور وہ مجبور ہے
جو بھی دور انداز ہے وہ دور تر　　ایسے گنجینہ سے وہ مہجور تر
خود کو مارا فلسفی اندیشے سے　　بول اسے ہے گنج پیچھے پیٹھ کے
بول اسے جتنا بھی تو آگے چلے　　تو مرادِ دل سے لاحاصل رہے
جـــاھــدوا فیـنــا کہاہےشہریار　　**جـــاھــدوا عَـنّــا** نہیں اے بیقرار
جیسے کنعاں بھاگا ننگ نوحؑ سے　　چڑھ گیا کلّہ پہ اونچے کوہ کے
جو خلاصی چاہے گا افزود تر　　جائے گا سوئے ہلاکت زود تر
جس طرح درویش بہر گنج و کاں　　ڈھونڈتا تھا سخت تر ہر دن کماں
ہر کماں جو بھی وہ لیتا سخت تر　　گنج سے ہوتا تھا وہ بدبخت تر
ہے زمانے میں مثل یہ معتبر　　جان ہے نادانوں کی مائل رنج پر
کیونکہ جاہل کو ہے عار استاد سے　　کھولنا ہے اب دکانِ نو اُسے
ماہرانِ فن بالاتر دکاں　　سانپ بچھّو سے بھرا، گندہ مکاں
جلد ویراں کو دکّاں کو لوٹ آ　　باغ و سبزہ و نہر کا رخ کر ذرا
نہ کہ جوں کنعاں کبر اور جہل سے　　کوہ عاصم کو سفینہ تو کرے
فنِ تیر اندازی پردہ بن گیا　　ورنہ مطلوب اس کا اس کے بس میں تھا
ہوشیار جیسے ہیں بہتیرے فن　　بہرِ رہرو جو ہیں غول و راہزن
اہلِ جنت بیشتر بھولے بجا　　پس ہیں شرِّ فلسفی وہ رہا
خود کو کرلے عاری از فضل و فضول　　تاکہ ہو ہر لحظہ رحمت کا نزول
ہے تواضع عجز کی ضد زیرکی　　زیرکی کو چھوڑ اپنا ابلہی

زیرکی دام اور شکاری کا گڑھا زیرکی کو نیک دل کیوں چاہے گا
زیرکی کی انتہا کاریگری ابلہوں کی انتہا ہے حق رسی
کہ بغل میں بچہ لے کر دن تمام کرتی ہے ماں اس کے دست و پا کا کام

تین مسافروں، نصرانی اور یہودی اور مسلمان کا قصہ، ان کو راستہ میں کھانے کو ملا نصرانی اور یہودی پیٹ بھرے تھے انھوں نے کہا کھانا کل کھائیں گے مسلمان روزہ دار اور بھوکا رہا کیونکہ وہ عاجز تھا

اک حکایت سن تو اس جا اے پسر تا نہ ہو در ابتلا اندر ہنر
مومن، عیسائی یہودی اک نفر اک سفر میں تھے یہ تینوں ہم سفر
مومن آیا ساتھ دو گمراہ کے نفس اور شیطاں خرد ساتھ تھے
مرغزی اک رے کا باشندہ دگر ایک دسترخواں کے دونوں ہمسفر
تھے قفس میں کوّا، اُلّو اور باز قید میں ساتھی تھے پاک و نماز
ایک منزل پر باہم قیام مشرقی و مغربی صابر تمام
ایک منزل پر تھے سب چھوٹے بڑے اور کئی دن ساتھ سرما برف سے
روک اٹھا دیں گے وہ جب رستہ کھلے لیں گے راہ اپنی، جدا ہوجائیں گے
جب خرد کا شاہ توڑے گا قفس اپنی اپنی راہ لیں گے مرغ بس
اشک و آہ کے ساتھ پر کھولے ہوئے راہ لیکن بند اڑنے کے لئے
منتظر سب لینے اپنی اپنی راہ جوں ہی رستہ کھل گیا اندر فضا
جس طرف تھا اس کا سوز اور اشک و آہ جب ملا موقع ادھر چلنا پڑا
در تنِ خود دیکھ یہ اجزائے تن جمع کیسے ہوگئے اندر بدن
''آبی و خاکی و بادی و آتشی'' عرشی اور فرشی و رومی اور کشی
لوٹنے کی فکر میں ہی ہیں ہر کوئی ان کو اس منزل میں ہیبت برف کی
برف ہے وجہ سکونِ ہر جماد سرما اپنا دوریِ خورشید داد

قہر کا خورشید وہ چمکے گا جب — کوہ تنکا، اون ہوگی ریت تب
اور پگھلیں گے جمادات گراں — جیسے تن پگھلے گا وقتِ نقلِ جاں
پہنچے منزل پر جو تینوں ہمرہی — حلوا لایا نذر کو مقبل کوئی
لایا حلوا تینوں راہی کے لئے — پاس کا محسن رسوئی سے لئے
شہد کا حلوا و ناں کی ایک قاب — نذر کو لایا بہ امیدِ ثواب
شہر والوں میں ادب اور زیرکی — میہمان داری بڑی دیہات کی
میہمان داری و غربا کا طعام — حق نے سونپا گاؤں والوں کو یہ کام
میہماں میں میہمان ہر دن آئے گا — اس کا پرساں کون ہے غیر از خدا
آئے گا گاؤں میں ہر شب قافلہ — کون ہوگا ان کا اللہ کے سوا
پُرخوری سے اجنبی دو خوار و زار — ایک وہ مومن تھا ہر دن روزہ دار
شام کو حلوا وہ جب آیا وہاں — بھوک کی شدت سے تھا وہ ناتواں
وہ دو بولے کھانے پُر ہے شکم — رات یہ رکھیں گے کل کھائیں گے ہم
صبر کرلیں رات بھر اور چپ رہیں — کل کی خاطر حلوے کو پنہاں رکھیں
بولا مومن آج شب ہی کھایا جائے — صبر کو کل تک معطل رکھا جائے
بولے دونوں یہ ہے چالاکی تری — قصد ہے تیرا کہ خود کھالے سبھی
بولا، تین ہم کیوں تخالف میں پڑیں — تین حصوں میں ہم اس کو بانٹ لیں
جو بھی چاہے اپنا حصہ کھا سکے — جو بھی چاہے حصہ پوشیدہ رکھے
بولے وہ دو بانٹنے کو رکھ اُدھر — بانٹنے والے کا دوزخ ہوگا گھر
بولا ہے قسّام و جس نے کیا — خود کو حصّہ حق کے بدلے نفس کا
ملک حق کا، جو بھی سب اس کا ہی — غیر کو دے گا تو ہے تجھ میں دوئی
شیر ہوجاتا وہ غالب برسگاں — گر نہ ہوتی نوبتِ بدطیناں
شیر کی کیا چل سکے گی پیش ثور — کیونکہ ہے مکّار بیلوں کا یہ دَور
قصد ان کا غمزدہ مسلم رہے — رات اس کی بینوائی میں کٹے

وہ جو تھا مغلوبِ تبسم و رضا
بولا یارو! میں نے مانا، سن لیا
شب گزاری نیند میں اور جب اٹھے
صبح کو سج دھج کے فارغ ہوگئے
چہرہ اور منہ اپنا دھویا ہر کوئی
مسلک و راہیں جداگانہ سبھی
ورد میں کچھ دیر سب مشغول تھے
کی دعا بھی فضلِ حق کے واسطے
مومن، عیسائی، یہودی، پارسی
سب مرجوع ایک وہ سلطاں ہی
مومن، عیسائی، یہودی، نیک و بد
سب کی امیدوں کا مرکز ہے احد
بلکہ پتھر، مٹی، کوہ و آب کا
باطنا ملجا سبھوں کا ہے خدا
اس سخن کی حد نہیں وہ تین یار
آگئے اک فیصلہ پر یار وار
ان میں اک بولا کہ دیکھا جس نے خواب
رات میں کل وہ کرے واضح شتاب
افضلیت خواب جس کا پائے گا
کھائے گا وہ فوقیت لے جائے گا
عقل میں اپنی جو برتر ہوگیا
وہ اگر کھالے، سبھوں نے کھا لیا
فوقیت اس کی ہی جان لے جائے گی
اس کی خدمت سے ہوں خوش باقی سبھی
عاقلوں کو ہے ہمیشہ کی بقا
اس کے معنی یہ کہ عالم ہے سدا
جو بھی دیکھا وہ یہودی کہہ دیا
رات بھر کس کس جگہ پھرتا رہا
بولا میں رستے میں موسیٰ سے ملا
خواب میں دنبہ کو دیکھا بھیڑیا
ساتھ موسیٰ کے چلا تا کوہِ طور
ہوگئے ناپید ہم تینوں پہ نور
تینوں سایے محو پیشِ آفتاب
بعد ان سے ہوگیا اک فتح یاب
نورِ دیگر نور سے پیدا ہوا
اور سرعت سے ترقی کرلیا
موسیٰ بھی اور میں بھی اور وہ کوہِ طور
ہوگئے ہم تینوں گم در تاب ثور
تین ٹکڑے ہوگئے پھر طور کے
جبکہ ماری پھونک اسے اللہ نے
وصفِ ہیبت نے تجلّی اس پہ کی
منتشر ہوکر گرے ٹکڑے سبھی
اس کا اک ٹکڑا سمندر کے چلا
میٹھا پانی تلخ جیسے زہر تھا
اس کا اک ٹکڑا زمیں میں دھنس گیا
چشمہ پیدا ہوگیا پانی چلا

تا شفا بیمار اس سے پا سکے … وحی کی برکات سے اور پاکی سے
ایک ٹکڑا تیسرا تھا وہ اڑا … نزد کعبہ رخ کیا عرفات کا
ہوش میں بے ہوشی سے جب آ گیا … طور جوں توں تھا زیادہ کم نہ تھا
زیرِ پائے موسیٰ پگھلتا یخ جو تھا … گھُل گیا سب کچھ نہ باقی رہ سکا
کوہ با سطحِ زمیں ہموار تھا … حصہ جو اونچا تھا نیچے آ گیا
ہوش میں آیا گیا جب انتشار … طور اور موسیٰ کو پایا برقرار
پس بیاباں کوہ کے دامن میں تھا … خلق میں موسیٰ کا جاری دبدبہ
وہ عصا اور ان کی وہ کفنی وہاں … سب کے سب تھے طور کی جانب رواں
التجا کو ہاتھ پھیلائے ہوئے … نغمۂ اَدِنــــــــیٔ بہم گاتے چلے
پھر غشی وہ مجھ سے جب زائل ہوئی … شکل ہر اک لگی بدلی ہوئی
انبیاء کی دوستی اچھی لگی … اب میں سمجھا انبیاء ہیں اور سبھی
پھر نظر آئے فرشتے بھی عجب … برف جیسے لگتے تھے صورت سے سب
تھا ملک کا اک گروہ امداد خواہ … ان کا چہرہ آگ کے مانند تھا
وہ یہودی اس طرح کہتا رہا … ہیں یہودی جن کا نیک جن کی انتہا
کیوں کسی کافر پہ ذلت کی نظر … موت مومن کی مرے گا کیا خبر
خاتمہ کیوں ہوگا اس عمر کا … موڑے منہ تو فوراً اس سے کیا پتہ
پھر ہوا عیسائی مصروفِ کلام … دیکھا میں عیسیٰ کو اندر مقام
چل دیا ساتھ اس کے چوتھے آسماں … مرکز شعرائے خورشیدِ جہاں
وہ نوادرِ قلعہ ہائے آسماں … کیا انھیں نسبت بہ آیاتِ جہاں
فخرِ فرزنداں سے واقف ہیں سبھی … چرخ کا فن خاک جانے گا کوئی

اونٹ اور بیل اور دنبہ کا قصہ انھوں راستے میں گھاس کا مٹھا پایا اور ہر ایک کہتا تھا کہ میں کھاؤں گا انھوں نے کہا جو ہم میں زیادہ بوڑھا ہے وہ لے جائے گا

راستے میں اونٹ، گائے، دنبہ نے — گھاس کا اک مٹھا دیکھا ہے پڑے
بولا دنبہ بانٹنا ہو گر ہمیں — کوئی بھی سیر اس سے ہوسکتا نہیں
لیک ہم میں عمر ہو جس کی بڑی — ہے مناسب چارہ یہ کھائے وہی
کہ اکابر کو مقدم جاننا — راست سنّت ہے یہ دین مصطفیٰؐ
اب کمینوں میں بزرگوں کے لئے — صرف دو موقعے رہے تقدیم کے
یا تو گرما گرم حلوا کھانے کا — یا شکستہ پل پہ پہلے جانے کا
خدمتِ شیخ و بزرگ و رہنما — بے غرض عامی کرے گا کیوں بھلا
یہ بھلائی ہو تو کیسا ہوگا شر — ان کے شر سے نیکی کا اندازہ کر

خود پرستوں کی اور بھلائی کے پردے میں ان کی برائی کی حالت کے بیان میں حکایت

جامع مسجد کو چلا اک شہریار — خلق کو مارے نقیب و چوبدار
توڑتا تھا سر کسی کا چوب زن — دوسرا پھاڑا کسی کا پیرہن
لاٹھیاں دس کھایا بے دل بے خطا — راہ سے ناحق اسے ہٹنا پڑا
خوں ٹپکاتے چلا وہ پیش شاہ — ظلم ظاہر یہ چھپا پوچھے گا کیا
یہ تو نیکی ہے کہ مسجد کو چلا — یہ مضرّت اور شر کب تک بھلا
سنتا ہے مرشد سلامِ خس؟ نہیں — تا نہ ہو انجام میں گھاٹا کہیں
لے گیا گر اک ولی کو بھیڑیا — خوب تر وہ نفسِ بد سے بچ گیا
بھیڑیا گرچہ ستمگر ہے بڑا — مکر و تدبیر ہوشیاری وہ کجا
دام میں ورنہ نہ وہ پھنستا کبھی — مکر ہر کوئی ہے اندر آدمی
مکر دنیا دار کا حصہ رہا — بولے گو دیکھا نہیں، ہاں کچھ سنا

اونٹ اور بیل اور دنبہ کی حکایت کی جانب واپسی اور ہر ایک کا اپنی عمر کی تاریخ ظاہر کرنا

دنبہ بیل اور اونٹ سے کہنے لگا اتفاق ہم میں جب آپڑا
اپنی اپنی عمر بتلائیں سبھی باقی چپ، ہوں مستحق ہے بوڑھا ہی
بولا دنبہ تب چراگہ وہ مری ساتھ اسماعیل کے دنبہ کے تھی
بیل بولا میں پرانا ہوگیا میں تو جوڑی گاوِ آدم کا رہا
جوڑی میں اس بیل کی آدم جسے ہل چلانے کاشت میں جس کو لیے
اونٹ نے جب یہ بیل، دنبہ سے سنا سر کیا نیچے اٹھاکر لے لیا
چارے مٹّھا ہوا میں نے لیا اشتر بختی وہ کچھ بولے بنا
کہ مجھے تاریخ کی حاجت نہیں ایسا جسم اور اونچی گردن ہے کہیں
اس سے واقف ہیں سبھی جانِ پدر تم سے چھوٹا میں نہیں ثابت ادھر
جانتا ہے ہر کوئی دانا اسے تن بڑا میرا تمھارے جسم سے
چرخِ عالی کا ہے ساروں کو پتہ وہ ہے اس دنیا سو گنا بڑا
ہیں کہاں وہ قلعہ ہائے آسماں اور کہاں یہ گنج ہائے خاکداں

عیسائی و نصرانی کو مسلمان کا جواب دینا جو اس نے دیکھا اور ان کا حسرت کرنا

پس مسلماں نے کہا یاراں مرے مصطفیٰؐ تشریف لائے سامنے
سیّدِ سادات سلطانِ رُسل مظہر کونین ہادیِ سُبل
مجھ سے بولا طور کی جانب چلا عشق میں موسیٰؑ کے بازی کھیلتا
دوسرے کو عیسیٰؑ صاحبقراں لے گئے سوئے چہارم آسماں
اٹھ تو اے پچھڑے، ضرر دیکھے ہوئے بے توقف نوش کر حلوہ تو لے
وہ تھے باتدبیر پُر فن چل دیے نامۂ اقبال و منصب پڑھ لئے
دونوں فاضل تھے فضیلت پا لئے زمرے میں شامل فرشتوں کے ہوئے

اے تو بھولے، فہم کم چھچڑے ہوئے　　اٹھ کے تو حلوے کا پیالہ تھام لے
ایسے سلطانِ جہاں کا حکم تھا　　حلوا اور ناں کا پیالہ کھالیا
بولے تُو تو لالچی نکلا بڑا　　اے عجب خرما کا حلوا کھالیا
وہ مطاع، فرمانبری ہے لازمی　　کون میں، کیا روکنے قدرت مری
تو یہودی کرسکے گا سرکشی؟　　حکمِ موسیٰ سے، وہ ہو کچھ بھی سہی
تو مسیحی برخلاف امرِ مسیحؑ　　موڑے گا سر، ہو وہ اچھا یا قبیح
کرتا کیوں فخرِ رُسل سے سرکشی　　کھایا حلوا اس سے مجھ کو سرخوشی
بولے واللہ خواب یہ سچا رہا　　سو ہمارے خوابوں سے اچھا رہا
خوابِ بیداری یہ اے صاحبِ نظر　　جاگتے میں اس کا ظاہر ہے اثر
خوابِ بیداری ترا اے خوش نہاد　　تو نے پائی خواب میں اپنی مراد
خواب بیداری ترا اے نیک خُو　　خواب میں تجھ کو ملا امرِ کلو
خواب بیداری ترا اے نیک مرد　　خواب سے تیرے ہمارے چہرے زرد
خوابِ بیداری ترا اے سیر جاں　　جاگتے میں تو نے پایا سب عیاں
خواب تیرا جیسے خوابِ انبیاء　　کہ بِنا تعبیر سچّا ہوگیا
اب بڑائی، مردی، فن سے باز آ　　خدمت اور خلقِ حسن کام آئے گا
اس لئے لایا خدا باہر ہمیں　　لایا انسانوں کو تا طاعت کریں
سامری کو اُس ہنر نے کیا دیا　　رب سے وہ مردود ٹھہرایا گیا
کیمیا سے حاصلِ قارون کیا　　آپ خود اندر زمیں کے دھنس گیا
بوالحکم کو کیا دیا اس کا ہنر　　کفر کے باعث گیا اندر سقر
خود ہنر کہ، آگ کو دیکھا عیاں　　نے یہ دعویٰ آگ کا شاید دھواں
گندہ تر داناؤں میں تیری دلیل　　اس سے جو ہے چارہ سازوں کی دلیل
جب نہیں بہتر دلیل اس کے سوا　　گھور تو قارورہ، گوہ بھی کھائے جا
ہے دلیل اس کی بھی ایسی وہ عصا　　جو ہے شاید بے بصر کے عیب کا

فکر جیسی ہے ذلیل اپنی دلیل حاضری داناؤں میں اپنی قلیل
دھوم دھام اور غلغلہ اور گیر و دار مجھ کو کچھ دکھتا نہیں معذور دار

ترمذ کے بادشاہ سردار کا منادی کرانا کہ کون ہوگا جو تین دن میں فلاں ضروری کام کے لیے سمرقند جائے ہم خلعت و مال دیں گے اور مسخرے کا گاؤں میں سننا اور قاصد بن کر سید بادشاہ کے پاس آنا کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا

سیدِ ترمذ، وہاں کا بادشاہ دلقک اس کا مسخرہ اور دلخواہ تھا
تھا سمرقند میں ضروری کام اسے ڈھونڈا قاصد جو مکمل کر سکے
کی منادی جو بھی اندر پنج روز جو بھی لے آئے خبر پائے کشور
دوں گا سونا اور خزانے بے شمار تا کہ ہو میر اور عزیز اندر دیار
مسخرہ گاؤں میں تھا اس کو سنا بھاگا ترمذ کو سواری لے لیا
راستے میں جاں دو گھوڑوں کی گئی وہ ہلاکت ایسا دوڑانے سے تھی
وہ غبارِ راہ سے دیوان میں گیا ڈھونڈا شے تک وقتِ بے ہنگام راہ
ہوگئی دیواں میں کھس پھس ہر جگہ شاہ بھی جس سے پریشاں ہوگیا
اور دل بے قابو اہلِ شہر کے کتنی تشویش بلا کیا واقعے
حملہ آور یا کوئی دشمن ہوا آگئی یا غیب سے کوئی بلا
آیا دلقک وحشیانہ بھاگتے قیمتی راہوار راہ میں مارتے
در پہ شہ کے ہوگئی مجتمع خلق کس لئے تیزی سے دوڑے آیا دلق
ایسی سرعت، جِدّ و سعی کی وجہ کیا مچ گیا ترمذ کے اندر غلغلہ
ایک وہ دو ہاتھ زانو پیٹتا وہم سے واویلا کرتا دوسرا
فتنہ و فریاد اور خوب و نکال ہر کسی کے دل میں سو طرح خیال
اپنا اپنا ہر کسی کا تھا قیاس کیسے آتش پڑ گئی اندر پلاس
راہ چاہا شہ نے رستے دے دیا کی زمیں بوسی تو پوچھا کیا ہوا

حال پوچھا جس نے بھی بدحال کا — دست برلب اُس نے چپ اس کو کیا
وہم اُس کی عقل سے بڑھتا گیا — دنگ ہر اک اور پریشانی میں تھا
دلق نے شہ کو اشارے سے کہا — مجھ کو کچھ دیر اب سنبھلنے دو ذرا
تا ٹھکانے عقل آجائے مری — اک عجب عالم میں ہوں محصور ابھی
بعد اک ساعت کے شاہ کا وہم وظن — تلخ کر ڈالا گلا، اس کا دہن
دلق ایسا نہ دیکھا تھا کبھی — ہمنشیں خوشتر نہ تھا اس سے کوئی
داستانیں اور لطیفے ہر کبھی — شاد و خنداں ساتھ اس کے شاہ بھی
وہ ہنساتا اس قدر در پر نشست — تھام لیتا شہ شکم باد و دست
سب پسینہ تن ہنسی کے زور سے — اور گر پڑتا کبھی ہنستے ہوئے
آج وہ اس طرح سے زرد و تُرش — دست بر بولے اس کو شہ خمش
وہم در وہم اور خیال اندر خیال — شاہ کو دیکھے کہ آئے کیا وبال
شاہ کا دل پُرغم و پرہیز تھا — کیونکہ خرّم شہ بڑا خونریز تھا
پائے تخت اس کا سمرقند عمدہ تھا — ہمنشیں اُس کا وزیرِ دانا تھا
اس نے مارے بادشہ اطراف کے — حیلے سے قہاری و استیزہ سے
شاہِ ترمذ کو اسی کا خدشہ تھا — حالِ دلقک سے زیادہ ہوگیا
بولا جلدی سے تو حال اپنا بتا — کیوں پریشاں کیوں ہراساں وجہ کیا
گاؤں میں میں نے سنا کہ بادشاہ — کی منادی برسرِ ہر شاہ راہ
چاہئے ایسا جو اندر تین روز — تا سمرقند بھاگے پائے گا کنوز
میں اسے دوں گا خزانے در عوض — ہوگی جب پیغام سے پوری غرض
بھاتے آیا اس لئے تیرے یہاں — تا کہوں مجھ میں سکت اتنی کہاں
اس قدر چستی نہیں حاصل مجھے — تا نہ تار امید کی مجھ پر تنے
بولا شہ لعنت ہو تیری جلدی پر — ہے پریشانی کا عالم شہر بھر
بے وقوف اتنی سی تیری بات تھی — گھاس کے جنگل کو تو نے آگ دی

بولیں جوں وہ خام باطل و علم   ہم اماماںِ رہِ فقر و عدم
دہر میں شیخی کی ڈینگیں مارتے   بایزیدؒ آپ اپنے کو کہتے ہوئے
سالک و واصل جتانا خود کو کام   محفلوں کا دعویٰ گھر میں انتظام
خانۂ داماد پُرآشوب و شر   دخترانِ قوم جس سے بے خبر
کام آدھا بن گیا دھومیں مچیں   جو شرائط اپنی تھیں پوری ہوئیں
جھاڑو دی، آراستہ گھر کر لئے   اس ہوس میں مست و خوش ہوکر اٹھے
اس طرف سے کوئی بھی پیغام لے   مرغ گو آیا ادھر اُس بام سے
خط پہ خط بھیجے گئے اِس سمت سے   کیا جواب آیا کوئی اُس سمت سے
نے و لیکن یار وہ آگاہ ہے   کیونکہ دل سے دل کو بھی اک راہ ہے
یار اپنا وہ سمجھیں امید گاہ   کیوں جواب نہ بھیجا وجہ کیا
ہیں علامت سو نہاں بھی فاش بھی   پر نہ دے پردہ اٹھا، ان سے کبھی
دلق کا لے قصّہ پھر اس ابلہ نے   مول لی ناحق بلا اپنے لئے
سچ کی قوت، شاہ کو بولا وزیر   سن ذرا کہتا ہے کیا تیری یہ حقیر
دلق آیا گاؤں سے کچھ کام سے   رائے بدلی، ہے پشیمانی اُسے
کہنہ کو نَو تیل پانی سے بنائے   اور ہنسائے، ہنستے چھٹکارا بھی پائے
نیام دکھلائی چھپائی اس نے تیغ   بھینچنا ہوگا اسے اب بے دریغ
خول دکھلائے وہ چاقو کو چھپائے   ہے ضروری اس کو باہر لایا جائے
پستہ اور اخروٹ کو توڑو سبھی   لوگے تم اس کی گری سے تیل بھی
روک ٹوک اور اس کی باتیں مت سنو   اس کی لرزش دیکھو اس کا رنگ رو
بولا حق ہے اس کے چہرے سے عیاں   اس کی غمازی و چغلی کا نشاں
یہ جو حالت ہے خلاف اس کے خبر   سر بسر ہے شر کا پتلا یہ بشر
چیختا چلاتا دلقک نے کہا   کیا کروگے خون اس مسکین کا
آئیں گے وہم و گماں اندر ضمیر   اس میں سچائی نہیں ہے اے امیر

وہم بعضے تو گناہ ہیں اے وزیر — تا روا ہے ظلم در بابِ فقیر
دکھ جو دے جب شاہ اس کو بخش دے — پکڑے گا اُس کو ہنسائے جو اُسے؟
بات دیواں کی لگی شہ کو بھلی — وہ جو مکر اور جھوٹ کھلوائے سبھی
بولا، زنداں لے چلو اب دلق کو — چاپلوسی، جھوٹ سے اس کے بچو
پیٹ خالی ڈھول سا پیٹو اسے — ڈھول جیسے ہم کو تا آگہ کرے
ڈھول پُر ہو یا کہ وہ خالی — شور سے دے گا وہ پوری آگہی
تا ز مجبوری کرے راز آشکار — اس طرح آجائے تا دل کو قرار
دل کو حاصل نور سے سچ کے قرار — جھوٹ کے باعث وہی دل بیقرار
جھوٹ جوں تنکا اور دل گویا وہاں — تنکا منہ میں رہ نہیں سکتا نہاں
اس میں جب تک ہے وہ ہلتی ہے زباں — تا ہو دانائی سے بیرونِ دہاں
جب ہوا سے آنکھ میں تنکا پڑے — پلکیں جھپکیں آنکھ سے آنسو چلے
تنکا ہم سے لاتیں کھائے جائے گا — تا کہ منہ اور آنکھ اس سے ہورہا
بولا دلقک شہ آہستہ چل — چہرہ عفو صبر کا تو مت کچل
اب سزا میں اس قدر تعجیل کیوں — اڑنا جاؤں گا، میں تیرے ہاتھ ہوں
جو سزا ہوتی ہے از بہرِ خدا — ایسی جلدی اس میں کب ہوگی روا
جوشِ طبعی ہو کہ غصّہ عارضی — تا نہ آجائے رضا جلدی بھلی
ڈر کہ گر آئے رضا غصّہ چلے — بدلہ اور اس کا مزا جاتا رہا
بھوک جھوٹی کھانے میں جلدی کرے — خوف ختمِ ذوق کا علت بنے
بھوک سچی تو توقف ہے بھلا — بے کراہت ہوگا اچھا ہاضمہ
تو مصیبت ٹالنے مارے مجھے — بند رخنہ تا کرے تو جانچ کے
تا نہ باہر آئے رخنہ سے بلا — رکھتی ہے اس سے سوا رخنے قضا
چارہ ہے دفعِ بلا کا کب ستم — چارہ ہے احسان بخشش اور کرم
بولا صدقہ ہوتا ہے ردِّ بلا — صدمہ لے کر چارہ تو بیماروں کا

ایسا فقراء کو جلانا صدقہ کیا
حلم اندیش آنکھ کو برمائے گا

بولا شہ نیکی بھلی موقع بھلا
ہاں جو ہو ہر وقت نیکی تو بجا

رخ کی جا پر شہ جو ہو ویرانی ہے
شہ کی جا پر ہاتھی بھی نادانی ہے

خود شریعت میں عطا ہے اور سزا
شہ کو صدر اور در پہ گھوڑے کو جگہ

عدل کیا، ہر ایک کو اس کی جگہ
بے جگہ ہوتا ہی ہے ظلم اور کیا

عدل کیا، سیراب کر اشجار کو
ظلم کیا، سیراب کرنا خار کو

کیا عبث ہے، حق نے جو پیدا کیا
کیا خلوص مکر و حلم و غصّہ کیا؟

خیرِ مطلق کوئی شے ان میں نہیں
شرِّ مطلق کوئی شے ان میں نہیں

ہے محل اور وقت پر سود وزیاں
اس لئے علم اس کا واجب ہے یہاں

بارہا کھاتے ہیں مسکیں جھڑکیاں
ان کی لذت نان حلوے میں کہاں

کیونکہ حلوہ گرمی و صفرا کرے
تھپڑ اس کو اک سمجھ والا کرے

وقت پر مسکین کے چانٹا لگا
قتل ہوجانے کی نوبت سے بچا

چوٹ پڑتی ہے بری عادت پہ ہی
نے نمد پر، ڈھول پر لاٹھی پڑی

بزم اور زنداں ہے ہر بہرام کو
بزم مخلص کو تو زنداں خام کو

زخم مشق چاہئے تو مرہم مت لگا
بند مواد اس میں ہی رہ جائے گا

تاکہ کھائے گوشت نیچے سے نہاں
نفع آدھا اور پچاسوں کا زیاں

گرمی سے باطن تبہ ہوجائے گا
خدشہ مرگِ ناگہاں کا ہے لگا

بولا دلقک میں نہ چاہوں گا مفر
کہتا ہوں تحقیق ہو پیشِ نظر

بند کیوں صبر و تحمل کا ہو دَر
اور کچھ دن صبر اور تحقیق کر

تو تحمل سے یقیں تک جائے گا
گوشمالی میری تب ہوگی روا

سر اٹھاکر چلنے کے قابل ہے گر
اوندھے منہ تو کیوں چلے لپٹ کر

نیک لوگوں سے مل اور کر مشورہ
مشورہ نبیوں پہ بھی لازم رہا

امرِ شوریٰ بھی ہوا لازم تجھے
ٹیڑھ سے اور سہو سے تا بچ سکے

عقل میں ہے شمع کی سی روشنی   اک بہتر روشنی ہے بیس کی
یہ بھی ممکن ہے چراغ اک درمیاں   روشنی بخشے ز نورِ آسماں
پردہ جس پر غیرت حق کا پڑا   علوی سفلی دونوں سے باہم ملا
بولا چل پھر کر جہاں میں کر تلاش   جو بھی قسمت ایسی ہو اپنی معاش
مجلسوں میں ڈھونڈ جا عقلیں ضرور   عقل ویسی جیسی در ذاتِ حضورؐ
کیونکہ ہے میراث آقاؐ کی وہی   دیکھتے ہیں غیب آگے پیچھے بھی
چاہئے تجھ کو بھی ویسی ہی نظر   شرح کے قابل نہیں یہ مختصر
منع اس باعث کئے وہ با شکوہ   ترکِ دنیا اور تنہائی بہ کوہ
ہو نہ جائے فوت تاکہ وہ لقا   وہ نظر خوش بختی ہے اور کیمیا
نیک اک نیکوں میں ہوتا ہے بڑا   ہوتا ہے 'صح' شہ کے فرماں پر لکھا
یعنی حاصل ہوگئی اس کی دعا   ویسا اِنس و جن میں کب کوئی ہوا
کھٹا میٹھا ہمسری جو بھی کرے   ہر دلیل اس کی لچر ہوکر رہے
کیونکہ خود ہم نے اسے اونچا کیا   عذر حجت بیچ سے اٹھوا دیا
قبلہ کو جب کردیا حق نے عیاں   ہوگئی فوراً تحرّی رد وہاں
پھیر لے اٹکل سے اپنا رخ و سر   ہوگیا علم معاد و مستقر
لمحہ بھر قبلہ سے گر غافل ہوا   پائے بیگاریِ باطل کی سزا
فرق کے معطی گر ہو ناسپاس   کھوئے گا حس وہ جو ہے قبلہ شناس
گیہوں، نیکی چاہے انباروں سے   پھیر مت کچھ دیر بھی منہ یاروں سے
جب مددگاروں سے جب ہوگا جدا   ہوگا تو بد ساتھیوں میں مبتلا

حکایت چوہے اور مینڈک کے تعلق کی اور دراز دھاگے میں دونوں کے پاؤں باندھنا اور کوے کا چوہے کو کھینچنا اور مینڈک کا لٹک جانا اور رونا اور اس کا اپنی جنس سے ہٹ کر دوسری جنس کے ساتھ تعلق پیدا کرنے پر پشیماں ہونا

اتفاقاً چوہا، مینڈک باوفا   ہوگئے اک جُو کے بازو آشنا

وقت کے پابند دونوں ہوگئے
اک ہر صبح ملنے بھی لگے

دل کے مہرے اک دگر سے کھیلتے
وسوسوں سے سینہ خالی کرتے تھے

ملنے سے دونوں کے دل بھی کھلتے تھے
دونوں اپنے قصّے کہتے سنتے تھے

راز کہتے با زباں و بے زباں
وہ جماعت کے کرم کے رازداں

جب بھی ملتے یہ خوش اور وہ شادماں
پانچ سالہ قصّے یاد آتے وہاں

گفتگو دل سے نشانِ دوستی
اور نشاں بے الفتی کا خامشی

دیکھ کر دلبر کو دل کیوں ترش
دیکھے بلبل پھول کیا ہوگا خمش

ہاں خضرؑ کے فیض سے مچھلی بھُنی
زندہ ہوکر بحر کے اندر چلی

یار ہو با یار جب بیٹھے ہوئے
لاکھ تختیِ دل سے آگاہی ملے

نوح ہے محفوظ پیشانیِ یار
دوجہاں کے راز اس سے آشکار

رہنما ہوتے ہیں مرشد کے قدوم
پس صحابہ کو کہے آقاؐ نجوم

نجم در صحرا و دریا رہنما
تاکنا تارے کو وہ ہے مقتدا

اس کے چہرے سے نظر کو جوڑ دے
گرد کو اڑنے نہ دے گفتار سے

گرد میں ہوجائے گا تارا نہاں
آنکھ بہتر کیوں وہ پُرلغزش زباں

تاکہ بولے وحی ہے جس کا شعار
جو بٹھائے کیوں اُڑائے گا غبار

جب تھے آدمؑ مظہرِ وحیِ خدا
فاش انھوں نے علمِ اشیا کو کیا

نام تھا ہر چیز جو بھی تھا نہاں
دل کے دفتر سے رہا وردِ زباں

صاف اس کو دیکھ کر کرتی زباں
ماہیت اور خاصیت سب کا بیاں

اس طرح ہر چیز کو جو تھا سزا
یوں نہیں کہ شیر بزدل کو کہا

راست رہ پر نوحؑ نو سو سال تھے
وعظ تازہ ہر دن اک کرتے رہے

لعل ان کا تازہ لوگوں کے لئے
پائے قوت دل پائے نہ کچھ مضموں پڑھے

وعظ انھوں نے شرحوں سے سیکھا کہاں
شرحِ روح تھی و کشف کا چشمہ رواں

بادہ وہ جس کو کسی نے پی لیا
گونگا گویائی کے قابل ہوگیا

طفلِ نوزادہ ہو عالم اور فصیح حکمتِ بالغ پڑھے جیسے مسیحؑ
جبکہ حاصل خوش نوائی ہوگئی سو غزل سیکھے ہیں داؤدِؑ نبی
سب پرندے بند چیں چیں کردیے ہم سخن، ساتھی بنے داؤدؑ کے
کیا عجب گر مرغ پر مستی چڑھی لوہا مانے بات ان کے ہاتھ کی
باد قوم عاد کو قتّال تھی اور سلیماں کے لئے حمال تھی
لے کر صرصر اپنے سر پر تخت شاہ راہ یک ماہ کرتی طے صبح و مسا
ان کی وہ حمّال بھی جاسوس بھی اور کراتی غیب کو محسوس بھی
بات غائب کی جو پا لیتی اُسے شاہ کو سنواتی فوراً دوڑ کے
کہ فلانا کہہ رہا ہے اس زماں اے سلیمانؑ شہ صاحقراں

چوہے کی مینڈک سے تدبیر کرنا کہ ضرورت کے وقت تیرے پاس پانی میں نہیں آسکتا ہوں ہمارے درمیان کوئی وسیلہ چاہیے کہ میں جب پانی کے کنارے آؤں تجھے خبر کرسکوں اور جب تو چوہے کے گھر کے سوراخ کے دروازے پر آئے مجھے خبر آسکے

کہہ رہا تھا ایک دن مینڈک سے موش حد نہیں ان باتو ں کی اے شمعِ ہوش
کئی دفعہ چاہا بتاؤں تجھ کو راز کہ ہے پانی میں تری سب تر کتاز
میں کنارِ جو سے دیتا ہوں صدا تجھ کو پانی میں نہیں ہوتا پتہ
اس معین وقت میں میں اے دلیر ہو نہیں سکتا تری باتوں سے سیر
پنج وقتہ ہے نماز اے رہنما پر نمازِ عاشقاں جاری سدا
پانچ وقتوں سے نہ اترے یہ خمار ذوق کو کافی نہیں پانسو ہزار
رکنا ملنا، ہے نشانِ عاشقاں پیاس کی ماری ہے جانِ صادقاں
کب ہے زر غبّاً وظیفۂ ماہیاں غیر دریا کون روح کو انس و جاں
آبِ دریا ہے ڈراونی جگہ عاشقانِ مست کو اک گھونٹ سا
ہجر کا اک لمحہ بھی عاشق کو سال سال بھر کا وصل بھی گویا خیال

عشق پیاسا اس کو پیاسے کی طلب   اک دگر کے پیچھے جیسے روز و شب
دن ہے عاشق رات پر اور بے قرار   دن کی عاشق رات ہے دیوانہ وار
جستجو میں لحہ بھر فرصت کہاں   اک دگر پیچھے ہیں دونوں رواں
پاؤں پر ہات اِس کا اُس کا کان پر   اِس پہ اک مدہوش تو بے ہش دگر
دل میں ہے معشوق کے عاشق رہے   دل میں عذرا سدا وامق رہے
دن میں عاشق کے سبھی معشوق ہی   بیچ ان کے فارق و مفروق ہی
ایک اونٹ اور اس پہ ہیں دونوں جدا   گاہے ملنے کی بھلا نوبت کجا
خود سے کیوں نوبت نبوت کوئی ملے   یار بھی نوبت نبوت کیوں بنے
ایسی یکتائی کوئی سمجھا ہے بھلا؟   فہم اس کی ممکن اس کو جو مرا
پائے وہ جو موت سے پہلے مرا   یار کے ہاں رختِ ہستی لے چلا
علم اس کا عقل سے ممکن ہے گر   نفس کے غصّہ کو رستہ تھا کدھر
عقل میں رحمت کا یہ عالم ہے جب   نفس کُش کہتی ہے کیوں وہ بے سبب

خوشامدی چوہے کا مبالغہ کرنا اور پانی کا مینڈک سے جوڑ چاہنا

بولا اے یارِ عزیز و مہر کار   تجھ کو دیکھے بِن نہیں اک دم قرار
دن کا نور اور کسب تو ہی روشنی   تو قرار و بے غمی بھی نیند بھی
ہو مروّت تو مجھے تو شاد کر   گاہ گاہ مجھ کو کرم سے یاد کر
روز و شب اور وِرد وقتِ چاشت بھی   تو نے ملنے کی ہمیشہ ٹھان لی
حد مجھے اک بار کی جو سہے کہیں؟   عشق میں تیرے جب انساں نہیں
پانسو استسقا ہوں میں اندر جگر   ساتھ استسقا کے ہے جوع البشر
تجھ کو کیا پروا مرے غم کی امیر   دے زکوٰۃِ جاہ و دیکھ سوئے فقیر
یہ فقیرِ بے ادب سفلہ بڑا   تیرا لطفِ عام تو برتر رہا
تیرا لطف عام ظاہر صاف تر   ہے غلاظت پر بھی سورج کا اثر

نور کو اس کے زیاں سے فائدہ　　خشکی سے جو تھا حدث اُپلا بنا
جب حدث بھٹّی میں داخل ہوگیا　　نور سے حمّام کو چمکا دیا
جو غلاظت تھی وہ زینت بن گئی　　پھونک جب سورج نے اس پر مار دی
شمس نے مٹی کو جب گرما دیا　　جو حدث ٹھہرا زمیں نے کھا لیا
بن گیا مٹّی اُگے اس سے نبات　　مٹتا ہے اس طرح حق سیّات
خاک ہوکر ہوتا ہے وہ پُر ز نور　　یوں عطا کرتا بخشش وہ غفور
جزو ہوکر باصلاحیت بنا　　رحم یوں بندوں پہ کرتا ہے خدا
بدترین قصّہ کو وہ کیا کیا کرے　　اس کو نسریں نرگس شہلا کرے
طاعتوں کے پھول اور اندر وفا　　بخشش اللہ کی جزائیں اور عطا
دیں خبیثوں کو جب ایسی خلعتیں　　طیبیں پائیں گے کیسی بخششیں
دے گا حق آنکھوں نے جو دیکھا نہیں　　جو لغت یا لب پہ آسکتا نہیں
کون ہیں ہم میرے ہمدم تو بتا　　دن کو حسنِ خُلق کی دینا جلا
دیکھ میرا بدنما یہ بھدّا پن　　مارِ کُہ میں، زہرِ جزوِ بدن
میں برا اور خلق بھی میرا برا　　کیوں بنوں گُل خار اُس نے کردیا
حسنِ گل دے اے بہار اس خار کو　　مور کی زینت عطا کر مار کو
میں برا اور منتہی میری بدی　　فضل وفن میں تجھ کو حاصل برتری
منتہی سے ہے یہ حاجتِ منتہی　　کر تو پوری غیرتِ سروِ سہی
فضل رؤئے موت آئے جب مری　　وہ اگرچہ ہوگا حاجت سے بری
وہ سرہانے قبر کے بیٹھے رہے　　آنکھ سے خود اشک کا دھارا چلے
میری محرومی پہ وہ نوحہ کرے　　مظلومی بند آنکھ سے دیکھا کرے
لطف تھوڑا سا اب ان الطاف سے　　کان میں حلقہ مرے چپ ڈال دے
وہ جو کہنا چاہے میری خاک سے　　حسِ غمگیں پر ابھی توڑ ڈال دے
بے کسی میں دست گیری کر مری　　شاد غمخواری میں تو کردے ابھی

چوہے کا مینڈک کی خوشامد کرنا کہ بہانہ نہ سوچ اور میری ضرورت کے پورا کرنے کو ادھار میں نہ ڈال کیونکہ تاخیر میں مصیبتیں ہیں اور صوفی ابن الوقت ہے اور بیٹا باپ کے دامن سے ہاتھ نہیں ہٹاتا ہے اور صوفی کا مہربان باپ جو کہ وقت ہے اس کی نگہداشت کرتا ہے آئندہ کے لیے اس کو محتاج نہیں بناتا ہے اور اس کو اپنے حسنات کی چراہ گاہ کے چمن میں اس قدر مصروف رکھتا ہے کہ وہ عوام کی طرح آنے والے زمانے کا منتظر نہیں ہوتا ہے وہ نہ دہری ہوتا ہے، نہ قدری، نہ منع کرنے والا ہوتا ہے اور نہ زمانہ سے ساز باز کرنے والا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں نہ صبح ہے نہ شام گزرا ہوا زمانہ اور آنے والا زمانہ اور ازل اور ابد وہاں نہیں ہے۔ آدم علیہ السلام اول اور دجال بعد میں نہیں ہوتا ہے کیونکہ یہ باتیں جزوی عقل کے دائرے میں ہیں اور عالم لامکاں ولازماں میں حیوانی روح کے لیے یہ رسمیں نہیں ہیں، تو وہ ابن الوقت ہے کہ اس کو زمانوں کے تفرقہ کے سوا کچھ سمجھ میں نہیں آتا جس طرح اللہ تعالیٰ ایک ہے سمجھ میں آتا ہے اور دوئی کی نفی نہ کر واحدی حقیقت ہے

سیم پاش اک تن نے صوفی سے کہا — جان مری ہے فرش تیرے پاؤں کا
آج کے دن ایک درہم چاہئے — یا کہ دوں میں تین درہم کل تجھے
آج کے دن اک درم اچھا رہا — کیونکہ یہ اک کل کو سو ہوجائے گا
قرض عطا سے نقد تھپڑ ہی بھلا — میں نے گدی پیش کی تو نقد لا
خاص کر تھپڑ وہ تیرے ہاتھ کا — گدی، تھپڑ کو ہے تیرا ہی نشہ
ہاں تو آ، اے شادیِ جان و جہاں — ہے غنیمت نقد یہ جان اس زماں
چاند، چہرہ شب رووں سے مت چھپا — بہتے پانی، نہر سے بچ کر نہ جا
پانی سے تا کہ کنارِ جُو ہنسے — یاسمیں تا کہ کناروں پر اُگے

سبزہ دیکھے گا کنارِ جوہاں دور سے ہی جان پانی ہے وہاں
ان کے رخ پر ہے نشاں رب نے کہا سبزہ وہ غماز باراں کا ہوا
شب کو گر برسے نہ دیکھے گا کوئی ہوتے تب نیند کے ماتے سبھی
''تازگیِ ہر گلستانِ جمیل'' ہوتی ہے بارانِ مخفی کی دلیل

چوہے اور مینڈک کی حکایت کی جانب رجوع

بھائی میں خاکی ہوں اور آبی ہے تو شاہِ رحمت ہوتے وہاںی ہے تو
تو عطا اور حصہ میں کچھ ایسا کر وقت بہ وقت آسکوں تجھ تک ادھر
میں لب جوٗ دل سے دوں تجھ کو صدا میں اجابت کی نہیں دیکھوں گا راہ
پانی میں آنا نہیں ممکن مجھے کیونکہ ہے ترکیب میری خاک سے
کوئی قاصد یا کہ حامی چاہئے بانگ کی میری خبر تاکہ کرے
دونوں یاروں نے بہم بحث اس پہ کی انتہا اس بحث کی ایسی ہوئی
کرلیں حاصل لمبا اک ڈورا کوئی کھینچے جب ڈورا خبر ہوجائے گی
پاؤں پر اس بندے کے ہو اک سرا اور تیرے پاؤں ہو دوسرا
تاکہ اس فن سے بہم ہوویں دو تن مل کے جاں ہوجائیں جیسے در بدن
جسم جیتے ڈور ہے بر پائے جاں آسماں سے لائے سؤئے خاکداں
خواب کے پانی سے مینڈک جان کا چھوٹے تن سے ہنستے ہنستے آئے گا
تن کا چوہا ڈورے سے پھر کھینچے گا جا ہوگی تلخیوں میں مبتلا
گندہ چوہے کی کشش سے وہ خراب ورنہ مینڈک عیش کرتا اندر آب
باقی جب تو روز جاگے خواب سے نور جو سورج کو دے اُس سے سُنے
اک سرا ہو پیر سے میرے بندھا اور تیرے پیر پر ہو دوسرا
لاسکوں تا میں زمیں پر کھینچ کر تا سرِ رشتہ تجھے آئے نظر
بات یہ مینڈک کو بس کڑوی لگی پھانسنے ہے یہ گرہ میں ڈور کی

ہر کراہت دل میں مردِ نیک کی — ہوگی کب خالی مصیبت سے کبھی
ہے فراست وصف حق کی 'شک' کجا — نور دل کو ہے لکھا وہ لوح کا
پیلیاں کہتا تھا آجا بڑھ کے آ — ہاتھی سوئے کعبہ آتے رک گیا
بڑھ نہ پائے سوئے کعبہ پائے فیل — لاتیں کھائیں گو زیادہ یا قلیل
تؤ کہے چلنے کی قوت کھو گئی — جانِ خوف افزا ہی ختم اس کی ہوئی
ہاتھی پھیرا اپنا منہ سوئے یمن — ہوگیا جلدی سے رہ پر گامزن
ہاتھی کی حِس غیب سے آگاہ تھی — واردات اس کی تھیں جوں حسِ ولی
کیا نہیں یعقوبؑ بولے اس زماں — مانگا یوسفؑ کو بڑوں نے جس زماں
حضرت یعقوبؑ کیا خوشخو نہ تھے — بھائیوں کے ساتھ یوسفؑ کے لئے
بھائیوں نے مانگی رخصت باپ سے — ساتھ صحرا میں وہ تا چل پھر سکے
بولے اندیشہ نہ ہو نقصان کا — ہاں اک دو دن کی مہلت دو ذرا
کیوں نہ سمجھا اپنا حافظ تو ہمیں — کیا محافظ تیرے یوسف کے نہیں؟
کھیلیں باہم سبزہ زاروں میں سبھی — ہم ہیں محسن اور امانت دار بھی
یہ بجا لے جاؤگے مجھ سے اُسے — رنج، دکھ ہوگا فزوں اس سے مجھے
جھوٹ میرا دل نہیں کہتا کبھی — عرش سے حاصل ہے اس کو روشنی
وہ دلیلِ قاطع اس فتنہ کی تھی — تھی قضا جو اہمیت اس کو نہ دی
ہوگئی ایسی علامت درگزر — کہ قضا مشغولِ حکمت تھی ادھر
کیا عجب گرچہ میں نابینا گرے — یہ عجب گر کوئی بینا جا گرے
ہیں تصرف گوناگوں تقدیر کے — چشم بندی میں جو حق چاہے کرے
جانتا ہے اور نہیں بھی دل ہنر — موم ہوگا مہرِ آہن دیکھ کر
دل کہے میلِ قضا کو دیکھ کر — ٹھن گئی تو جو بھی کرتا ہے تؤ کر
پس نظر انداز اسے از خود کرے — اور مقید اس کے ڈورے میں کرے
مات کھا جائے جو اس میں بوالعلا — وہ نہ ہوگی مات ہوگی ابتلا

سو میں گر وہ اک بلا سے بچ سکے — ایک گرنا اس کو اوپر لے چلے
خام عاشق نے جو بادہ چکھ لیا — وہ خمارِ خام سے ہوگا رہا
عاقبت و کامل اک استاد تھا — بندِ دنیا سے رہائی پالیا
وہ شرابِ دائمی کا مست تھا — لوگوں میں ممتاز ہوکر بچ گیا
سست عقیدہ اور تقلید ان کا کام — چشمِ نابینا کی دُھن ان کو تمام
ہوگی کیا تدبیر ان کی اے عجب — جزر و مدِ بے نشاں دریائے رب
اس بیاباں سے نمودِ قصر و بام — ملک، شاہی، دفترِ وزرا تمام
اُس بیابانِ عدم سے مستِ شوق — ہوتے ہیں دنیا میں ظاہر جوق جوق
کارواں بر کارواں اس دشت سے — از سحر تا شام ادھر آتے رہے
آیا گروی رکھ لیا گھر، بولا کہ ہاں — اپنے دن ہیں، چل تو ہم ہوں گے یہاں
آنکھ کھولا عقل کی جوں ہی پسر — باپ بھیجا اپنا ساماں چرخ پر
اب ادھر سے ہے ادھر تک شاہراہ — آنے جانے والوں کو رستہ کھُلا
بیٹھے بیٹھے چل رہے ہیں ہم تمام — بڑھ رہے ہیں جائے نو سمت گام
آج کی خاطر نہیں ہوگا یہ مال — بلکہ ہوگا بہرِ اغراضِ مآل
چلنے والے! سن مسافر ہے وہی — وہ جو دیکھے اپنے مستقبل کو ہی
غیب کا پردے سے دل کا ہے یہ حال — دم بدم ہوتے ہیں پیدا کئی خیال
یہ تصور گر نہیں اک کھیت کے — آگے پیچھے آرہے ہیں کس لئے
سوچ کے اپنی یہ لشکر پر زماں — پیاس سے ہیں چشمۂ دل کو رواں
اب گھڑے بھر بھر کے لے جانے لگے — پیدا پنہاں یوں ہی ہوتے جائیں گے
تارے ہیں افکار جیسے چرخ پر — محو گردش میں بر چرخِ دگر
نیک ہو تو شکر کر ایثار کر — نحس ہو تو صدقہ استغفار کر
کون ہم اس کے لئے شاہا مرے — طالع بہ اقبال کر، اک پھیر دے
روح کو انوار مہ سے نورد — جاں ہے ظلماتی ذنب کے سایہ سے

تو خیال و وہم و ظن سے کر رہا — چاہ اور جورِ رسن سے کر رہا
خود دلداری سے تا کہ ایک دل — پر نکالے، اڑ کے چھوڑے آب و ِگل
اے عزیزِ مصرِ جاں تھام اب مجھے — عذر زندانی کا اپنے مان لے
اے عزیزِ مصر سچ پیماں، ترے — قید میں مظلوم یوسف ہیں پڑے
دیکھ اُن کی چھٹی کو اک خواب تو — رکھتا ہے حق دوست احساس والوں کو
سات گائیں لاغر و نقصاں زدہ — سات فربہ بیلوں کو لقمہ کیا
سات سوکھے خوشے، بد، رد کردہ تھے — سات تازہ خوشوں کو وہ کھا لئے
شاہ اس کے مصر میں قحط آ گیا — ہاں نہ رکھ اے شاہ تو اس کو روا
شہ مرا یوسف ہے زنداں میں پھنسا — عورتوں کے فکر سے مجھ کو بچا
عرش مسکن تھا کبھی میرے لئے — ماں کی شہوت نے یہاں لایا مجھے
پس کھال و کاملیت سے گرا — مکرِ زن سے رحم میں قیدی بنا
جاں کو ٹوٹے گھر میں لایا عرش سے — مکر ہیں بے شک عظیم عورات کے
اول و آخر ہے تنزل وجہِ زن — جاں جو تھا میں ہوگیا ہوں اب بدن
لغزشِ یوسف پہ یہ زاری سنو — رحم یا یعقوبؑ بیدل پر کرو
شکوہ ہو عورات یا اخوان کا — میں ہوں جنت کا یہاں لایا ہوا
جیسے اک برگِ خزاں پژمردہ ہوں — وصل کی جنت کا گندم خوردہ ہوں
لطف اور اکرام جب دیکھا ترے — سب سلام و صلح سے پیغام سے
ہاں جلائے بدنظر کو دانے بھی — بدنظر اس کو بھی آخر لگ گئی
دفع کرنے بدنظر کو پیش و پس — ہیں خمار آلودہ تیری آنکھیں بس
چشمِ بد کو تیری چشم خوش شہا — دفع کر جڑ سے ہے اچھی دوا
بلکہ تیری آنکھ خود ہے کیمیا — نیک کرنا بد کو بھی اس کو سزا
چشمِ بازِ دل پہ ہے شہ کا اثر — ہوگئی ہے سخت باہمت نظر
ہے نظر کا حوصلے پر وہ اثر — بارِ شہ پکڑے نہ غیر از شبیرتر

شیر کیا وہ شاہ بازِ معنوی صید تیرا ہے شکار اس کا تو ہی
ہے چراگہِ دین میں اس کی صدا ڈوبنے والوں سے ہوں بے واسطہ
بازِ دل کو جو ترے پیچھے چلا تابِ بے حدِ نظر تیری عطا
ناگ سونگھے، کان بھی شنوا بنے حصہ ہر حِس کا اسے حاصل رہے
ہو جو ہر حِس کی رسائی تا بہ غیب ہوگا اس پر کیسے غلبۂ مرگ و شیب
ملک کا مالک جیسے جو دے دیا ہوگی شاہی اس کو ہر حِس پر عطا
جہد کر تا حِس تری بالا رہے بالا بالا تاکہ کام اس کا چلے

رات اور چوروں کا قصہ کہ سلطان محمود ان میں پہنچ گیا کہ میں بھی تم میں کا ایک ہوں اور ان کی حالت سے باخبر ہو گیا

گشت کو محمود شب تنہا چلا چوروں کی ٹولی سے جاکر مل گیا
پوچھے اس کو کون ہے تو بوالوفا میں بھی اک تم سا ہوں سلطاں نے کہا
مکر پیشہ ایک نے سب سے کہا ہر کوئی اپنا ہنر بتلائے گا
دوستوں سے قصہ گوئی میں کہے کیا ہنر فطرت میں حاصل ہے اُسے
بولا اک اہلِ فن کہتا ہوں لو باعث ہیں یہ میرے کان دو
بھونک سے جانوں کہا کتّے نے کیا بولے تو دو دانگ اک دینار کا
بولا دیگر طالبانِ مال و زر میری آنکھوں میں ہے سب میرا ہنر
کہ شبِ تاریک دیکھوں جسے روشنی میں دن کی پہچانوں اُسے
بولا اک بازو ہنر میرے لئے میں لگاؤں نقب اپنے ہاتھ سے
بولا اک ہتھیار میرا میری ناک کام میرا سونگھنا ہے بُوئے خاک
''لوگ کانیں ہیں'' کا سِرّ حاصل ہوا کہ نبیؐ نے کس لئے ایسا کہا
جانتا ہوں تن کی مٹی سے یہاں نقد کتنا اور ہے کیا اس کے یہاں
کان میں اک سونا بے اندازہ ہے اس دگر میں دخل کم خرچ زیادہ ہے

سونگھتا ہوں خاک کو میں قیس سا خاکِ لیلیٰ پاتا ہوں میں بے خطا
سونگھ لیتا ہوں میں دائم پیرہن کون، یوسفؑ اس میں ہے یا اہرمن
جوں یمن سے پاتے ہیں بو مصطفیٰؐ ناک کو میری وہ خوبی ہے عطا
کون مٹی سونے کی ہمسایہ ہے کون مٹی خالی و بے مایہ ہے
بولا اک، پنجہ میں مرے وہ دم ہے بند پھینکتا ہوں اونچے پربت پر کمند
قلعہ وہ ہوجائے کتنا بھی بلند کنگرے پر ڈال دیتا ہوں کمند
پھینکی احمدؐ نے کمندِ جاں جہاں لے گئی وہ ان کو سوئے آسماں
پھینکی احمدؐ نے کمند اس درجہ سخت لے گئی وہ ان کو سوئے بخت و تخت
بولا حق تو اے کمند اندازِ بیت وہ ہے مجھ سے مَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ
بعد ازاں پوچھے وہ سب اس شاہ سے بول کیا ہے خاصیت اندر ترے
ہے میری داڑھی کے اندر فن مرا ہوں گے اس کی جنبش سے رہا
ہوں گے جلادوں کے ہاتھوں مجرماں جب ہلے داڑھی مری پائیں اماں
جب ہلاؤں رحم سے داڑھی میری ٹل گیا قتل اور پریشانی گئی
پس کہا سب نے کہ قطب اپنا تو ہی محنتوں سے ہم کو چھٹکارا تو ہی
بعد ازاں سب مل کے باہم چل دیے قصہ قصرِ شاہِ میموں کا لئے
داہنی جانب سے دی سگ نے صدا شاہ ہے ہمراہ کتنے نے کہا
خاک اک ٹیلے سے سونگھا اور کہا بولا یہ گھر تھا کبھی اک بیوہ کا
پس کمند انداز نے پھینکی کمند پار اُترے چڑھ کے دیوارِ بلند
دوسری جا خاک سونگھی اور کہا مخزنِ شاہی ہے یکتا اس جگہ
شاہ کے مخزن پہ پہنچے نقب سے اور چلا ہر کوئی کچھ لیتے ہوئے
سونا، زربفت اور گراں قیمت گہر رکھ لیا ہر اک چھپا کر زود تر
ان کی منزل ٹھیک شاہ نے دیکھ لی نام، حلیہ، اور پناہ بھی راہ بھی
چھپ چھپائے ان سے خود واپس ہوا جو گزرا دن کو دیواں میں کہا

پس سپاہی چل پڑے فوراً ادھر   تا کہ ان چوروں کو لائیں باندھ کر
سؤئے دیواں دست بستہ آگئے   جاں کی ہیبت سے لرزتے کانپتے
جب کھڑے تھے تختِ شہ کے سامنے   رات کا ہمراہی وہ مانندِ ماہ
رات کو جس پر پڑی اس کی نظر   دن میں پہچانا بلاشک دیکھ کر
شہ کو دیکھا تخت پر اس نے کہا   شب کو ساتھی تھا یہ چکر کاٹتا
اس کی داڑھی کی فضیلت ہے بڑی   ہے گرفتاری کا باعث جانچ بنی
شاہ کو پہچان لی اس کی نظر   پس زباں کھولی ہے اس نے بے خطر
بولا جو ساتھی تھا اپنا شاہ تھا   کام دیکھا راز کو بھی پا لیا
راہ پاکر جان لی شہ کو نظر   چاند سے کی عشق بازی رات بھر
مانگ لوں گا اس سے امّت کو مری   منہ نہ موڑے گا وہ عارف سے کبھی
چشمِ عارب وجہِ امنِ دوجہاں   وہ ہے ہر بہرام کی حامی یہاں
ہیں محمدؐ شافعِ داعی کے لئے   کہ نہ پھیری آنکھ انھوں نے اللہ سے
رات کو جب ہوتا سورج ہو نہاں   تا ظہر حق ہوگا، امیدیں بجاں
سرمہ آنکھوں کو الم نشرح ہوا   دیکھے جو جبریلؑ نے دیکھا نہ تھا
سرمہ دے حق جس کو بھی ویسے یتیم   ہوجاتے ہیں بارشد دُرِّ یتیم
نور وہ ذرات پر غالب رہے   ایسے ہی مطلوب کا طالب رہے
مرتبے بندوں کے وہ جانے بجا   نام حق نے اس کا شاہد کردیا
ساماں شاہد کا زباں چشم تیر   رازِ شب بیدار دل سے کیوں گریز
مدعی سر اپنا گو پٹکے ہزار   ہے گوا کی سننا قاضی کا شعار
قاضیوں کا فیصلوں میں فن یہی   دیکھنے ان کو گواہ کی آنکھ ہی
ہر مقامِ دیدہ ہوتا ہے گوا   بے غرض ہوکر ہے دانا راز کا
مدعی نے دیکھا، لیکن باغرض   ہے دل و دیدہ کو اک پردہ غرض
حق یہی چاہے کہ تو زاہد بنے   تا غرض کو چھوڑکر شاہد بنے

حق بھی کہتا ہے غرض کو ترک کر
تا ہوں راضی ہم بھی تیری بات پر

آنکھ کا پردہ ہیں یہ اغراض ہی
پردہ پیچیدہ نظر پر ہے وہی

دیکھ لی سب نیک و بد بھائے کسے
اندھا بہرا پیار اشیا سے کرے

دل میں نور افشانی سورج نے جو کی
اس کے آگے تاروں کی وقعت نہ تھی

اس نے دیکھے بے حجاب اسرار کو
میرِ روحِ مومن و کفار کو

کوئی شے افلاک میں یا در زمیں
روحِ انسانی سے پنہاں تر نہیں

کھولیں آنکھیں اس نے از فضلِ الٰہ
اور سُنن میں بامِ رفعت پر چلا

رطب و یابس حق نے سب پھیلا دیا
روح کو امرِ رب بتا کر چپ ہوا

روح کو پھر دیکھا معزز آنکھ نے
کوئی پنہاں نہیں اس کے لئے

ہوگا ہر جھگڑے میں اک کامل گوا
باتوں سے دفع اس نے دردِ سر کیا

نام حق عدل اور مقرّب ہے گوا
عدل کا شاہد ہے دیکھا دوست کا

دل ہے منتظر حق کا اندر دوسرا
شاہ کی نظروں میں ہوتا ہے گوا

عشقِ حق اور راز شاہد بازی کا
اس کی پردہ سازی کا باعث ہوا

پس کہا لولاک حق نے در لقا
راز یہ معراج کے اندر کھلا

نیک و بد پر حکمراں ہے جب قضا
کیا قضا پر ہوگا حاکم وہ گوا

پس تھا پابندِ قضا میر قضا
مرحبا اے چشمِ تیرِ مرتضیٰؑ

حق سے بندے کی رہی یہ التجا
اے نگہباں سکھ میں دکھ میں تو مرا

ہے مشیر اپنا تو ہی در خیر و شر
ہم اشارت ہائے دل سے بے خبر

ہم کو وہ دیکھے نہ دیکھے ہم اسے
ہے نظر بندی سبب اپنے لئے

آنکھ آنکھوں میں پسندیدہ مری
دیکھا ہے سورج کو اس نے شب میں بھی

لطف ہے مشہور اے کامل ترا
پس کمال اتمام ہے احسان کا

حشر میں کامل ہمارا نور کر
اور رسوا کن غضب سے دے مفر

یارِ شب کو روزِ مہجوری نہ دے
جانِ قربت دیدہ دوری کیوں سہے

تجھ سے دوری دکھ میں مرنے کی مثال   خاص کر دوری جو ہو بعدِ وصال
اپنے دیکھے کو تو ان دیکھا نہ کر   ہاں چھڑک پانی کچھ اس کے سبزہ پر
میں نے برتاؤ میں کچھ غفلت نہ کی   تو مرے دکھ میں نہ کر غفلت کبھی
اپنے چہرے سے نہ کر اس کو بعید   وہ جسے حاصل ہوئی اک بار دید
ہے گلے کا طوق دیدِ ماسوا   چیز باطل ہر کوئی غیرِ خدا
خود غلط، خوبی دکھاتے ہیں مجھے   ہے کشش باطل میں باطل کے لئے
اور ہر اک ذرّۂ ارض و سما   جنس کو اپنی ہے جیسے کہربا
معدہ کھینچے نان کو تا مستقر   کھینچے پانی کو حرارت در جگر
آنکھ کھینچے کوچوں سے معشوقوں کو   اور چاہے گلستاں سے مغز بو
رنگ کی جوئندہ ہے حسِ نظر   ناک بھیجے پر ہے خوشبو کارگر
اے خدا تو ہر کشش کا راز داں   ہم کو جذب لطفِ خود سے دے اماں
جاذبوں پر حاوی تو اے مشتری   مول لے بے چاروں سے ہم کو تو ہی
دیکھا شہ کو جیسے پیاسا ابر کو   قدر کی شب جیسے کوئی بدر کو
جاں زباں مربوط اس کی شہ سے تھی   شاہ نے دی جرأتِ گفتار بھی
ویسے ہم جاں جیسے مٹی میں پھنسی   حشر میں ہے آفتابِ جاں تو ہی
آ گیا وقت اے شہِ پوشید سیر   لطف سے داڑھی ہلائے بہرِ خیر
خاصیت ہر اک نے اپنی عرض کی   اور ہنر سے جملہ بدبختی بڑھی
اپنی گردن ان فنوں نے باندھ دی   ان مناصب سب اوندھ پست بھی
فن گلے میں مونج کی رسّی بنا   روزِ مردن نے مدد نے فائدہ
رہ گیا وہ ایک مردِ خود حواس   آنکھ جس کی شب میں تھی سلطاں شناس
وہ ہنر رہ میں چھلاوے تھے سبھی   آنکھ ہی تھی شہ سے آگہ تھی
باریابی پر بھی شہ شرما گیا   آنکھ والے کی نظر میں خود رہا
وہ جو کتا شاہ سے آگاہ تھا   کہف کا کتّا ہے نام اس کو روا

کان کا فن بہت اچھا رہا سن کے سگ سے شیر سے آگہ ہوا
شب کا پہرہ دار ہے کتّا جہاں بے خبر شب خیزوں سے ہوگا کہاں؟
ہے غلط بدناموں سے ہونا نفور اس کے باطن کو سمجھتا ہے ضرور
ہوگیا اک بار خود بنام جو نام کیوں ڈھونڈے کھلا کیوں خام ہو
کرنے والے نے سونے کالا کئے تا ہو محفوظ اور تباہی سے بچے
ہر کوئی کیوں جانے راز اپنا ہے کیا کھول دونوں آنکھ آگے اپنے آ

اس سمندری بیل کا قصہ جو ایک قیمتی گوہر دریا کی گہرائی سے نکال کر رات کو دریا کے کنارے پر رکھتا ہے اور اس کی روشنی اور چمک میں چرتا ہے اور تاجر گھات سے باہر آتا ہے جب بیل گوہر سے دور چلا جاتا ہے تاجر تلچھٹ اور کالی مٹی سے چھپا دیتا ہے اور درخت پر بھاگ جاتا ہے

بحر سے بیل آبی گوہر لائے گا مرج میں رکھ کر وہ چرنے جائے گا
روشنی میں اس گہر کی گاوِ آب سنبل و سوسن کو چرتا ہے شتاب
فُضلہ آبی بیل کا عنبر رہا کہ ہے نرگس نیلوفر اس کی غذا
جس کسی کا رزق ہو نورِ جلال اس سے ظاہر کیوں نہ ہو سحرِ حلال
جو بھی زنبور وہی جس کی ہے غذا شہد سے پُر اس کا گھر ہوجائے گا
چرتے چرتے نورِ گوہر میں بقر ہوگا ناگہ اس گہر سے دور تر
تاجر اس پر ڈالے گا کیچڑ سیاہ تاکہ ہو تاریک اس سے سبزہ گاہ
بھاگ کر چھپ جائے گا وہ جھاڑ پر ڈھونڈے گا وہ بیل اس کو سخت تر
دوڑتا ہے بیل گردِ سبزہ گاہ سینگ سے دشمن کا کرنے خاتمہ
ہوگیا نومید جب وہ گاوِ نر آئے گا اُس جا جہاں رکھا گہر
دیکھے جب مٹی درِ شہوار پر بھاگے جوں ابلیس اس سے دورتر

باطن طیں سے ہے وہ ناری کو روکر بیل کیوں جانے ہے مٹی میں گہر
اِهبِطُوا نے پھینکا پستی میں اسے ہوگیا محروم طاعت اثم سے
نیند اور اس قول سے اے دوستو حیض مردوں کا ہوا اس سے بچو
"اُتر تم" سے جاں گئی اندر بدن چھپ گیا مٹی میں وہ دُرِّ عدن
جانے تاجر، بیل جانے گا کہیں اہل جانے وہ گِل کھودو نہیں
ہر وہ مٹی جس کے اندر ہے گہر جانے گوہر والی مٹی ہے کدھر
گِل جو نورِ حق سے بے بہرہ رہے ساتھ پُر دُر گِل کا کیسے سہہ سکے
اس سخن کی حد نہیں، چوہا مرا اپنی گڑبڑ میں کنارِ جو رہا

اس چوہے کا اس مینڈک کو نہر کے کنارے سے طلب کرنے کے قصہ کی طرف واپسی اور اس کا ڈورے کے سرے کو کھینچنا تاکہ مینڈک پانی میں اس کے بلانے سے خبردار ہو جائے

رشتہ کھینچا وہ محبت میں گندھا وصل کو شہ پا کے مینڈک آئے گا
ناز اسے دل کے تعلق پر سدا خوش کہ ڈور کا سرا ہاتھ آگیا
جان و دل اک تار جیسے ہوگئے تب سرِ رشتہ نظر آیا مجھے
ناگہاں منحوس کوّا آگیا اور چوہے کو اٹھاکر لے چلا
کوّے سے چوہا بھی آگیا کھینچ کے مینڈک پانی سے باہر چلا
چونچ میں کوّے کی چوہا تھا دبا اور مینڈک دھاگے سے لٹکا ہوا
لوگ کہتے تھے کہ کوّا مکر سے دیکھو کیسے صید مینڈک کو کیا
پھاند کر پانی میں کیوں اس کو لیا یوں کبھی کوّے کو مینڈک بھی ملا؟
اور کہا مینڈک نے ہے اُس کی سزا بے حیا جو خس کا ساتھی بن گیا
اے مدد، اس صحبت ناجنس سے ہو بڑے نیکو کی صحبت کیجئے
عقل بولے جنس آب و گِل نہیں جنس ہے از راہ معنی بالیقیں

ترک کر صورت پرستی بے خبر!
کھوج جنسیت کی صورت میں نہ کر

کیا ہے صورت مردہ در شکلِ حجر
جنسیت کی پتھروں کو کیا خبر

جان چیونٹی تن ہے دانہ گیہوں کا
کھینچتی پھرتی ہے اس کو جا بجا

چیونٹی جانے دانہ اس کے ہاتھ کا
جنس خود تبدیلی سے ہوجائے گا

ایک چیونٹی جَو کا دانہ راہ میں لی
دوسری گیہوں لئے دوڑی چلی

جو سوئے گندم نہیں جاتا مگر
چیونٹی چیونٹی سے ملے گی دوڑ کر

سوئے گندم جو چلے بالواسطہ
چیونٹی کو لوٹاتے جذبہ جنس کا

اب نہ کہہ گیہوں چلا کیوں سوئے جَو
رکھ مقابل پر نظر نے بر گرو

چیونٹی کالی، بوجھ بھی اس پر سیاہ
چیونٹی پنہاں دانہ پیدا ہر جگہ

عقل بولے آنکھ کو تو غور کر
دانہ بے حمال جائے گا کدھر

اس لئے آیا سوئے اصحاب کلب
صورتیں دانے تھیں اور چیونٹی تھا قلب

سوئے پاکانِ فلک عیسیٰؑ چلے
تھے الگ پنجرے پرند اک جنس تھے

یہ قفس پیدا ہے اور چوزہ نہاں
کب بنا کھینچے قفس ہوگا رواں؟

آنکھ ٹھنڈی عقل حاکم ہو اگر
عاقبت بیں ہوگا ویسا دیدہ ور

نیک و بد کا فرق ہوگا عقل سے
آنکھ کالا اُجلا ہی بتلا سکے

کوڑے کے سبزے پہ آنکھیں فریفتہ
عقل بولے لامحک لے آزما

خود غرض آنکھیں تباہی مرغ کی
اور عقلِ دام بیں سے مخلصی

جو نہ پائی عقل ہے دام اور بھی
غیب ہیں وحی اس طرف دوڑی تبھی

جنس تا جنس عقل پہچانے مگر
صورتوں پر ہاں نہ جانا دوڑ کر

جنسیت کب مشکل پر منحصر
جنس افرشتہ مسیحؑ شکلِ بشر

لے گیا کھینچے فصیلِ چرخ پار
غوک کو وہ مرغِ گردوں زاغ وار

عبدالغوث کا قصہ اور اس کو پریوں کا لے جانا اور سالوں پریوں میں رہنا اور اس کے بعد اپنے شہر میں آ جانا اور اولاد کو دیکھنا اور پریوں سے صبر نہ کرنا ان کے ساتھ ہم جنس اور ہمدل ہونے کی وجہ سے

پریوں کا ہم جنس عبدالغوث تھا — جوں نو سال وہ اڑتا پھرا
دوسرے شوہر سے بچے بھی ہوئے — نوحۂ مرگِ پدر کرتے رہے
راہزن مارا اسے یا بھیڑیا — یا گرا چہ میں کہ پوشیدہ جگہ
لڑکے اپنے کام میں مشغول تھے — چونکہ باوا سے وہ بیگانہ رہے
نو برس بعد آیا وہ بھی عارضی — ہوکے ظاہر ہوگیا پوشیدہ بھی
دیکھا سب فرزند و زن ناگہاں — چھپ گیا وہ کون جانے پھر کہاں
ایک مہ تک میہماں اولاد کا — بعد کس نے دیکھا رنگ اس کا تھا کیا
لے گئی پریوں کی ہم جنسی نہاں — چوٹ جوں بھالے کی لے جاتی ہے جاں
جنس جنت چونکہ ہیں سب جنتی — حق پرستی جنسیت سے ان میں بھی
جوں نبیؐ بولے سخاوت اچھائی — شاخ جنت کی جہاں میں آ گئی
الفتوں کو جنس الفت جان لے — ظلمتوں کو جنس ظلم بھی مان لے
لاتا ہے بے پروا کو بے پروا ہی — عقل میں ہم جنس میں یہ دونوں بھی
جنسیت ادریس کی تھی از نجوم — آٹھ برسوں تھے زحل کے ہم قدوم
مشرق و مغرب میں اس کے یار تھے — ہم سخن اور محرمِ اسرار تھے
پھر جو غائب ہوکے واپس آ گئے — وہ ستاروں کا سبق دینے لگے
ان کے آگے تارے صف باندھے ہوئے — اور ستارے درس میں حاضر رہے
وہ صدا ان کی تھی بہرِ خاص و عام — بے تردد سنتی تھی خلقت تمام
جذب جنسیت سے آئے تا زمیں — تا ستارے کہہ سنائیں سب مبیں
نام اور احوال اپنے آپ ہی — کھل کے بتلائے رصد جیسے سبھی

کیا ہے جنسیت ہیں اک طرز نظر — جس سے رہ پانا بہ رازِ ہم دگر

وہ نظر جو حق نے دی اس میں چھپا — تجھ کو دے جنس اس کی تو ہوجائے گا

کھینچتی ہے جسم کو کیا؟ وہ نظر — کھینچتا ہے بے خبر کو باخبر

خوئے زن گر مرد کو اللہ دے — ہیجڑا، مفعول وہ بن کر رہے

مرد کی خوٗ حق جو عورت میں رکھے — زن وہ ستر باز زن جویا بنے

گر رکھے تجھ میں صفاتِ جبرئیلؑ — چوزہ جوں ڈھونڈے فضا میں تو سبیل

دیکھتی ہوگی نظر اندر ہوا — بے غرض دنیا سے عاشق بر سما

گر گدھے کی خوٗ ترے اندر رکھے — ساتھ سو پر کے طویلے میں اڑے

اپنی صورت سے نہیں ہے چوہا خوار — ہے خباثت سے شکارِ موش خوار

لقمہ جوٗ خائن ہے وہ ظلمت پرست — وہ پنیر اور پستہ میں شیرے میں مست

ہو جو اجلے باز میں چوہے کی خوٗ — وحشیوں کو عار ننگِ موش وہ

ہاروت و ماروت کی خوٗ اے پسر — بدلی اوران کو ملی خوئے بشر

گر پڑے وہ از مقامِ صافّون — اور چہ بابل میں لٹکے سرنگوں

لوح محفوظ ان کی ان سے دور تھی — ہوگئے وہ ساحر اور مسحور بھی

پر وہی سر بھی وہی صورت وہی — موسیٰؑ عرشی ذات اس فرعون کی

ڈھونڈ تو خوش خصلتوں میں بیٹھ جا — جیسے روغن بوئے گُل خود میں بسا

مردِ حق سے گور کو حاصل شرف — اس پہ دل، منہ رکھ کے سہلانا بکف

پاک تن کی خاک کو ہمسائیگی — کی مشرف، اور خوش بختی بھی دی

پس ''پڑوسی بعد گھر'' خود بول تو — گر ہے دل دلدار کی کر جستجو

خاک بھی سیرت میں جاں جیسی بنے — سرمۂ چشمِ عزیزاں بھی بنے

قبر کی مٹی میں مٹی ہیں بجا — در بشارت و نفع زندوں سے سوا

سایہ تھے وہ خاک انی سایہ دار — سایہ میں اس کے ہیں زندے سو ہزار

اس شخص کی داستان جس کا محتسب کی جانب سے تبریز میں وظیفہ مقرر تھا اور اس کے وظیفہ اور وعدے کی امید پر اس نے قرض کر لیے تھے اور اس کو محتسب کے مر جانے کی خبر نہ تھی نتیجہ یہ کہ کسی زندہ سے اس کا قرض ادا نہ ہوا مگر وفات پائے ہوئے محتسب کی جانب سے ادا ہوا چنانچہ کہا ہے بیت ؎

جو مرا وہ مردہ نہیں مردہ جو زندوں میں رہ کر مردہ ہے
آیا اک درویش ز اطرافِ دیار جانبِ تبریز وہ تھا قرضدار
دھکۂ زر نو ہزار قرض اس کا پہ مردِ تبریزی وہ بدرالدیں عمر
محتسب تھا وہ جو دریا دل بڑا اس کا ہر اک موئے تن حاتم کدہ
اس کے آگے ہوتا حاتم بھی گدا سر جھکا کر ہوتا اس کی خاک پا
اس نے پیاسے کو جو دریا بھی دیا کرتی شرمندہ اسے اپنی عطا
وہ اگر ذرّہ کو بھی مشرق کرے اس کی ہمت میں وہ نالائق رہے
آیا پردیسی اسی کو ڈھونڈتے خویش اور اپنے تھے پردیسی اسے
اس کے دروازے پہ وہ آتا رہا قرض بے حد دین کرتا ادا
اس کے بل پر قرض بھی اس نے لیا اس کی بخشش پر بھروسہ اس کو تھا
قرض جو وہ لا اُبالی ہوگیا دیکھ کر بحرِ کرم کی وہ عطا
قرض خواہاں دکھی اور وہ شادکام جوں شگفتہ پھول از روض الکرام
گرم عرب کی گرمی سے اس کی کمر بولہب کی مونچھ سے کیوں ہوگا ڈر
عہد و پیماں جو بھی بادل سے رکھے پانی وہ سقوں کو دیتے کیوں ڈرے
جادو گر دستِ خدا سے با خبر کب وہ سمجھے دست و پا کو معتبر
شیر اگر ہو رو بہ پشت و پنہ پھوڑے مٹھی سے چیتے کا کلہ

حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قلعہ پر قبضہ کرنے کے لیے تنہا آنا اور اس قلعہ کے بادشاہ کا وزیر سے مشورہ کرنا اور وزیر کا بادشاہ کو روکنا کہ خبردار سپرد کر دے اور نادانی سے جسارت نہ دکھا کیوں کہ اس شخص کو خدا کی تائید حاصل ہے اور اپنی جان میں بڑا مجمع رکھتا ہے

چوں کہ جعفرؓ قلعہ کی جانب چلے — قلعہ کو اک گھونٹ تا پیاسا کرے
حملہ کرکے قلعہ آئے دوڑ کر — بند انھوں نے کردیا قلعہ کا در
کس کو ہمت کر سکے تا ان سے جنگ — کیوں لڑائے پنجہ کوئی با نہنگ
بادشاہ نے رخ کیا سوئے وزیر — ہوگا کیا اس وقت علاج اس کا مشیر
بولا تو چھوڑ اب تکبر اور فن — اس کے آگے جا بہ شمشیر و کفن
پوچھا کیا تنہا نہیں ہے وہ بشر؟ — بولا خفت کی نہ ہو اس پر نظر
کھول آنکھیں دیکھ تو خود قلعہ کو — جیسے پارہ لرزے اس کے رو برو
زین پر ثابت قدم بیٹھا ہوا — گویا ساتھی ہے وہ شرق و غرب کا
چند کس قربانی کو دوڑے چلے — فرش اس کے سامنے خود ہوگئے
مار پھینکا اس نے اپنے گرز سے — دیکھ ہیں گھوڑے کے قدموں میں پڑے
کیسی جمعیت خدا نے دی اُسے — تا وہ تنہا قوم پر حملہ کرے
چہرہ دیکھا میں نے جب اس شاہ کا — بس خیالِ کثرت اعدا گیا
تارے ہیں بسیار سورج ایک ہی — اس کے آگے ٹکڑے وہ سبھی
گو کریں چوہے ہزاروں اونچا سر — ڈر ہے بلّی کو نہ ہی کوئی حذر
بڑھ کے آتے ہیں یہ چوہے اے فلاں — ان کی جاں میں ہے وہ جمعیت کہاں
کثرتِ اشکال آخر کس لیے — جمعِ معنی کر طلب اللہ سے
جمعیت کیوں ہوگی بسیاریِ جسم — جسم ہے قائم ہوا پر جیسے اسم
جمعیت چوہے کے دل میں تھی اگر — چند چوہے جمع ہوجاتے ادھر

جوں فدائی حملہ کردیتے سبھی　　بلی کو مہلت نہ دیتے لمحہ بھی
اک اکھیڑے آنکھ اس کی مار کر　　کان کچلی سے وہ دیگر پھاڑ دے
اس کا پہلو چھید دیتا وہ دگر　　چھپنا پڑتا اس کو باہر بھاگ کر
جاں میں پر چوہوں جمعیت کہاں　　بانگ سے بلی کی بےہوش ان کی جاں
خشک اک بلّی سے وہ چوہے سبھی　　گرچہ ہوں تعداد میں وہ لاکھ بھی
گلے سے کیوں ڈر بھلا قصاب کو　　ہوش کی کثرت نہ رہ کے خواب کو
دے گا جمعیت خدائے بحر و بر　　تاکہ جھپٹے شیر گلۂ گور پر
ان کو دو دم میں کرے زیر و زبر　　کون کہہ سکتا ہے رہ سے چل اِدھر
لاکھ دس سینگوں کے وہ گوراں دلیر　　ہیں عدم جب سامنے آجائے شیر
جب خدا یوسف کو ملکِ حسن دے　　ابر کا پانی بنے ان کے لیے
ہوگی تاروں کی چمک چہرہ تمام　　شاہ بھی ہوجائے لونڈی کا غلام
دوسرے چہرے کو دے گا نورِ خود　　نیم شب تا دیکھ لے ہر نیک و بد
یوسفؑ و موسیٰؑ نے پایا حق سے نور　　چہرہ و رخسار و در ذات الصدور
روئے موسیٰؑ برق پیدا کرتا تھا　　رخ پہ پردہ ہوتا تھا لٹکا ہوا
نور ان کا یوں اچک لیتا نظر　　جوں زمرّد نور دیدۂ مارِ کر
تو برہ مانگا خدا سے آپ نے　　پردہ تا نورِ قوی کا بن سکے
بولا کملی سے بنالو تو برہ　　کہ لباس عارف کا ہے اس کو سزا
صبر کملی کو میسّر نور سے　　تانے بانے سارے اس کے نور کے
اس کے بستہ کو وہی خرقہ سزا　　اور میں یارا کہاں برداشت کا
قاف بھی دیوار بنے آئے گر　　نور جیسے طور اڑادے توڑ کر
قدرتِ حق، جسم اہل اللہ کے　　نور بیچوں کے جو حاصل ہوسکے
طور جس کے ذرّے کا حاصل نہ تھا　　دی اسے قدرت نے شیشہ میں جگہ
طاقچہ شیشہ کا اب تھا جائے نور　　پھٹ گئے جس نور سے وہ قاف وطور

طاق ان کا جسم دل ان کے زجاج عرش اور افلاک پر روشن چراغ
ان کا نور اس نور سے حیران تھا جیسے تارا چاشت سے فانی ہوا
اس لیے فرمائے ہی ختمِ رُسل از خدائے لا یزال و لم یزل
ناسمائیں آسماں تا نے خلا نے عقول و نے نفوسِ با عُلا
دل میں مومن کے ہوں جوں میہماں کیفیت اس کی ہے بیروں از بیاں
زیر و بالا دل جہاں ایسا رہے مجھ سے فیض شاہاں چلتا رہے
حسن میرا ایسے درپن بن کہاں کون سہتا ، نے زمیں ناہی زماں
دو جہاں میں زخم کا گھوڑا بھگائے اک وسیع آئینہ یوں ہستی میں لائے
ہیں پچاس اعراس ہردم شیشہ سے دیکھ خود آئینہ توضیح کس لیے
موسیٰؑ نے پردہ بنایا دلق سے چاہیے تھا وہ ہی پردے کے لیے
پردہ ہوتا گر لباسِ غیر سے ٹکڑے ہوتا کہ دو تو ہوتے ہوئے
پار ہوتا آہنی دیوار سے پردہ کیا ہے نورِ حق کے سامنے
تو برہ وہ عشق کا ساتھی رہا وقت شورش خرقۂ عارف بنا
کہہ رہا تھا پردۂ ستّارِ نور وہ تھا اک حصہ ز جامۂ با حضور
پس رہینِ سوختہ ہے آگ ہی کیوں کہ آتش سے تھی اس کی دوستی
پس صفورا عشق جن کو ان سے تھا دونوں آنکھیں اپنی کر ڈالیں تبہ
دیکھیں اک سے چشمِ دیگر لیں چھپا نورِ چشم و چہرہ جو تھا اُڑ گیا
نہ رہا صبر کھول دیں چشمِ دگر خرچ کردیں وہ نظر بھی چاند پر
اس طرح پہلے مجاہد روٹی دے جب ہو غلبۂ نورِ طاعت جاں بھی دے
پوچھی اک زن چشمِ نرگس کھوگئی تجھ کو افسوس اس کا ہوتا ہے کبھی
بولیں ہوتیں کاش آنکھیں سو ہزار تا کروں ان کو بھی میں یونہی نثار
چاند سے آنکھیں میری ویراں ہوئیں گنج در ویرانہ ہے اب سے ہمیں
یہ خزانہ موقع کب دے گا مجھے فکرِ قصر و خانہ کرنے کے لیے

حق نے سن کر آنکھیں لوٹا دیں مجھے — نور بخشا دیدِ موسیٰؑ کے لیے
نور ان کی دید سے باقی رہا — نہ ہوا زائل تھا گنجِ خاص کا
چلتے پھرتے چہرۂ یوسفؑ کا نور — جالیوں میں پڑتا اور اندر قصور
لوگ گھر بیٹھے ہی کہہ دیتے ادھر — ہو رہا ہے دیکھو یوسفؑ کا گزر
دیکھتے دیوار و در پر روشنی — جان لیتے صاف گھر والے سبھی
ہوتا جس گھر کا دریچہ اُس طرف — سیرِ یوسفؑ کا اسے حاصل شرف
ہاں دریچہ سوئے یوسف کھول دے — خوب کر تفریح اس کی درز سے
عشق بازی کو دریچہ چاہیے — سینہ ہو روشن جمالِ یار سے
دیکھتے رہ روئے جاناں تو سدا — یہ تجھے آساں ہے بیٹا ، سن ذرا
اپنے باطن میں بنالے راستہ — دوسرے کی سوچ کو دل سے مٹا
ہے اگر اکسیر علاجِ پوست کر — اپنے دشمن کو بھی فن سے دوست کر
خود حسیں بن، اس حسیں کو پائے گا — بے کسی سے روح ہوجائے رہا
پرورش کرتی ہے باغوں کی نمی — اس کے دم سے مردے کو بھی زندگی
ملک کم تر ہی نہ دے گا وہ سدا — لاکھ گونا گوں ہیں ملک اس کی عطا
حسن کا دیس ، اس پہ اس کو دادِ حق — ہے فنِ تعبیر بے درس و سبق
حسن اس کو سوئے زنداں لے چلے — علم اس کو تا بہ کیوں لے چلے
علم و فن سے شاہ بھی اس کا غلام — حسن سے ہے علم کا بہتر مقام

قرض لیے ہوئے شخص کی حکایت کی طرف رجوع اور اس کا محتسب کی مہربانی کی امید پر تبریز کی جانب آنا

مبتلا پردیسی، قرضوں میں پھنسا — آخرش دارالسلام آ ہی گیا
وہ چلا تبریز و کوئے گلستاں — خفتہ امید اس کی پھولوں پر وہاں
روشنی تبریزِ روشن کی پڑی — آس اس کی روشنی ہی روشنی

میرے ناقے کو بٹھادے سارباں آ گئی امداد اب فاقہ کہاں
کام اچھے ہوگئے اب بیٹھ تو بولیں گے دل، آگئے تبریز کو
گھوم چہ باغوں میں میری اونٹنی ہے ہمیں تبریز جائے فیض بھی
بوجھ اونٹوں سے اتار اے سارباں شہر یہ تبریز کوئے دلستاں
شان جنت خطۂ فالیز کو نور عرشی حاصل اس تبریز کو
موجِ روح انگیز جاں ہر اک زماں عرش سے پاتے ہیں یہ تبریزیاں
گھر جو پوچھا محتسب کا وہ غریب لوگ بولے مرگیا ہے وہ حبیب
وہ تو پرسوں دارِ دنیا سے چلا مرد و زن کا چہرہ زرد اس سے ہوا
چل دیا طاؤسِ عرشی سوئے عرش عرش سے پہنچی جو اس کو بوئے عرش
اس کا سایہ تھا جو خلقت کو پناہ جلد سورج نے سمیٹ اس کو لیا
پرسوں اس ساحل سے کشتی لے چلا اس عزا خانہ سے خوانہ سیر تھا
نعرہ مارا، ہوش کھوکر گر پڑا وہ بھی جیسے اس کے پیچھے چل دیا
پس گلاب و آب کے چھینٹے دیے ساتھیاں سب اس کے رونے لگ گئے
رات تک بے ہوش تھا وہ بعد ازاں جی اٹھا پھر غیب سے وہ نیم جاں

اس پردیسی کا محتسب سے باخبر ہونا اور اس کا مخلوق پر بھروسہ کرنے اور مخلوق کی عطا پر اعتماد کرنے سے استغفار پڑھنا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرنا اور اپنے تصور سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا، پھر لوگ جنھوں نے کفر کیا اپنے رب کا مثل قرار دیتے ہیں وہ وہی ہے جس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا پھر ایک مدت مقرر کی

ہوش میں آکر کہا اے کردگار میں ہوں خاطی خلق امیدوار
گو مثالی تھا کرم اس خواجہ کا پر کہاں وہ اور کہاں تیری عطا
اس نے ٹوپی دی، تو سر تیری عطا تو قد و قامت دیا اس نے قبا

زر دیا اس نے، تو دستِ زر شمار ۔۔۔ دی سواری اس نے تو عقلِ سوار
شمع اس نے ، تو نے ٹھنڈی آنکھ دی ۔۔۔ نقل اس کی معدہ بخشش ہے تری
وہ وظیفہ اور تو عمر و حیات ۔۔۔ وعدہ اس کا زر ترا سب طیبات
اُس نے گھر، تو نے دیے ارض و سما ۔۔۔ اس میں صدہا موئے نازوں کو جگہ
دین تیری اس نے جو کچھ بھی دیا ۔۔۔ دل بھی تیری وسعت بھی تیری عطا
سونا تیرا، اس نے کب پیدا کیا ۔۔۔ نان تیرا مال اسے تو نے دیا
وہ سخاوت، رسم اسے تو نے دیا ۔۔۔ تا ہو خوشیوں میں اضافہ از سخا
خود اسی کو قبلہ میں نے کرلیا ۔۔۔ ذہن قبلہ ساز سے غافل رہا
ہم کہاں تھے جب کہ رب العالمیں ۔۔۔ بو رہا تھا عقل ما و طیس
جب عدم سے لارہا تھا آسماں ۔۔۔ خاک کا بستر بچھاتا تھا یہاں
اور تاروں کو چراغِ آسماں ۔۔۔ اور طبائع سے بھی تالے کنجیاں
ظاہر و پنہاں ہیں بنیادیں کئی ۔۔۔ چھت میں بستر میں ہی سب رکھی ہوئی
آدم اضطرلاب ہے اوصافِ خدا ۔۔۔ وصفِ آدم مظہر ان آیات کا
عکس اس کا اس میں آتا ہے نظر ۔۔۔ جس طرح پانی میں سے عکس قمر
نقش اضطرلاب پر جو عنکبوت ۔۔۔ اس میں اوصافِ ازل کے ہیں ثبوت
آسمانِ غیب اور خورشیدِ جاں ۔۔۔ مکڑی کی بابت کرے شرح و بیاں
عنکبوت اور وہ نقوشِ رہنما ۔۔۔ سب پہ ظاہر ہی نجوی کے بنا
نبیوں کو اللہ نے تنعیم دی ۔۔۔ غیب میں آنکھ غیب کو ہے لازمی
چاہِ دنیا می گرے اہلِ زماں ۔۔۔ کہ سبھوں نے دیکھا عکس اپنا وہاں
چہ میں دیکھا عکسِ خود باہر نہیں ۔۔۔ جیسے احمق شیر و کودا وہیں
چہ میں جو دیکھا ہے باہر جان لے ۔۔۔ ورنہ جیسے شیر تو اندر چلے
کردیا گمراہ خرگوش اے فلاں ۔۔۔ کہ کنویں کی تہہ میں شیرِ ژیاں
جا کنویں میں کینہ اپنا صاف کر ۔۔۔ زور ور تر، چل اکھیڑ اب اس کا سر

وہ مقلد متبع خرگوش کا
اپنی دھن میں وہ بہت پُر جوش تھا

کہ نہ پہچان اس نے عکسِ آب کی
یا ہے پلٹی دی ہوئی قلاب کی

جب بھی دشمن سے کرے کینہ کشی
چھ غلط جہتوں میں تو بھی ویسا ہی

وہ عداوت ان میں عکس اللہ کا
وہ صفاتِ قہر ہیں اس کی بِنا

جرم ان کا عکس تیرے جرم کا
طبع سے اس کو خود دھونا ہی پڑا

تیری ہی بد خو ہے اس میں رونما
کہ تھا تیری سطح کا وہ آئینہ

تو نے دیکھی شیشہ میں اپنی بدی
آئینہ سے کس لیے پھر دشمنی

تارے سے پانی پہ پیدا روشنی
ڈھیلا پھر کیوں عکس پر مارے کوئی

نحس تارا پانی پر ہے تیرتے
زیرِ طالع نیک کو تا کر سکے

خاک ڈالے غلبہ کی تو اس کے سر
کہ ظن تارے کا تجھ کو عکس پر

عکس تھا وہ چھپ کے غائب ہوگیا
تو سمجھتا ہے کہ وہ فانی ہوا

نحس تارا چرخ پر ہے اس لیے
کچھ علاج اُس سمت اس کا چاہیے

سوئے بے سو دل لگانا چاہیے
عکسِ نحس اس سمت ہے بے سو ہی سے

داد دادِ حق سمجھ اس کی عطا
پانچ حس چھ جہت میں عکس اس کا تھا

ریت سے افزوں کمینوں کی عطا
جائے گی ورثہ میں، تو مرجائے گا

عکس ہوگا کب تلک پیشِ نظر
اصل کو رکھ سامنے اے کج نگر

گر عطائے حق ہو بر اہلِ تبار
ساتھ عطا کے دے گا وہ عمرِ دراز

نعمت اور منعم کو حاصل ہے بقا
وہ جلائے مردوں کو کسر التجا

جاں میں گھُل مل جائے گی دادِ خدا
اس طرح تُو وہ، وہ تُو ہوجائے گا

آب و ناں کی گر نہ ہو حاجت تجھے
قوت پُر لذت جز آب و ناں ملے

فربہی جائے حق اندر لاغری
اس طرف سے دے گا پنہاں فربہی

قوت خوشبو سے پری کو دے گا وہ
قوتِ جاں دے گا یوں ہی افرشتہ کو

جاں ہے کیا شئے جس کا ڈھونڈے آسرا
زندہ عشقِ خود سے رکھے گا خدا

عشق کا جینا طلب کر جاں نہ مانگ   کر طلب وہ رزق اُس سے جاں نہ مانگ
پانی سمجھو خلق کو صاف و زلال   اس میں روشن ہیں صفاتِ ذوالجلال
ان کا علم، عدل اور الفت کا سماں   جوں ستارۂ چرخ در آبِ رواں
باد شاہی لائق ان کے خُلق کو   بادشاہاں عاجز ان کے روبرو
بادشاہاں مظہرِ شاہیِ حق   فاضلاں آئینۂ آگاہیِ حق
کئی زمانے گزرے اب یہ ہے نیا   چاند اب بھی ہے وہی، پانی گیا
عدل ہے وہ عدل، فضل اب بھی وہی   پر زمانہ وہ گیا اور لوگ بھی
کئی زمانے آئے گزرے اے ہمام   ہیں معانی برقرار او بردوام
نہر میں پانی تو بدلا چند بار   لیکن عکسِ ماہ و اختر برقرار
پس نہیں وہ بہتے پانی پر رواں   بلکہ بر اطرافِ عرضِ آسماں
چرخِ معنی پر صفاتِ معنوی   جو ستاروں کے پرے یکساں سبھی
حسن کا اس کے حسیناں آئینہ   اُس کی محبوبی کا سایہ پیار کیا
اصل کے ہمرہ رہیں گے خد وخال   عکس ہو پانی پہ دائم ہے محال
صورتیں سب آبجو کا عکس ہی   آنکھ ملیے تو نظر آئے وہی
عقل بولی گر دو بینی ترک ہو   سرکہ رس، رس سرکہ ہے کیوں ہوں گے دو
غیر سمجھا خواجہ کو اے کج نظر   شاہِ غیرت مند سے تو شرم کر
کرّو ناری سے گزرا خواجہ وہ   جنس تم چوہوں کی اس کو مت کہو
خواجہ جاں ہے وہ نہیں جسمِ گراں   گودا ہے، سمجھو نہ اس کو استخواں
خواجہ کو جس طرح ابلیسِ لعیں   دیکھ مت، گِل سے اسے نسبت نہیں
ساتھی سورج کا ہے چمگادڑ کہیں؟   وہ رہا مسجود، وہ ساجد نہیں
عکس جیسا ہے، نہیں ہے عکس پر   ہے شبیہ عکس میں حق جلوہ گر
دیکھا سورج کو تو پانی ہوگیا   تیل تِل کا روغنِ گل ہوگیا
ہوگئے تبدیل جب ابدالِ حق   وہ نہیں مخلوق سے پلٹا ورق

قبلۂ توحید کیسے ہوں گے دو
مٹی مسجودِ ملائک کیسے ہو

دیکھا عکسِ سیب پانی میں کوئی
سیب سے پُر ہوگیا دامن سبھی

عکس تھا گر نہر میں دیکھا ہوا
تھیلے سو پُر کیوں ہوئے یہ کیا ہوا

جاں نہ دے تن چھوڑ، گونگے بہروں نے
کردیا انکار حق کو دیکھ کے

چھینکا پر تو نے نہیں، احمدؐ سے تھا
دید بھی ان کی ہے دیدارِ خدا

انس و جاں سے حق نے ان کو چن لیا
ہر جہاں کی رحمت ان کوؐ کہہ دیا

اُن کیؐ خدمت خدمتِ حق ہے بجا
دیکھنا روزن کا دن کا دیکھنا

اُس دریچہ کی ہے ذاتی روشنی
مہر مرقد کی نہیں وہ دی ہوئی

روشنی پڑتی ہے وہ خورشید سے
پر رہِ و رخ کی نہیں تعیں اسے

بیچ درز و مہر کے ہے راہ بھی
پر دریچوں کو نہیں ہے آگہی

آسماں کو ڈھانپے کوئی ابر اگر
نور اس روزن کا ہوگا جوش تر

اس ہوا اور شش جہت کے ماسوا
بیچ درز و مہر کے ہے راستہ

مدح و تسبیح اس کی ہے تسبیحِ حق
میوہ پیدا ہوا ہے اندر طبق

سیب پیدا اس طبق لخت لخت
عیب کیا ہے گر کہیں اس کو درخت

ٹوکرے کو جھاڑ کہیے سیب کا
درمیاں دونوں کے ہے پوشیدہ راہ

پھل جو دیتا ہے درختِ بارور
ٹوکرا دے گا وہی قسمِ ثمر

جھاڑ قسمت کا ہے تجھ کو ٹوکرا
جا خوشی سے زیرِ سایہ بیٹھ جا

نان گر سہل بنے اے مہرباں
بول اسے سقمونیا کاہے کو ناں

خاکِ رہ گر چشم و جاں روشن کرے
خاکِ راہ کو سرمہ کہنا چاہیے

روشنی حاصل سطحِ خاک پر
کیوں اٹھاؤں جانبِ عیّوق سر

ہست کیوں کہتا ہے فانی کو اے شوخ
ایسی جو میں ہوں گے کب سوکھے کلوخ

کیسے چمکے آگے سورج کے ہلال
پیشِ رستم کیا دکھائے زور زال

طالب و غالب جو ہے اپنا خدا
ہستیوں کو کررہا ہے خود فنا

دو نہ کہہ اور پڑھ نہ دو، دو ہیں کہاں	محو خود خواجہ میں بندہ یہاں
خواجہ ، خواجہ نور سے پیدا کرے	فانی ہو مردہ ہو مٹی میں چلے
گر جدا حق سے تو سمجھے خواجہ کو	کھوئے دونوں متن اور دیباچہ کو
چشمِ دل کو خاک سے آگے بڑھا	ایک ہی قبلہ ہے تو دو کو نہ جا
دو جو دیکھے دونوں جانب سے گیا	راکھ آتش نے جلے کو کردیا

دودیکھنے والے کی مثال اس کاش شہر کے پردیسی کی ہے جس کا نام عمر تھا کہ اس نام کی وجہ سے نانبائی ایک دکان سے دوسری دکان کا حوالہ دے دیتا تھا اور وہ نہ سمجھا کہ تمام دکانیں یکساں ہیں اس سلسلہ میں کہ عمر نامی کے ہاتھ روٹی نہیں بیچتے ہیں۔ اس جگہ تدبیر کرلوں کہ میں نے غلطی کی ہے، میرا نام عمر نہیں ہے جب اسی دکان پر تدارک اور توبہ کرلوں گا شہر کی تمام دکانوں سے روٹی حاصل کرلوں گا اور اگر بغیر تدارک کے اسی عمر نام کے ساتھ رہوں گا کہ اس دکان سے چلا جاؤں گا محروم رہوں گا اور اس دکان کے احوال بھی جداگانہ سمجھتا رہوں گا

گر عمر نامی ہے کاشاں میں تجھے	کوئی بھی سودا نگ میں روٹی نہ دے
اک دُکاں پر گر کہے میں ہوں عمر	ہو کرم بیچوگے اک روٹی اگر
وہ کہے جاؤ وہ ہے دیگر دُکاں	اس کی پنجاہ کے برابر ایک ناں
گر نہیں دوبیں اگر اس کی نظر	وہ کہے دکاں نہیں کوئی دِگر
دیکھتا نا احولی کی روشنی	ہوتا نام اس کاشی کا عمر علی
نانبائی کو یہیں سے بولنا	اس عمر کو نان بیچ اے نانبا
نامِ عمر کا بھینگا سنتے ہی تبھی	ناں ہٹا ڈالا کہ ہے مالِ علی
دور کی دکان کو بھیجا اسے	بولا نانبا نان عمر کو بیچ دے
میرے ہمساز اس عمر کو روٹی دے	راز میرا جان لے آواز سے

وہ کردے گا حوالے اور کے
کہ عمر آیا ہے روٹی کے لیے

جب چلا جا ایک دکاں سے ہوگیا
روٹی کاشاں میں نہ ہرگز پائے گا

لے جو نامِ علی کہے لے لے
بے حوالے ملے گی نان تجھے

وہ دو بیں جب ہوگیا محرومِ نوش
تیرا کیا، صد بیں تو اے مادر فروش

کاش دنیا میں بوجہِ احولی
گھوم عمر جیسا نہیں ہے جب علی

دیرِ دنیا میں ہے احول کو جگہ
گھومتے پھرتے اٹھائے گا مزہ

دیدۂ حق بیں میسر آئے گر
دوجہاں پُر دوست آئیں گے نظر

پھر نہ پائے گا حوالے جا بجا
اندرونِ کاشِ پُر خوف و رجا

تونے دیکھا جو میں باغنچہ شجر
اور نہروں سا خیال اس کو نہ کر

کہ تجھے اس عکسِ عینِ نقش سے
حق حقیقت بن کے تجھ کو میوہ دے

بھینگا پن پانی سے اس کے جائے گا
عکس دیکھے ٹوکرا بھر جائے گا

اصل میں باغ ہے پانی کہاں
کر نہ جوں بلقیس عریاں پنڈلیاں

بوجھ الگ ہے ہر گدھے کی پشت پر
سب کو اک لکڑی سے تو ہانکا نہ کر

اک گدھے کی پیٹھ پر گوہر کا بوجھ
دوسرے پر سنگ اور مرمر کا بوجھ

حکم اک ندیوں پہ ساری مت چلا
چاند دیکھ اِس جو میں عکس اس کو نہ کہہ

آبِ دام و در نہیں آبِ خضر
حق ہے جو بھی اس میں آتا ہے نظر

چاند بولے نہر سے ہوں چاند ہی
عکس نے ہوں ہم سخن بھی ہمرہی

جو بھی ہے باہر سو ہے اندر وہی
دینے والا اندر و باہر وہی

اور نہروں سے نہیں یہ آبجو
چاند کا چہرہ یہ عکسِ ماہ رو

ڈھونڈ اس میں جو بھی ہو تیری مراد
دیکھ پھر اور شکر کر بہرِ زیاد

جو بھی چاہے دیکھ پائے تو یہیں
نعمتیں سب ناز و تاج و ملک و دیں

سب ضروریاتِ خلقِ دو جہاں
دیر و دوری کے بنا حاضر یہاں

اس سخن کی حد نہیں وہ بے نوا
رویا دردِ خواجہ میں غمگیں ہوا

مددگار کا تمام شہر تبریز میں چندہ جمع کرنا اور بہت تھوڑا جمع ہونا اور اس پردیسی کا محتسب کی قبر کی زیارت کو جانا اور نوحہ کے طریقہ پر اس قصہ کو اس کی قبر پر کہنا

شہرہ عام اب قرض کے قصہ کا تھا ۔۔۔ اور مددگار اس سے دُکھی ہوگیا
جمع کرنے چندہ شہر سب پھرنے لگا ۔۔۔ طمع میں قصہ بیاں ہرجا کیا
کچھ نہ آیا ہاتھ اس کو گدیہ سے ۔۔۔ بڑھ کے اس کو نقد سو دینار کے
آیا حامی ہاتھ اس کا تھام کر ۔۔۔ لے چلا اس کو سخی کی قبر پر
ہوگی جب توفیق بندے کے لیے ۔۔۔ تا کہ بابرکت کی مہمانی کرے
مال قرباں راہ میں اس کی کرے ۔۔۔ جان قرباں جاہ میں اس کی کرے
شکر اس کا ہے خدا کا شکر یقیں ۔۔۔ کہ کیا توفیق و احساں کو قریں
اس کی ناشکری ہے ترکِ شکرِ حق ۔۔۔ اس کا وابستہ ہے بے شک بحق
نعمتوں میں تو خدا کا شکر کر ۔۔۔ نیز خواجہ کا بھی شکرو ذکر کر
مہرِ مادر ہے خدا کی دی ہوئی ۔۔۔ خدمت اس کی ہے مناسب و لازمی
بھیجو تم ان پر درود حق نے کہا ۔۔۔ کہ ہے حاجت کا نبیؐ سے واسطہ
حشر میں بندے کو بولے گا خدا ۔۔۔ کیا کیا تم نے جو کچھ میں نے دیا
بولے جاں سے شکرِ رب لایا بجا ۔۔۔ کہ ہے تجھ سے رزق وابستہ مرا
بولے حق تو نے کیا کب شکر ادا ۔۔۔ نہ کیا اکرام و فن کا شکریہ
کیا نہ تیرا اُس سخی پر ظلم تھا ۔۔۔ اس کے ہاتھوں کیا نہ لی میری عطا؟
ولیِ نعمت کی جو پہنچے قبر پر ۔۔۔ رو پڑا آتے ہی از خود چیخ کر
بولا اے شرفا کو تو لیے جائے پناہ ۔۔۔ غوث غربا کے لیے اور مرتضیٰ
بوجھ تیرے دل پہ اپنے رزق کا ۔۔۔ جیسے رزقِ عام احساں بھی ترا
اقربا غربا کا اور جو والدین ۔۔۔ خرچ کو آمد کو اور بہرِ دین
جوں سمندر اقربا کو دے گہر ۔۔۔ تحفوں کی برسات جوں اغیار پر

تجھ سے تھی پشت اپنی گرم اے آفتاب
''رونقِ ہر قصر و گنج ہر خراب''
اے شکن دیکھا نہ ابر و پر کوئی
جیسے میکائیل عطائے رزق بھی
دل ترا پیوستہ دریائے غیب
اے کرم کے قاف کے عنقائے غیب
یہ نہ سوچا مال سے کیا کچھ گیا
شق نہ ہمت میں کبھی تیری پڑا
میں، مجھ ایسے سینکڑوں تیرے لیے
نسل تیری مدتوں بن کر رہے
نقد و جنس اور مال اپنا جو بھی تھا
نام عزت و بخت تھا سب کچھ ترا
تو نہیں اپنا نصیبہ مرگیا
عیش و رزق ہم نے جو پایا مرگیا
جنگ، بخشش میں تو تنہا جوں ہزار
جیسے سو حاتم ہمیں تیرا شمار
ہر نفس دیتا تو ایسی زندگی
خوبی لفظوں میں سما سکتی نہ تھی
زندگی دی تونے اچھی پائیدار
دین تیری زرِ خالص بے شمار
تیری خوبی کا کوئی وارث کہاں
تیرے کوچہ کو فلک سجدہ کناں
خلق کو غم میں تو جیسے پاسباں
گلے پر موسیٰؑ کی صورت مہرباں

ایک بکری کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھاگنا اور اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مہربانی اور شفقت

بھاگی اک بکری کلیم اللہؑ سے
آبلہ پا ہوکے موسیٰؑ تھک گئے
رات بھر اس کی تلاشی میں رہے
گلہ وہ غائب تھا ان کی آنکھ سے
بکری وہ جس دم تھکن سے رُک گئی
گرد بھی موسیٰؑ نے اس کی جھاڑ دی
پشت و سر پر ہاتھ پھیرے پیار سے
پیار جوں ماں اپنے بچے پر کرے
کینہ، غصہ ذرہ بھر اس پر نہ تھا
مہر و رحم و اشکباری کے سوا
رحم شاید تجھ کو کچھ مجھ پر نہ تھا
تونے خود پر ظلم کیوں ایسا کیا
حق نے فرمایا ملک سے اس زماں
ہے نبوت کے لیے زیباں فلاں
مصطفیٰؐ نے خود کہا ہے ہر نبی
نے جوانی یا کبھی چوپانی کی

چرواہے کا ہے ضروری امتحاں
حق نہ دے گا پیشوائی جہاں

تا وقار و صبر ہو ان میں عیاں
کرتا ہے قبل از نبوت حق شباں

پوچھا سائل آپ بھی کیا اے شہا
قبلِ نبوت بولے چرواہا بھی تھا

چرواہاں انسانوں کا وہ حکمراں
حکم پر کرتا ہے ہرکارِ جہاں

حلم اس چرواہے پن میں موسیٰ کا
عقل وفن سے کام ہر اک کرتا رہا

حق عطا کرتا ہے چوپانی اُسے
چرخِ بالا کہ مہِ روحانی سے

انبیا کو ایسی چوپانی سے ہی
اصفیا کی منتخب چوپانی دی

خواجہ چوپانی تری ایسی رہی
ہوگئے اندھے ترے دشمن سبھی

جانتا ہوں اس کے بدلے میں خدا
سروری باقی عطا فرمائے گا

وہ بھروسہ دستِ دریا بخش کا
تیرا روزینہ، و عہدِ با وفا

زر کے سکے لے لیے ہیں نو ہزار
اے کہاں تو صاف کرنے یہ ادھار

اے کرم سو گنا کرنے تو کہاں؟
ہے ضرورت تیری مجھ عاجز کو ہاں

تو کہاں تاکہ دوسو گنّا عطا
خستہ دل پردیسی پر لائے بچا

جوں ہنس مکھ بتا تو ہے کہاں
بولے دو سوگنا لے لے آ یہاں

اے کہاں ہے تا ہنسائے تو مجھے
لطف و احساں جوں خداونداں کرے

تو کہاں مخزن میں لے جانے مجھے
قرض، فاقہ سے رہا کرنے مجھے

میں کہوں بس، تو کہ لے اور لے
لے لے یہ بھی اور تو خوش کر مجھے

خاک میں کیسے سمائے اک جہاں
اور سمائے کیوں زمیں میں آسماں

حاشا للہ تو نہ ہو اندر جہاں
جیتے جی بھی اور اندر اس زماں

در فضائے غیب پرندہ اڑے
اور زمیں پر سایہ اس کا بچھ رہے

جسم سایہ، دل کے سائے کا سایہ ہے
جسم پھر کب قلب کا ہم پایہ ہے

مرد سوئے روح مثلِ آفتاب
ہے درخشاں چرخ پر، تن غرقِ خواب

جاں خلا میں ہے نہاں جیسے سجاف
کروٹیں لیتا ہے تن زیرِ لحاف

روح امرِ رب سے ہے سو ہے نہاں — مَثَل اُس پر کوئی پھبتی ہے کہاں
ہیں کہاں وہ تیرے شکر بارلب — وہ جوابات اور وہ اسرار اب
اے کہاں مصری چباتے وہ لباں — مشکلوں کے تالوں کی کنجی کہاں
اے کہاں تیغِ علیؓ جیسی وہ دھار — کردیا عقلوں کو جس نے بے قرار
فاختہ جوں ڈھونڈنے کب تک آشیاں — گھر کہاں ہے گھر کہاں ہے گھر کہاں
ہے کہاں، رحمت کی عادت ہے جہاں — فہم ہے پاکی ہے، قدرت ہے جہاں
ہاں ! سنی جا کہ امیرِ مرد و زن — جاتی ہے در حالِ آلام؟ و حزن
ہے وہیں جس جا کوئی علت رہے — اور صحت کی طلب میں آنکھ اٹھے
ہاں وہیں کہ دفعِ زشتی کے لیے — باد چاہے کھیتی کشتی کے لیے
ہاں اُدھر انگلی دکھائے دل جدھر — ''ذکر یاہوٗ'' کا جو ہو اس پر اثر
ساتھ حق کے، وہ بلا کوکو کہے — جوں جولاہے کاش ''ماکوٗ'' بولتے
ہے کہا دُھن تاکہ دیکھے غرب و شرق — پڑ رہی ہے روحوں پر سو طرح برق
جھاگ جب تک تھا وہ جزر و مد رہا — رُک گیا گھٹنا، بڑھاؤ رہ گیا
میں ہوں بے مقدور قرضہ نو ہزار — چندہ سو دینار کیوں اترے گا بار
تجھ کو کھینچا حق نے، میں در کشمکش — می چلا مایوس تیرخاک خوش
کچھ توجہ چاہیے نومید پر — تیری ہمت، دست و روئے بخت ور
چھولیا چشموں کو میں نے اصل کو — پایا پانی کے عوض اس میں لہو
ہے وہی چرخ اب کہاں وہ اس کی تاب — ہے وہی جو پر نہیں اس میں وہ آب
محسناں ہیں پر کہاں مستطاب — ہیں ستارے پر کہاں وہ آفتاب
تو چلا ہے سوئے ربُّ العالمیں — میں بھی حق کے پاس پہنچوں گا وہیں
جمع ہونے جھنڈے کے نیچے ہے جا — ہوں گے حاضر اپنے ہاں حق نے کہا
نقش ہوں گے بے خبر یا باخبر — ہوں گے حاضر سب کفِ نقاش پر
ان کے صفحۂ فکر پر وہ ہر کبھی — ثبت بھی کرتا ہے ان کو محو بھی

غصہ کو لائے رضا کو لے چلے
بخل کو لائے سخا کو لے چلے
کینہ لے جائے صفا لائے کبھی
بوئے بخشش عجز پھل پائے کبھی
شام ہو یا صبح آدھا لمحہ بھی
صرف ہوگا لکھتے اور محو کرتے ہی
کام کوزہ گر کا ہے کوزہ گری
کوزہ لمبا چوڑا کیوں ہو آپ ہی
ہاتھ میں نجّار کے لکڑی کئی
ورنہ کیوں کشتی و شے بنتی کبھی
ہاتھ میں درزی کے وہ کپڑا رہا
ورنہ خود کیا سلتا پھٹتا کاٹتا
مشک ہے سقا کے ہاتھ اے منتہی
ورنہ از خود بھرتا کیوں ہوتا تہی
ہوتا ہے ہر لمحہ پُر اور خالی بھی
جان لے سب اس کی ہے کاریگری
جانے کیوں بند آنکھ سینے والے سے
صانع سے مصنوع کیوں شیدا بنے
آنکھ والے دیکھ اپنی آنکھ سے
دیکھے چشم بے خبر سے کس لیے
کان والے سن تو اپنے کان سے
کیوں بھروسہ گوشِ حمقا پر تجھے
دیکھ خود تقلید کرنا چھوڑ دے
سوچ اپنی عقل کی بھی رائے سے
اک حکایت مجھ سے سن اندر نظیر
تا ہو راز گفت سے میری خبیر

خوارزم شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا سفر میں اپنے جلوس میں ایک نادر گھوڑے کو دیکھنا اور شاہ کے دل کا اس گھوڑے کی چستی اور حسن اور خوبی سے تعلق اور عماد الملک کا شاہ کے دل میں اس گھوڑے کو بے وقعت کر دینا اور شاہ کا اس کی بات کو اپنے مشاہدے پر اعتبار کر لینا جیسے حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ اپنے الٰہی نامہ میں فرماتے ہیں

جب حسد کو زباں ہو بردہ فروش
ایک کپڑے کے عوض یوسفؑ ملے
عمدہ گھوڑا تھا کسی سردار کا
کوئی ہمسر شہ کے ہاں اس کا نہ تھا
شالِ لشکر وہ گھوڑے پر جو تھا
دیکھا گھوڑا ناگہاں خوارزم شہ
شہ کو رنگ اور روپ اس کا بھا گیا
واپسی تک گھوڑے کو دیکھا کیا

ڈالتا ہر عضو پر اپنی نظر — لگتا اک دیگر سے اس کو خوب تر
دوڑ، چستی اور خوبی کے سوا — خوبیاں نادر خدا کی تھیں عطا
پھر تجسس کررہا تھا بادشاہ — کون روکے ہے سمجھ کا راستہ
آنکھ پُر بھی سیر بھی ہے اور غنی — اور دوسو سورج سے حاصل روشنی
رُخ بھی شاہوں کا ہے جوں بیذق مجھے — کیوں تڑپ یہ آدھے گھوڑے کے لیے
جادو کر ڈالا یہ جادو آفریں — ہے کشش یہ کوئی خاصیت نہیں
فاتحہ لاحول دونوں پڑھ لیا — اس کا دردِ سینہ پھر بھی بڑھ گیا
کیوں کہ اس کو کھینچتا تھا فاتحہ — کھینچنے، رد کرنے میں قادر بڑا
گر دکھائے غیر کو ڈر دھوکا کھائے — رد کرے گر غیر کو تنبیہ پائے
پس کشش اس رخ کی ہے آیا یقیں — کارِ حق ہردم ہے نادر آفریں
بیل پتھر گھوڑا پتھر، ابتلا — ہوگئے مسجود از مکرِ خدا
پیشِ کافر بت کا ثانی ہی نہیں — فر نہیں، روحانیت کچھ بھی نہیں
کون وہ جاذب نہاں اندر نہاں — اور عالم سے ہے روشن در جہاں
عقل پر جاں پر بھی ہیں پردے پڑے — میں نہیں، ممکن جو ہو تو دیکھ لے
سیر سے خوارزم شہ واپس ہوا — خواص پر اس راز کو ظاہر کیا
حکمِ شہ اپنی سپہ کو دے دیا — اس کے گھر سے گھوڑا وہ لے آئیں تا
آگ کے مانند پہنچی وہ سپہ — کوہ سا سردار گھٹ کر مُو ہوا
جاں بلب وہ درس دے اور ٹوٹنے سے — بس عماد الملک پنہ اس کے لیے
وہ عمادالملک پایہ جھنڈے کا — ہر کوئی مظلوم و غم کے مارے کا
محترم تر آپ سے امرا نہ تھے — جوں پیمبر آپ سلطاں کے لیے
بے طمع تھے وہ اصیل و پارسا — عابد و شب خیز و حاتم در سخا
وہ مبارک رائے و باتدبیر و داد — آزمودہ رائے ان کی در مراد
ان کا سامانِ سخاوت جان و مال — غیب کے سورج کے طالب جوں ہلال

تھی امارت میں جوشان افتخار — فقر کے عالم میں وہ الفت شعار
وہ بہ ہر محتاج مانندِ پدر — پیش سلطاں شافع و دفعِ ضرر
اور بروں پر پردہ جوں حلمِ خدا — خُلق ان کا ساری خلقت سے جدا
جانبِ کوہ کئی دفع تنہا چلے — کی خوشامد منع کرتے شاہ نے
جرم صدہا بھی جو ہوں شافع بنے — اس طرف شرما کے چشم شہ جھکے
وہ عمادالملک کے آگے چلا — سر برہنہ کرکے نیچے گر پڑا
کہہ دے لونڈی اور اثاثہ چھین لے — ما حصل بھی ہے لٹیروں کے لیے
اک وہ گھوڑا اس میں جاں گروی مری — گر وہ لے لے جان جائے گی مری
چھیننے یہ گھوڑا جو میرے ہاتھ سے — راس یہ جینا نہ آئے گا مجھے
لطفِ حق اُس سے مری پیوستگی — پھیر میرے سر پہ اپنا ہاتھ اخی
سہل سب جائے زن و زر یا زمیں — سچ یہی ہے کچھ سخن سازی نہیں
گر نہیں ہے اس میں میرا اعتبار — آزما لینا مرا قول اور وقار
وہ عمادالملک آنکھیں پونچھ کر — خدمتِ سلطاں میں پہنچے زود تر
بندلب تھے آگے سلطاں کے کھڑے — عرض کرتے حالِ دل اللہ سے
سن رہے تھے راز سلطاں کا کھڑے — اور خیال اس طرح وہ کرنے لگے
اے خدا گر راہ ٹیڑھی وہ چلا — کیوں کہ وہ ہے بے اماں تیرے سوا
کر جو شاہاں ہے، گرفت اس کی نہ کر — وہ ہے ہر قیدی سے خواہانِ مصر
ہے تری محتاج یہ خلقت سبھی — یا بھکاری یا کوئی سلطاں سہی
شمسِ کامل سامنے ہوتے ہوئے — رہبری کو کیوں دیا موقع اُسے
یاں سبھی ترکِ ادب ہے، اور کیا — کفرِ نعمت ہے یہی کارِ ہوا
اکثر عقلیں سوچ میں ہیں نابکار — جیسے چمگادڑ، اندھیرے دوست دار
کیڑے چمگادڑ کی ہی شب کو غذا — کیڑوں کی سورج کرے نشو و نما
شمس و حبس سے ابلتی ہے ضیا — دیتا ہے خود اپنے دشمن کو غذا

کھو کے چمگادڑ ہی اپنا راستہ ہوتی ہے سورج کے بل پر دو براہ
وہ چو ہے شہباز چمگادڑ نہیں چشمِ روشن اس کی وا، وہ راست بیں
چاہے جوں خفاش ظلمت میں ظہور کان ادب کو موڑے سورج بالضرور
مانا وہ خفّاش ہے سرکش بڑا عیب ہے اس میں پہ تجھ کو کیا ہوا
چھڑکی اور دُکھ کی سزا دوں گا تجھے تا نہ تو سورج سے سرتابی کرے

حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کا ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اوران پر درود وسلام ہو قید خانہ کے ذریعہ چھ سال مواخذہ ان کے خدا کے غیر سے مدد چاہنے اور کہنے کے سبب کہ اور مراذ کر کردے اپنے آقا کے سامنے

جس طرح یوسفؑ نے قیدی سے کہا جو غریب و عاجز و غم دیدہ تھا
بولے جس دم تو خلاصی پائے گا نزد شہ جب ٹھیک سب ہوجائے گا
پیش شہ کرنا تو میرا تذکرہ میں بھی تا زنداں ہوجاؤں رہا
خود پھنسا جو پھانسنے کیوں جائے گا قیدی قیدی کو کرے گا کب رہا
جو بھی دنیا میں ہیں زندانی سبھی منتظر ہیں موت کے فانی سبھی
کوئی نادر اور یکتا کے سوا قید میں تن، جاں کو کیواں میں جگہ
یہ سزا اس کو معاون جو کیے قید میں چند سال یوسفؑ رہ گئے
یادِ یوسفؑ دیو نے بھلوا دیا وہ سخن بھی محو دل سے کردیا
اس گنہ کی وجہ وہ نیک و خصال رہ گئے زنداں میں حق سے سات سال
کیا کمی دیکھی زخورشیدِ عطا جو اندھیرے میں چلا خُفّاش سا
عام جو خُفّاش جویائے محاذ کیا نہ تھی یوسفؑ تمھاری چشم باز
کوری سے خُفّاش اندھیرے میں گیا بازِ سلطاں دیدہ کو یوں کیا ہوا
دی سزا استاد نے اس جرم پر کہ ستوں بوسیدہ لکڑی کو نہ کر
محو یوسفؑ کو بخود اس نے کہا تا نہ ہو کچھ درد اس کو قید کا

ایسی مستی کی عطا اللہ نے کہ نہ ظلمت تھی نہ زنداں سامنے
رحمِ مادر سا نہیں زنداں کوئی نا خوش و تاریک وخوں سے پُر سبھی
سوئے خود کھولے دریچہ جب خدا رحم میں تن تیرا بڑھتا جائے گا
ذوق بے حد تھا جو تجھ کو قید سے تن کے پودے سے حواس اچھے کھلے
باہر آنا رحم سے تھا ناگوار پشت کی جانب تو بھاگا بار بار
لذت اندر سے تھی باہر سے نہ تھی ڈھونڈ قلعہ محل تھی ابہلی
کونے میں مسجد کے کوئی مست وشاد باغ میں اک منہ بنائے بے مراد
قصر کیا شے تو اسے ویران کر تو خزانہ پائے گا اندر کھنڈر
کیا نہ دیکھا تو کہ در بزمِ شراب مست خوش تب ہوگا جب ہوگا خراب
گھر منقش ہے سہی پر توڑ گھر گنج کو ڈھونڈ اور گھر آباد کر
خانہ ہے پُر نقش و تصویر و خیال پر وہ سب ہے پردۂ گنجِ وصال
چھاؤں گنجینے کی، تابش سونے کی کہ یہ تصویریں خیالی ہیں سبھی
با شرف پانی اور اس کے عکس سے کف کے اجزا پانی پر پردہ بنے
قیمتی جاں کے ابال اور لطف سے جاں کے چہرے پر بدن پردہ بنے
اک مثل سنیے، لبوں پر جو چلی جو بھی گزرے ہم پہ وہ ہم سے ہی
جھاگ کے پیاسے پجاری پردے سے دور خود آبِ صفا سے جا پڑے
آفتاب و قبلہ، رہبر ہوتے بھی شب پرستی کررہے ہیں ہم سبھی
سوئے خود چمگادڑوں کو پھیرلے یہ ہیں چمگادڑ پنہ گہ ان کو دے
یہ ہے خاطی، گمرہ، غارت گر مگر میرے پاس آیا گرفت اس پر نہ کر
تھے یہ اندیشے عمادالملک کے شیر جو شاں جیسے اندر دشت کے
اس کا ظاہر پیشِ سلطاں تھا کھڑا غیب کے باغوں میں طاہر جان کا
جوں ملائک وہ بہ اقلیم الست تازہ مے پی کر رہا ہر لحظہ مست
اندروں مسرور چہرہ غمزدہ جسم کے مرقد میں عالم شادی کا

غرق وہ حیرت میں محوِ انتظار — دیکھے تا کیا غیب سے ہو آشکار
گھوڑا اندر کھینچ لائی اس زماں — پیشِ خرم شہ سپہ اس کی کشاں
چرخِ نیلی کے تلے تو واقعی — چال میں قد میں نہ گھوڑا کوئی
رنگ پر شیدا تھی ہر ایک کی نظر — مرحبا اُس برق و مہ کے بچہ پر
جیسے مہ جیسے عطارد تیز رو — گویا چارا اس کو صرصر عکسِ جو
چاند اک شب میں فضائے آسماں — سیر میں کرلیتا ہے طے بے گماں
چاند شب میں برج سب طے کرلیا — پھر تجھے انکار کیوں معراج کا
جیسے سو چاند ایک عجب دُرِّ یتیم — چاند اس کے ایک ایما سے دو نیم
بات عجب شقِ قمر میں تھی یہی — کہ بقدر ضعفِ حسِ خلق تھی
کارو بارِ انبیاء و مرسلوں — ہیں وہ افلاک اور تاروں سے بروں
تو برونِ چرخ و ہر سیارہ جا — دیکھ پھر تو کاروبارِ انبیا
بند تو انڈے میں جوں چوزہ رہا — کیوں سنے تسبیحِ مرغانِ ہوا
معجزوں کا اس جگہ کیوں ہو بیاں — اسپ و خرم شہ کی باتیں کر جہاں
جس پہ چمکا مہرِ الطافِ خدا — کتّا، گھوڑا پائے رتبہ کہف کا
لطف اس کا سب پہ یکساں ہے کہاں — لعل پتھر پر ہے ثبت اس کا نشاں
لعل کو اس نے عطا کی روشنی — سنگ کو سوزش و گرمی اس نے دی
دھوپ ہاں پڑتی ہے گو دیوار پر — پانی پر پڑنے کی کیفیت کدھر

سلطان اور گھوڑے اور عماد الملک کے قصہ کی جانب رجوع اور شاہ کو شرمندہ کرنا

شاہ تھوڑی دیر تک حیراں رہا — رُخ عمادالملک کی جانب کیا
بھائی کیا یہ بہتریں گھوڑاں نہیں — ہے بہشتی یہ نہیں اسپ زمیں
پس عمادالملک بولے اے شہا — آپ سے دیو بھی ملک ہوجائے گا
جو بھی بھائے آپ کو ہوجائے نیک — عمدہ زیبا ہے سواری یہ ولیک

کہ بدن پر اس کے نقاص ہے یہ سر — بیل کے سر کی طرح آئے نظر
شہ کے دل پر کرگئی یہ بات اثر — قدر اس کی گر گئی پیش نظر
جب غرض دلال کی واصف بنے — تین گز کپڑے پہ اک یوسف ملے
جب بھی ہنگامِ فراقِ جاں رہے — دیو دلالِ دُرِ ایماں بنے
اپنا ایماں بیچے گا ابلہ شتاب — تشنگی میں بس اک ابریقِ آپ
بس خیال اک ہوگا وہ ٹھلیا کجا — قصد ٹکڑے کرنا اس دلال کا
اس گھڑی ہے تندرست و فربہ تو — سوچ کے بدلے میں بیچے صدق کو
بیچے ہر دم کان کے ایک ہیرے کو — لے گا بچے کی طرح اخروٹ تو
جب کہ یہ تکلیف ہو روزِ اجل — کیا عجب گر ہو ترا ایسا عمل
جوش مارے ذہن میں صورت کوئی — کوٹنے پر جوں سڑے اخروٹ سی
ابتدا سے بدر جوں اس کا خیال — انتہا میں بنتا ہے جیسے ہلال
ابتدا میں گر ہو آخر پر نظر — ہوگا فارغ از مآلِ پُر خطر
اک سڑا اخروٹ یہ دنیا ہے کیا — دیکھ اس کو دور سے مت آزما
شان دیکھا گھوڑے کو باچشمِ حال — اور عمادالملک با چشمِ مآل
پیچیدہ روزن سے دیکھی چشمِ شہ — اس نے گز پنجاہ یعنی انتہا
کیا سرمہ کھینچتا ہوگا خدا — کہ پسِ سو پردہ دیکھے راست رہ
آخرت پر تھی جو چشمِ مصطفیؐ — دیکھ کر مردار دنیا کو کہا
ایک برائی شہ نے گھوڑے کی سنی — کہ محبت سرد اس کی ہوگئی
چھوڑا خودی، اس کے دیکھے کو لیا — ہوش چھوڑا اپنے قول اس کا سُنا
یہ بہانہ بدلہ دینے والا وہ خدا — التجا کی، سرد شہ کا دل ہوا
بند اس کے حسن کا در ہوگیا — تھا سخن دروازے کی گویا صدا
نکتہ وہ شہ کی نظر پر پردہ تھا — اس کے ہوتے چاند بھی کالا لگا
پاک وہ معمار جو قلعے بنائے — غیب میں افسوں کو ثابت کر دکھائے

یہ صدا ہے بابِ قصر راج کی — اس کے کھلنے اور بند ہونے کی بھی
بانگِ درمحسوس درحس سے پرے — تم صدا دیکھو، رہے گا در چھپے
ساز حکمت یوں تو خوش آواز ہے — کون در جنت کا دیکھو باز ہے
سرنگوں ہو گفتِ بد کی جب صدا — بابِ دوزخ کون سا دیکھو کھلا
دور ہے در سے تو سن اس کی صدا — شاد ہے وہ جس کا منظر ہے کھلا
دیکھے جب تو تجھ سے کچھ نیکی ہوئی — جان لے تیاری وہ راحت کی کی
آدمی جب تک گنہ کرتا رہا — زندگی کا ذوق پوشیدہ رہا
کر نہ رد دید اپنی از دیدِ خساں — کھینچیں مرداروں کی جانب کرگساں
بند جوں نرگس ہے تیر آنکھ — میں ہوں اندھا لے پکڑ میرا عصا
یہ عضا کش ہمسفر ہے جو ترا — تجھ سے کیا افزود تر اندھا رہا
تھام کورانہ تو حبل اللہ کو — امر و نہی حق سے باہر جانہ تو
ترکِ خواہش نفس حبل اللہ کیا — جسے صرصر کو ہے وہ ہوا
لوگ ہیں قیدی بنے وجہِ ہوا — پر بندھے ہیں مرغ کے وجہ ہوا
بنے توے پر جلتی ماہی از ہوا — شرم سے عاری ہے زن بھی از ہوا
غصہ ہے کوتوال کا وجہ ہوا — ہیبتِ سولی سزا وجہ ہوا
تونے دیکھا جسم کے کوتوال کو — روح کے کوتوال بھی ہیں دیکھ تو
غیب میں ہیں وہ شکنجے روح کے — جب تلک نکلے نہ تو وہ ہی چھپے
وہ شکنجہ دیکھے تو جب چھوٹے گا — ضد سے ضد ہوتی ہے چوں نہ خود نما
کالے پانی چہ میں جو پیدا ہوا — جانے کیا وہ لطفِ دشت و رنج چہ
خوفِ حق سے جب کیا ترکِ ہوا — پیالہ پہنچے گا تجھے تسنیم کا
اپنی خواہش کے تتبع میں نہ جا — پوچھ جنت کا تو حق سے راستہ
گھاس جوں پیچھے ہوا کے تو نہ جا — جھونپڑی سے عرش کا سایہ بھلا
شاہ پس گھوڑے کو لوٹانے کہا — زود تر اس ظلم سے کر دو رہا

دل سے اپنے شہ نے خود فرمادیا
شیر کو دھوکہ نہ دے سر بیل کا

حیلے سے بیچ آیا پاؤں بیل کا
بیل کی سینگ اسپ پر حق جوڑا کیا؟

شہر کا معمار ہے لائق بڑا
گھوڑے پر کب رکھے گا سر بیل کا

ہے مناسب جو بھی تن اس سے بنا
قصرِ متحرک پہ ہیں آراستہ

بیچ میں ان محلوں کے ہیں نالیاں
اِس طرف سے اُس طرف کو ہیں رواں

ان کے اندر اک جہاں لا انتہا
اندر اک خیمے کے ہے میداں بڑا

چاند کو دکھلائے وہ کابوس سا
اور کبھی اک باغ اندر قعرِ چاہ

''قبض و بسطِ چشم و دل از ذوالجلال''
ہر کبھی اس طرح جوں سحرِ حلال

اس لیے چاہے خدا سے مصطفیٰؐ
زشت کو زشت اور حق کو حق دکھا

تا کہ آخر میں جو پلٹائے ورق
تا پشیمانی نہ ہو وجہِ قلق

وہ جو کی تدبیر عمادالملک نے
رہنمائی تھی انھیں اللہ سے

تھا پسندیدہ ہی وہ حیلہ مگر
نیک کے درمیاں تمیز کر

مکر وہ مکرِ خدا نے دوجہاں
قلب اس کی انگلیوں کے درمیاں

ڈالے جو دل میں ترے فکر و قیاس
ڈالنا جانے وہ آگ اندر پلاس

مددگار اور اس قرضدار پردیسی کے قصہ کی طرف رجوع اور ان کا خواجہ کی قبر کے سرہانے سے واپس آنا اور مددگار کا خواجہ محتسب کو خواب میں دیکھنا

عمدہ قصہ تھا ادھورا رہ گیا
قبرِ خواجہ سے وہ پردیسی چلا

اپنے گھر پامرد اسے بھی لے گیا
مہر سو دینار کی اس کو دیا

وہ کھلایا لوٹ قصے بھی سنائے
دل میں اس کے گل امیدوں کے کھلائے

بعد تنگی کے جو آسانی ہوئی
آپ بیتی اس نے سب اس سے کہی

نیم شب بس یونہی باتوں میں کٹی
نیند اسے لے کر چراگہ میں چلی

حامی پایا نیک خواجہ کو وہاں
لے چلا جو اس کو تا صدرِ مکاں

خواجہ بولا اے معاون با تمک جو کیا تونے سنا وہ یک بیک
بولنے کا حکم پر مجھ کو نہ تھا بے اشارے کے میں کچھ کہہ نہ سکا
آ گہی گو کیف و کم سے ہوگئی مہر پر ہونٹوں پہ اپنے ہے لگی
تا نہ ہوویں رازہائے غیب فاش ہو نہ جائیں منہدم عیش و معاش
پردے غفلت کے پھٹ جائیں تمام تا دِکھے وہ دیگِ محنت نیم خام
کوئی بھی واقف نہ اس سے ہو سکے دعویٰ کرنے والوں کا پردہ رہے
تا طبق سے ڈھکن اس کا ہٹ نہ جائے دیدنی شے اہلِ شک میں کھل نہ پائے
ہم نے جو کچھ بھی دیا دیکھا یہاں یہ جہاں پردہ وہ ظاہر جہاں
بونے کا دن ہے چھپا دینے کا دن بیج مٹی میں ملا دینے کا دن
کاٹنے کا دن و راستی چلنے کا بدلے کے دن فاش سب ہو جائے گا

خواجہ کا خواب میں اس مددگار سے اس دوست کے قرض کی ادائیگی کے سامنے بتا دینا

جو آیا تھا چاندی کے مدفون ہونے کی جگہ کا پتہ بتانا اور وارثوں کو پیغام دینا کبھی اس کو بہت نہ سمجھیں اور اس میں سے کچھ نہ لیں اگر چہ وہ قبول نہ کرے یا کچھ وہاں چھوڑے یا وہ جس کو چاہے اس کو دے کیونکہ میں نے خدا سے منت مانی ہے کہ اس میں سے میں اور میرے متعلقین ایک حبہ واپس نہ لیں گے

حال سن اب تو نئے مہمان کا مجھ کو بھی معلوم تھا وہ آئے گا
میں نے اس کے قرض کی پالی خبر باندھ رکھے اس لیے دو سہ گہر
وہ ادائے قرض کو ہے بیشتر تا نہ آئے چوٹ اس کے سینہ پر
قرض ہے سونے کا اس کو نو ہزار بول اسے تا وہ اتارے اس سے بار
بچ رہے جو کچھ بھی خرچ اس کو کرے اور دعا میں درج وہ مجھ کو کرے
چاہا اس کو یہ رقم ہاتھوں سے دوں میں فلاں دفتر میں لکھ کر رکھا ہوں

موت نے مہلت نہ دی اس کے لیے — تا کہ دوں درّ عدن خفیہ اسے
لعل اور یاقوت بھی ہے بہردام — ایک کاسہ پر لکھا ہے اس کا نام
ہیں فلانے طاق میں مدفوں کیے — درد اس کا اس سے پہلے مجھے
قدرداں اس کے نہیں جز شاہوں کے — بیچ میں ہشیار کوئی دھوکا نہ دے
فروخت میں دھوکے سے بچنے کے لیے — تین دن کا اختیار آقاً دیے
نرخ گر بھی جائے تو اس سے نہ ڈر — کم نہیں ہوگا رواج اس کا مگر
تم مرے آداب ورثا کو کہو — یہ وصیت بھی سناؤ مو بمو
زر کی کثرت دیکھ کر تا نہ ڈریں — ہے تردّد آگے مہماں کے رکھیں
گر کہے وہ ہے بہت میرے لیے — بولو لے لے اور جسے چاہے تو دے
جو دیا اس سے نہ لوں گا ذرّہ بھر — دودھ پستاں میں نہ جائے لوٹ کر
ہوگا جوں کتا کوئی قے کھا گیا — یا کسی نے عطیہ واپس کرلیا
زر نہ چاہے، بند بھی کرلے جو در — اس عطا کو ڈال دیں دروازے پر
تا اٹھالے جانے والا زر وہی — عطیۂ مخلص کی کیسی واپسی
دو برس سے رکھا ہے اس کے لیے — بارگاہِ حق میں نذرانہ کیے
اس سے کوئی شے اگر وہ لے لیے — بیس گُنا ہے ضرور ان کے لیے
روح کو میری پریشاں گر کریں — مبتلا سو آفتوں میں ہو رہیں
ہیں یقیں مجھ کو زباں آور خدا — مستحق کو اس کا حق پہنچائے گا
اس نے دوکام اور اسے بتلادیے — اس کی بات ناروا کہنا مجھے
یہ قضیہ راز ہے رہ جائے راز — مثنوی ہوگی نہیں اتنی دراز
خواب سے چونکا بجاتے چٹکیاں — گہ غزلخواں گاہے وہ نوحہ کناں
پوچھا مہماں کیا یہ عالم بات کیا؟ — اے معاون مست وخوش یوں جو اٹھا؟
رات دیکھا خواب کیا اے بوالعُلا — شہر و ویرانے سے باہر ہوگیا
بند دیکھا خواب میں ہاتھی ترا — یا تو چھوڑا ساتھ اپنے یاروں کا

خواجہ دیکھا خواب میں اے بوالعُلا   اس نے دی جاں از برائے کبریا
دیکھا سوتے خواجۂ بیدار کو   جاں سپردہ طالبِ دیدار کو
خواب دیکھا معطیِ امید کا   اک ہزار ایسا جو امرِ حق سے تھا
مست و بےخود یوں شمار اس نے کیا   مستی میں ہوش و خرد سب کھودیا
گھر کے اندر آکے لمبا گر گیا   گرد اس کے ایک انبوہ خلق کا
ہوکے با خود بولا اے بحرِ خوشی   اے کہ رکھا ہوش اندر بیہشی
خواب یہ کیسی بیداری رکھی   بے دلی میں خوب دلداری رکھی
فقر کی ذلت میں پنہاں سروری   طوق دولت بھی گردن فقر کی
ضد میں ضد داخل مگر مخفی رہی   کھولتے پانی میں ہے آتش چھپی
آتشِ نمرود میں گلشن نہاں   صرف وہ خرچ اس میں خود آمد نیاں
بولے شاہِ کامیابی مصطفیٰؐ   اہلِ نعمت نفع دیتی ہے سخا
صدقہ کیوں ہو خسارا مال کا   ہے سخاوت حق سے اچھا رابطہ
ہو بڑھاؤ مال کا وجہِ زکوٰۃ   فحش و منکر سے بچاؤ ہے صلوٰۃ
پاسباں تھیلی کو تیری ہے زکوٰۃ   ہے نگہباں بھیڑیوں سے وہ صلوٰۃ
میٹھے پھل پوشیدہ اندر شاخ و برگ   ''زندگی جاوداں در زیرِ مرگ''
فضلہ بن جاتا ہے مٹی کی غذا   پس زمیں سے میووں کی نشو و نما
جو عدم میں تھا نہاں موجود ہے   فطرتِ ساجد میں خود مسجود ہے
سنگ و آہن ظاہراً تاریک ہی   باطناً نور اور جہاں کی روشنی
ہیں ہزاراں خوف میں بےخوفیاں   ہیں سیہ آنکھیں، اجالوں کا جہاں
گالِو تن میں اپنے شہزادہ نہاں   جیسے ویرانے میں گنجینہ نہاں
تاکہ عمدہ شے سے خر بھاگے کہیں   گائے دیکھے شہ نہیں، شیطاں لعیں

اس بادشاہ کی حکایت اور اس کا اپنے تین لڑکوں کو وصیت کرنا کہ اس سفر میں میرے ملکوں میں فلاں جگہ اس طرح سے ترتیب قائم کرو اور فلاں جگہ اسے قائم مقام مقرر کرو لیکن خدا کے لیے فلاں قلعہ میں نہ جانا اور اس کے چاروں طرف چکر نہ کاٹنا

شاہ اور تین تھے شہ کو پسر
تھے سمجھدار اور سب صاحب نظر

ایک سے بڑھ کر پسندیدہ دِگر
در سخا و کار زار و کرّو فر

شاہ کے آگے تھے شہزادے کھڑے
قرۃ العینانِ شہ جوں شمع تھے

خفیہ رہ سے دیکھ کر چشمِ پسر
پانی حاصل کرتا تھا نخلِ پدر

تا کہ فرزندوں کے چشمہ سے وہ آب
باپ ماں کے باغ کو پہنچے شتاب

تازہ رہتے ہیں ریاضِ والدین
چشمہ جاری رکھتے ہیں ان کے دو عین

چشمہ رُک جاتا ہے بیماری سے جب
خشک ہو جاتے ہیں شاخیں پتّے سب

جھاڑ کی خشکی بتاتی ہے تبھی
باپ ماں بچے دیتے تھے نمی

اس طرح چشمے ہیں پنہائی کئی
ہیں تمھاری جان سے واصل سبھی

اے تو کھینچے خاکداں چرخ سے
مایہ تاکہ فربہی تو پاسکے

تن کو اجزائے جہاں چوری کیا
اِس سے اُس سے پارہ پارہ لے لیا

''از زمین و آفتاب و آسماں''
کرلیا پھر ان کو جزوِ جسم و جاں

تو یہ سمجھا مفت ہی سب پالیا
وہ نہ آئیں گے نہ تو لوٹائے گا

مال چوری کا نہیں پائیدار
چور کو پہنچائے وہ تابہ دار

مانگے گا کب تک ہے لوٹانا اسے
جو بھی لے گا وہ تو دینا چاہیے

میں نے پھونکا، وہ تو ہے دادِ خدا
روح ہی رہ، ہے دِگر سب بیہودہ

جاں کی نسبت اس کو بیہودہ کیا
صنعتِ حق سے نہیں کچھ واسطہ

عارف کا ابدی زندگی کے سر چشمہ سے مدد حاصل کرنے کا بیان اور اس کے باوفا پانیوں کے چشموں سے جذب کرنے اور مدد حاصل کرنے سے بے نیاز ہونا کہ اس کی علامت کے دھوکے کے گھر سے جدائی ہے کیونکہ انسان جب چشموں کی مدد پر بھروسہ کرتا ہے باقی رہنے والے چشمہ کی طلب کی نسبت ہو جاتی ہے چنانچہ حکم الٰہی ہے۔ رباعی:

ایک چشمہ ضروری تجھے جاں کے اندر　　چشمہ جو ہیں عارضی نہ کھولیں گے در
ہو چشمہ آب گر درونِ خانہ　　باہر جو چلی نہر ہے اس سے بہتر
اصلِ ہرشئے چشمۂ باطن ترا　　اور چشموں سے فراغت پائے گا
گھر کے اندر چشمہ پانی کا جو ہو　　چشمۂ بیرونِ در سے خوب وہ
کھینچتا ہے سینکڑوں چشموں سے آب　　ایک بھی کم ہو تو جاں پر عذاب
جوش زن ہوگا جو چشمۂ باطنی　　چشمہ کی چوری سے تو ہوگا غنی
آنکھ کی ٹھنڈک اگر ہو آب و ِگل　　تجھ کو حاصل اس سے ہوگا دردِ دل
قلعہ کو باہر سے گر آب آئے گا　　امن کے ہنگام افزوں پائے گا
قلعہ کو دشمن جو تیرا گھیر لے　　تا کہ اندر آ کے خونریزی کرے
کاٹے گی پانی کو باہر سے سیاہ　　قلعہ والوں کو نہ ہوگی جب پناہ
کھاری پانی تب قلعہ کے چاہ کا　　باہر کے جیحوں کے پانی سے بھلا
قاطعِ اسباب لشکر آئے گا　　ڈالی پتے جو خزاں سب کاٹے گا
ان کی دنیا میں نہیں حامی بہار　　ہاں مگر جاں میں جمالِ روئے یار
اس لیے دھوکے کا گھر دنیا کا نام　　پیچھے کھینچے موت کے دن اپنے گام
اس سے پہلے دائیں بائیں دوڑا تو　　تا کہ لوں، لینے نہ پایا درد کو
چاہا وہ تیرے لیے غم سے اماں　　کوہ دس ہوں تیرے غم کے درمیاں
غم کا لشکر پہنچا وہ چپ ہوگیا　　خود نہ بولے گا شناسا ہوں ترا
دی مثل دیو کے لیے اللہ نے　　جنگ میں حیلوں سے لائے گا تجھے

تجھ سے بولے گا معاون ہوں ترا
ہر مشقت میں بلا میں در جفا

میں مدد تیری کروں ہمرہ رہوں
خطروں میں دوڑتا آگے رہوں

تیر کے آگے سپر تیری بنوں
تنگیوں میں میں ترا مخلص رہوں

عیش میں جاں بھی کروں تجھ پر فدا
شیر میرے، میرے رُستم، مردہ رہ

کفر کی جانب دلائے دھوکوں سے
ہیں دغا، مکر اس کے تھیلے میں بھرے

رکھا پاؤں آگے، خندق میں گرا
کھل کھلا کر ہنس کے وہ کہنے لگا

یہ کہے آ تجھ سے امیدیں مری
وہ کہے جا، مجھ کو تجھ سے نا خوشی

عدلِ حق سے تو نہیں ڈرتا ذرا
خوف حق مجھ کو ہے، مجھ سے دور جا

بولے حق ، نیکی سے وہ خود ہے جدا
تو بھی ان حیلوں سے کیوں چھوٹے بھلا

حق کہے وہ خود ہے نیکی سے جدا
تو بھی کب مکاری سے ہوگا رہا

فاعل و مفعول در روزشمار
دونوں ساتھی، روسیاہ و سنگسار

رہزدہ، رہزن بروزِ فیصلہ
چاہ میں لعنت کی پائیں گے جگہ

دیو اور احمق جس کو بھٹکا دیا
صبر کرنا ہوگا چھٹکارا کجا

خر بھی خر والا بھی دلدل میں پھنسے
وہ یہاں غافل وہاں غائب ہوئے

جو سوا اس کے پلٹ کر جائیں گے
جاڑے فصلِ بہارا پائیں گے

توبہ کرلیں دے گا منظوری خدا
مہرباں بندوں پہ وہ فرماں روا

جب پشیماں ہوکے روئے گا کوئی
گریۂ عاصی سے لرزے عرش بھی

جس طرح بچے پہ جھپٹے کوئی ماں
ہاتھ تھامے اور اٹھائے در زماں

دھوکے سے تم کو کیا حق نے رہا
فضل والا، بخشنے والا خدا

دے گا پھر سامان و رزقِ دائمی
خاص عطا اس کی بلا کوشش سبھی

واسطوں پر رشک دریا نے کیا
مشک کو پیاسے نے بھی رد کردیا

شاہزادوں کا لے اب قصہ ذرا
حد سے باہر یہ بیاں چلتا رہا

اس سخن کی حد نہیں بس کر یہاں
چل تو بسوئے قصۂ شہزادگاں

تینوں شہزادوں کا باپ کے مما لک میں روانہ ہونا۔ ان کا شاہ کو رخصت کرنے کے بعد اور شاہ کا وصیت کو دہرانا کہ ہوش اڑانے والے قلعہ میں نہ جانا

کرلیے عزمِ سفر تینوں پسر — اندرونِ ملک داریِ پدر
طوفِ شہر اور گھومنے گردِ حصار — بہر نظم و مالیاتی کاروبار
عزم پر شہ سے اجازت مانگ لی — حزم دیکھا شاہ نے بھی ہاں کہی
وقتِ رخصت ہاتھ چومے شاہ کے — دی نصائح بھی انھیں کچھ شاہ نے
جاؤ تم اب دل جدھر بھی لے چلے — فی امان اللہ چلو کہتے ہوئے
اک قلعہ ہے نام جس کا ہشر با — تنگ اس سے تاجداروں پر قبا
حق بچائے صورتوں کے قلعے سے — دور تم سے، اس سے ڈرنا چاہیے
آگا، پیچھا، برج، چھت اس کی زمیں — صورتیں سب پھول پتی پر کہیں
جوں زلیخا کی سجائی کوٹھری — تا نظر یوسفؑ کی پڑ جائے کبھی
خود نظر یوسفؑ نہ کرتے تھے نظر — بھر دیا مکار نے نقشوں سے گھر
تا جدھر سے بھی اُدھر دیکھے وہ یار — دیکھے اس کا چہرہ ہی بے اختیار
آنکھ والوں کے لیے ربُ العُلا — مظہرِ آیات دنیا کو کیا
پیڑ دیکھے یا کوئی حیواں دِکھا — حسنِ ربّانی سے تا پائیں غذا
اس لیے فرمایا اپنی فوج سے — جس طرف بھی رخ ہو پاؤ گے اسے
پیاس میں اک پیالہ پانی گر پیے — پائے اس پانی کے اندر بھی اُسے
عشق سے بے واسطہ ہو وہ اگر — اس کو اپنا چہرہ آئے گا نظر
چہرۂ عاشق فنا اس میں ہوا — دیکھتا ہے کس کو اب اُس میں بتا
حور کے چہرے میں حسن اللہ کا — اس کی صنعت جس طرح پانی میں ماہ
اس کی غیرت عاشق و صادق میں ہی — شے ہے غیرت دیو و حیواں میں کوئی؟
دیو عاشق ہو تو بازی لے گیا — بن گیا جبریل اور شیطاں مرا

یعنی اک شیطاں مسلماں ہوگیا ۔۔۔ با یزیدؒ اک سنگدل آمر ہوا
اس سخن کی حد نہیں ہے اے گروہ ۔۔۔ ہاں ذرا اس قلعہ سے بچ کر رہو
ہاں ہوس رہ سے تمھیں بھٹکا نہ دے ۔۔۔ تا نہ ابدی بدنصیبی پھانس لے
خطرے سے بچنا ضروری ہے بچو ۔۔۔ بے غرض اک بات کہتا ہوں سنو
دیکھو خوشحالی میں سرگرمی بھلی ۔۔۔ اور کہیں گاہِ بلا سے دوری بھی
گر نہ کہتا باپ یہ باتیں سبھی ۔۔۔ اور نہ کہتا قلعے سے بچنے کو بھی
قلعہ کو ٹولی وہ خود جاتی نہ تھی ۔۔۔ اور نہ ہوتا اس طرف کا دھیان بھی
وہ نہ ہی آباد نے مشہور تھا ۔۔۔ راستوں قلعوں سب سے دور تھا
منع وہ بات دل میں بس گئی ۔۔۔ بڑھ گئی دُھن اور خواہش اور بھی
دل میں رغبت منع سے پیدا ہوئی ۔۔۔ ٹوہ لگانی چاہیے اس راز کی
کون ہے روکے سے جو رُک جائے گا ۔۔۔ کہ بشر حرصی ہے ہر ممنوع کا
متقی کو منع شئے نفرت دلائے ۔۔۔ اشتہا اہلِ ہوس کی خود بڑھائے
اس سے بے رہ ہوتی ہے قوم کثیر ۔۔۔ رہبر ان کو قلب جن کے ہیں خبیر
کب کبوتر پالتو نے سے ڈرے ۔۔۔ ڈر ہے آوارہ کبوتر کے لیے
بولے اس کو ہم کریں گے خدمتیں ۔۔۔ جو سنا مانا پہ ہم عامل رہیں
منھ نہ موڑیں گے ترے فرمان سے ۔۔۔ کفر ہے غفلت ترے احسان سے
پر وہ انشاء اللہ ، تسبیحِ خدا ۔۔۔ ہوگئے خود اعتمادی سے جدا
ذکر انشاء اللہ اس کے حزم کا ۔۔۔ ابتدائے مثنوی میں آگیا
سو کتابیں ہوں بھی پر ہے باب ایک ۔۔۔ سینکڑوں جہتیں ہوں جوں محراب ایک
مرکز ان راہوں کا بس اک خانہ ہے ۔۔۔ ہیں ہزاروں خوشے اصل اک دانہ ہے
دانے لاکھوں ہیں کئی اقسام کے ۔۔۔ غور سے دیکھو تو سب ایک ہی رہے
سیر اک سے ہوگیا باقی طعام ۔۔۔ کھودیے سب اپنی وقعت اور مقام
بھوک کے عالم میں احول ہوگیا ۔۔۔ سو ہزار تو ایک کو دیکھا کیا

بات آزارِ کنیزک کی جو کی — تھی اطبا کی سمجھ میں وہ کمی
وہ طبیباں جیسے گھوڑے بے فساد — جانیں کیا آزار ہے اس پر سوار
ان کے تالو پر سبھی زخمِ لگام — پھیرنے سے زخمی ان کے سُمِ گام
وہ نہ سمجھے کہ ہماری پشت پر — ہے سوار اک باکمال و چست تر
سر جو چکرائے نہیں وجہِ لگام — ہے تصرّف اس کا جو ہے دوست کام
ہم طلب میں گُل کی گلشن کو چلے — پھول دیکھا تھا جنھیں وہ خار تھے
کیسے کہہ سکتے ہیں یہ خود سوچ کر — کس کی لاتیں پڑ رہی ہیں حلق پر
وہ طبیباں بند ہیں اسباب کے — مکرِ حق سے ان پہ پردے ہیں پڑے
بیل کو باندھے طویلے میں بجا — بیل کے بدلے مگر پائے گدھا
نیند کے جانے سی غفلت از خری — جانے کیوں کس کی ہے وہ کاریگری
جانے کیوں تبدیلی وہ کس سے ہوئی — ہوگا شاید آسماں والا کوئی
دائیں جانب تیر کو پھینکا بجا — وہ گیا بائیں طرف دیکھا ہے کیا؟
تو ہرن کے صید کرنے کو چلا — صید خود کو خوک کا تونے کیا
لوٹ کر نکلا کہ ہوگا فائدہ — نفع نے خود قید خانے میں پھنسا
جو کنویں کھودے تھے اوروں کے لیے — ان کے اندر آپ ہی وہ گر پڑے
کر دیا اندر سبب ناکام رب — پھر بھی ہے تو کس لیے وقفِ سبب
اک کمائی سے کئی سلطاں بنے — اور اس سے دوسرے عریاں ہوئے
عقدِ زن سے کتنے قاروں بن گئے — عقدِ زن سے قرض میں کتنے پھنسے
گھومتا ہے یہ سبب چوں دُمِّ خر — اچھا ہے اس پر بھروسہ تو نہ کر
تو سبب چُننے میں مت ہونا دلیر — ہیں بہت سی آفتیں پنہاں بزیر
خوف، دور اندیشی استثنا ہے کیا — کہ گدھے کو بکری دکھلائے قضا
بند آنکھیں ہو سیانا بھی اگر — احولی سے پائے بُز گرچہ ہے خر
حق پلٹ دیتا ہے جو ابصار کو — وہ پلٹتا ہے دل و افکار کو

تو کنویں کو خوشنما گھر پائے گا
دام جیسے دانہ آگے آئے گا
فوجِ مشرک در نگاہِ اہلِ بدر
یوں گھٹا کر پیش کی وقعت نہ قدر
کیوں گماں اس میں، ہے تقلیبِ خدا
یہ دکھائے ہے حقیقت کس جگہ
جو بھی کرتا ہے حقائق کی نفی
ہے خیالوں پر اٹل وہ اپنے ہی
ہے خیال اس کو سمجھنا بھی خیال
آنکھ اپنی کھول ہو آگاہِ حال

بادشاہ کے لڑکوں کا قلعہ کی جانب جانا اس لیے کہ انسان جس چیز سے روکا جائے اس کا لالچی ہوتا ہے

بندگی ہم نے جتائی ترے آگے لیکن
خوئے بد تیری غلاموں کی خریدار نہیں

ان سب نے باپ کی نصیحت کو پامال کر دیا یہاں تک کہ مصیبت کے گڑھے میں گر گئے اور ان سے لوامہ نفوس کہہ رہے تھے کیا تمھارے پاس ڈرانے والا نہ آیا تھا اور وہ روتے ہوئے اور شرمندہ کہہ رہے تھے یہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو ہم دوزخیوں میں سے نہ ہوتے

اس سخن کی حد نہیں ہے وہ فریق
چن لیے اس قلعہ کی جانب طریق
جھاڑ کو ممنوعِ گندم کے چلے
مخلصوں کے حلقہ سے باہر ہوئے
چوں نہ منع و نہی سے تھے گرم تر
قلعہ کی جانب ابھارے اپنا سر
بر خلاف قولِ شاہِ مجتبیٰ
تا بہ قلعۂ صبر سوز و ہُش ربا
برخلافِ عقلِ ناصح آ گئے
وہ شبِ تاریک میں دن چھوڑ کے
آئے اندر قلعۂ ذات الصدر
پانچ در در بحر و بر بر پانچ در
پانچ حِس ظاہریِ جوں رنگ و بو
پانچ ان سے حسِ باطن راز جُو
وہ ہزاروں صورتیں، نقش و نگار
دیکھ کر دل شاد تھے اور بے قرار

دیکھ کر یہ صورتیں ہو نامہ مست　　تا نہ ہوجائے تو بت گر بت پرست
تو گزر جا صورتوں سے مت ٹھہر　　پیالے میں مے ہے، نہیں پیالے سے پُر
ساقی کی جانب تو پھیلا اپنے گوش　　تا سنے اس سمت کی بانگ و خروش
سن صدائیں آتی ہیں جو دم بدم　　آئے گی جب مے نہ ہوں گے جام کم
معنیِ دلدوز ڈھونڈو اے صفی　　ترک کردو قشر و صورت گیہوں کی
بن گئی ریت آٹا از بہرِ خلیلؑ　　پس ہے گیہوں اور ہی سے اے نبیل
صورتیں بے صورتی سے ہیں عیاں　　اس طرح جیسے کہ آتش سے دھواں
عیب صورت کا اندر خیال　　باز بار آئے تو ہو وجہِ ملال
ہے تحیّر حاصلِ بے صورتی　　واضعِ آلات ہے بے آلتی
ہاتھوں کو ڈھالے وہ ہاتھوں کے بنا　　جانِ جاں آدم کو با صورت کیا
دل میں جوں در عالمِ ہجر و وصال　　آتے ہی رہتے ہیں گوناگوں خیال
ہے مؤثر اور اثر میں ربط کیا　　نوحہ کو نقصان سے کیا واسطہ
نوحہ با صورت ضرر صورت بنا　　ہاتھ چاہے دکھ میں دکھ بے دست و پا
یہ مثل قابل نہیں اظہار کے　　جہدِ ناکس ہے سجھانے کے لیے
جو بھی صورت صنع بے صورت بنائے　　با حواس و جسم و اعضا ڈھل کے آئے
تا کہ ہو صورت کا جو بھی اقتضا　　نیک و بد افعال تن لائے بجا
صورتِ نعمت جو ہو شاکر بنے　　صورت مہلت جو ہو صابر بنے
رحم کی صورت جو ہو شاداں رہے　　رنج کی صورت جو ہو نالاں رہے
شہر کی صورت جو ہو نکلے سفر　　تیر کی صورت جو ہو تھامے سپر
صورتِ خوباں جو عشرت کرے　　صورتِ غیبی تو خلوت میں چلے
ہو جو محتاجی کمائی کو بڑھے　　زورِ بازو چھینا جھپٹی کو چلے
داعیانِ گوناگوں تخیل و کار　　ان کی حد کوئی نہ ہے کوئی شمار
ہیں مذاہب ان گنت اور پیشے بھی　　صورت تخیل کے سایے سبھی

بام پر اک قومِ خوشدل ہے کھڑی　　پر زمیں بوس ان کے سایے ہیں سبھی
فکر کی صورت رہی بالائے بام　　اور عمل جوں سایہ بر اعضا تمام
ہے عمل اعضا پہ پوشیدہ خیال　　پر بہم دونوں بتاثیر و وصال
صورتیں وہ بزم سے مستِ خوشی　　ان کا حاصل بیخودی و بیہشی
مرد و زن در حالتِ ہم بستری　　فائدہ کیا قوتِ بے صورتی
جنگ میں صورت ہے تلوار و سپر　　فائدہ بے صورتی یعنی ظفر
مدرسہ متعلقاتِ مدرسہ　　سب کا حاصل علم بے صورت ہوا
بندے بےصورت کے ہیں بےصورتیں　　صاحبِ نعمت کے منکر کیوں بنیں
بندے بےصورت کے باصورت سبھی　　ان کا رکنا، مٹنا اس کے آگے ہی
ایک بےصورت سے جو باصورت بنے　　پھر یہ کیوں انکار اپنے بانی سے
خود اُسی سے اس کا ہے انکار بھی　　یعنی منکر خود ہے اس کا عکس ہی
ہر مکاں کی چھت بھی جو دیوار ہے　　سایۂ اندیشۂ معمار ہے
ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا بر قرار　　اینٹ، پتھر اور نہ لکڑی آشکار
پس بلا صورت بنانے والا ہے　　صورت اس کے ہاتھ میں جوں آلہ ہے
اور وہ بےصورت عدم سے گاہ گہ　　صورتوں کے آگے ہوگا رونما
تا کہ ہر صورت مدد حاصل کرے　　اس کی قدرت و خوبی و تکمیل سے
پھر وہ بےصورت چھپا لے گا جو رو　　بہر گد یہ آئیں گے بارنگ و بو
یک دگرصورت میں گر ڈھونڈے کمال　　در حقیقت ہوگا وہ عینِ ضلال
ہاں مگر وہ صورتِ خاصِ خدا　　حق ہدایت کو جسے پیدا کیا
پس تو کیا کرتا ہے پیش اے بے ہنر　　احتیاج اپنی یہ محتاجِ دگر
بندہ صورت، بابتِ حق کچھ نہ کہہ　　چھوڑ ظن، تمثیل صورت کو نہ جا
ڈھونڈ تو زاری میں، خود کو کر فنا　　کچھ نہ پائے سوچ سے صورت بنا
ہو نہ ہو صورت کے بنا تو خوش اگر　　ہو نہ تجھ سے، ویسی صورت خوب تر

شہر کی صورت جہاں تو جائے گا ذوقِ بے صورت ادھر پہنچائے گا
پس بباطن ہے سفر تا لامکاں کہ خوشی ہے بے مکان و بے زماں
صورتِ جاناں کی جانب تو چلا اس کی الفت میں کھنچے جاتا رہا
سوئے بے صورت رہا تیرا سفر گو ہے خود مقصود سے تو بے خبر
در حقیقت ہے خدا معبود کُل ذوق میں طے ہورہے ہیں یہ سُبل
بعضوں نے دم کی طرف رُخ کرلیا گرچہ سر ہے اصل سر گم کردیا
پر وہ سر گمراہوں کے آگے ہے گُم دیتے ہیں سر کی عضا از راہِ دُم
سر سے وہ پائے عطا اور بہ ز دُم پاؤں سر اپنے کیے اوروں کے گُم
چوں کہ سب گم ہوگیا، سب پالیا دوڑے جانب کُل کے جب سب کھوگیا

اس تصویروں والے قلعہ کے قصر میں ان کا شاہ چین کی لڑکی کی تصویر کو دیکھنا اور تینوں کا بے ہوش ہوجانا اور فتنہ میں پڑنا اور اس کی جستجو کرنا کہ یہ تصویر کس کی ہے

بات بے حد دیکھتا ہے وہ گروہ ایک صورت دل نشیں و باشکوہ
دیکھ کر تھے اس سے بھی بہتر مگر ہوگئے مبہوت اس کو دیکھ کر
افسوں گو پیالے سے ہی حاصل ہوئی پیالہ تھا محسوس اور افیوں نہ تھی
کر گیا کام اپنا قلعۂ ہش ربا کردیا تینوں کو دکھ میں مبتلا
دل کو چھیدا ان کا غمزہ بے گماں دے اماں اے امن والے دے اماں
ساتھیوں کو وہ بتِ سنگیں جلائے آگ ان کے دین اور دل میں لگائے
ہوتی کیا جاندار وہ ہوتی اگر فتنے اس کے ہوتے ہر لحظہ دگر
پیار شہزادوں کو متاثر کیا دل میں مانندِ سناں چبھنے لگا
ابر کے مانند روتے تھے سبھی بت چباتے کرتے تھے افسوس بھی
ہم نے اب اور شہ نے دیکھا پہلے ہی کتنی قسمیں اس نے دیں ہم کو تبھی
انبیاء کا حق بڑا ہم پر رہا ہوگا کیا انجام انھوں نے کہہ دیا

بو کے تو پائے نہ کانٹوں کے سوا
اس طرف اڑنے نہیں تجھ کو جگہ

بیج مجھ سے لے جو پیداوار دے
میرے پر سے اڑ کہ اس جا چلے

تو نہ جانے، ہے یہ اس کو چاہیے
خود تو آخر اعتراف اس کا کرے

ہے تجھی سے پر نہیں تن سے ترے
وہ ترا تو ماؤمن سے ہے پرے

ظاہری تو اپنا تو سمجھے جسے
جہت میں وہ، جہت سے تو ہے پرے

کیوں ہے لرزاں سیپ تو اے گہر
نے نہیں ہے تیرا تو ہے خود شکر

تجھ سے بیگانہ ہے یہ تیری توئی
کر لے حاصل وہ توئی رد کر دوئی

سوئے اول آتی آخر کی تو
از برائے وصلت تحذیر کو

تیری تو مغلوب دیگر سے ہوئی
بندگی خوش مردِ خود آگاہ کی

آئینہ میں اک جواں دیکھے جسے
شیخ دیکھے اینٹ میں پہلے اُسے

باہر آئے اپنے شہ کے حکم سے
باپ کے الطاف سے باغی بنے

بات شہ کی ہم کو معمولی لگی
بے نظیر ان کی و انعامات بھی

دیکھو کیوں خندق کے اندر گر پڑے
گو نہیں ہے جنگ ہم مارے گئے

تکیہ اپنی عقل و دانائی پہ تھا
لو مصائب کا ہوا اب سامنا

بے غلامی بے مرض یوں کس لیے
جس طرح بیمارِ دق ہم ہوگئے

علتِ پنہاں ہوئی اب آشکار
بعد ازاں قیدی ہوئے اور شکار

ذکرِ حق سے سایۂ زہر بھلا
کھانوں سے بہتر قناعت کا مزا

تو نے دیکھا ہے قناعت میں حسن!
ذکر ذکرِ حق ہے ذکرِ بوالحسن

آنکھ اک بس کا ہے کو صدہا عصا
آنکھ جانے کیا ہے کنکر ہیرا کیا

لگ گئے تحقیق میں غمگیں جواں
کس کی صورت ہوگی یہ اندر جہاں

وہ سفر میں جستجو کرتے ہوئے
راز وہ افشا کیا اک شیخ نے

کان سے نے بلکہ وحیِ ہوش سے
اس کے آگے راز تھے سارے کھلے

بولا نقشِ غیرتِ پروین ہے
یہ تو عکسِ شاہزادی چین ہے

شاہ چیں کی بیٹی ہے بے مثال ''در بہاؤ در کمال و در جمال''

جیسے جاں اور جوں پری پنہاں ہے وہ چھپ کے اندر پردۂ ایواں ہے وہ

راہ اس تک مرد ہی پائے نہ زن شاہ نے رکھا ہے محفوظ از فتن

شاہ کو غیرت ہے اس کے نام پر مرغ کوئی پر نہ مارے بام پر

شامت اُس دل کی کہ عشق ایسا لگے یہ جنوں اللہ کسی کو بھی نہ دے

بیج نادانی کے بونے کی سزا پند کو جو سہل و بے وقعت کہا

ہے بھروسہ سوچ پر اتنا اسے کہتا ہے میں کام لوں گا عقل سے

آدھا ذرّہ ہو توجہِ شیخ اگر عقل کی تدبیر ہوگی خوب تر

ترک کر تدبیر اپنی اے میاں بس عنایت پر لٹادے اپنی جاں

تیرے ان حیلوں سے ہو کیا فائدہ حیلے بے سود ہو نہ جب تک خود فنا

نہ مرے جب تلک پائے نہ سود جافنا ہوجا ملے ثمرہ وجود

صدر جہاں بخاری کی حکایت کہ جو سائل زبان سے مانگتا ہے اس کے عام صدقے سے محروم ہوجاتا ہے اور اس عقلمند درویش نے بھول کر اور جلدی میں زبان سے مانگ لیا اور صدر جہاں نے اس سے منھ پھیر لیا۔ وہ ہر روز اپنا حیلہ کرتا اور اپنے آپ کو کبھی چادر کے اندر عورت بناتا اور کبھی اندھا اور کبھی اپنا چہرہ چھپا لیتا اور وہ اس کو ذہانت سے پہچان لیتا

تھے بخارا میں وہ صدر اعظم ایک سائلوں کے ساتھ عمل تھا ان کا نیک

بخششیں بے حد، عطائیں بے شمار تا بشب تھا زر سخاوت میں نثار

سونا کاغذ میں لپیٹے پھینکتا جب تلک دنیا میں وہ موجود تھا

جیسا سورج، چاند جیسا وہ سخی روشنی پاکر لٹاتا تھا سبھی

خاک کو سونا عطائے آفتاب سونا اندر کان و گنج اندر خراب

تھا وظیفۂ یک گروہ ہر صبح کو
تا انھیں محرومی کا موقع نہ ہو

ایک دن بیماروں کو بہرِ عطا
دوسرا بیواؤں کا روزِ سخا

روزِ دیگر علویانِ بے نوا
ایک دن مشغولیت با فقہا

روزِ دیگر تنگ دستانِ عام
روز دیگر بر گرفتارانِ دام

ایک دن بہرِ یتیمِ بے پدر
قیدیوں کے واسطے روزِ دِگر

ایک دن پردیسیوں کے واسطے
ایک بندوں کی رہائی کے لیے

شرط ایک ہی یہ کہہ کھولے نہ زباں
طالبِ زر ہو کے کوئی ان کے ہاں

ہوتے سب خاموش اس کی راہ پر
جیسے اک دیوار صف باندھے اُدھر

ناگہاں جب کوئی کرتا سوال
ایک حبّہ بھی نہ لے سکتا وہ مال

ناجی وہ جو چپ رہے اس کا اصول
خاموشوں کا کیسہ و کاسہ حصول

نہ کرے کوشش تو وہ پیارا اسے
کیسہ، کاسہ خامشوں کے واسطے

اتفاقاً ایک بوڑھا بے نوا
بھوکا ہوں میں، دے زکوٰۃ اس سے کہا

منع کرنے سے وہ ضد پر آ گیا
لوگوں کو اس پر تعجب تھا بڑا

پس بڑا بے شرم ہے اس نے کہا
بولا بوڑھا، تو ہے بدتر بے حیا

یہ جہاں تو کھالیا، اور طمع سے
چاہتا ہے وہ جہاں بھی لوٹ لے

پس یہ سن کر آئی خواجہ کو ہنسی
مال بوڑھے کو دیا تنہا سبھی

پس بجز پیر اور طالب کو کوئی
نیم حبّہ زر نہ کوڑی ہی ملی

تھی فقیہوں کو جو نوبت ناگہاں
اک فقیہ لالچ میں محوِ فغاں

کی بہت زاری کوئی چارہ نہ تھا
کیں بہت باتیں مگر بے فائدہ

روزِ دیگر چیتھڑہ باندھے گردِ پا
صف میں بیماروں کی شامل ہوگیا

چٹیاں پنڈلی پہ اس کی تھیں بندھی
تا کہ سمجھیں ہے شکستہ پا کوئی

دیکھا پہچانا پہ کچھ بھی نہ دیا
نمدے سے منھ ڈھانپنے اک دن آ گیا

تا کہ اندھا جان لیں وہ آ گیا
ہوگیا اندھوں کی صحبت میں کھڑا

نہ دیا پہچانا اس کو وہ عزیز | بولنے کے جرم کوئی بھی چیز
جب وہ مکاری سے عاجز آ گیا | چادر اوڑھے جیسے زن وہ آ گیا
آ کے بیٹھا بیواؤں کے درمیاں | سر جھکائے ہاتھوں کو رکھا نہاں
پھر بھی پہچانا نہ کچھ صدقہ دیا | وجہ محرومی دل اس کا جل گیا
صبح کو پیشِ کفن خواہ چل دیا | کہ مجھے کفنا کے رکھ دے پیشِ راہ
کچھ نہ کہہ بس دیکھتا رہ بیٹھ کر | تا گزر صدرِ جہاں کا ہو اِدھر
ہے یہ ممکن دیکھے مردہ جان کر | کچھ کفن کے خرچ کو ڈالے وہ زر
جو بھی دے وہ آدھا لے گا اس سے تو | پس کیا ویسا فقیرِ حیلہ جو
اس کو نمدے میں لپیٹا اور چلا | راہ میں صدرِ جہاں کی لا دکھا
جوں ہی ڈالا اُس نے اُس نمدے پہ زر | ہاتھ باہر کر کے جھپٹا زود تر
تا نہ لے لے وہ کفن خواہ خود صلہ | موقع کیوں اس کو خیانت کا بھلا
ہاتھ اپنے مردے نے باہر کیا | ہاتھ کے بعد اس نے باہر سر کیا
دیکھ اے صدرِ جہاں کیسے لیا | بند در بخشش کا تھا تو نے کیا
پر نہ جب تک تجھ کو موت آئی نہیں | نفع مجھ سے تو نے پایا ہی نہیں
''موت سے پہلے مرو'' کیا ہے یہی | بعدِ مردن یوں غنیمت آئے گی
غیرِ مردن کوئی ہشیاری دِگر | حق کے ہاں ہوگی نہ کوئی بادور
سینکڑوں کوشش سے بہتر اک عطا | جہد کو جب خوف ہے سو طرح کا
موت پر موقوف پروہ عطا | معتبر لوگوں کا ہے یہ تجربہ
مہربانی بن نہیں ہے موت بھی | بے عنایت جا پہ کیوں ٹھہرے کوئی
وہ زمرّد تو ہے بوڑھے سانپ کا | سانپ اندھا بے زمرّد کب ہوا

ان دو بھائیوں کی حکایت جو ایک چگی داڑھی (ٹھوری کے نیچے کچھ بال) والا اور ایک بغیر داڑھی کا تھا۔ وہ ایک رات مردانہ خانے میں سو گئے۔ بغیر داڑھی والے

اپنی مقعد کے در پر اینٹوں کا چٹا لگا لیا اور انجام کار مغلم نے اغلام کیا اور وہ ان اینٹوں کو تدبیر مقعد پر سے ہٹا رہا تھا وہ لڑکا جاگ گیا اور غصہ سے کہا کہ بتا اینٹوں کو تو نے کیوں ہٹایا اور اس نے کہا تو نے کیوں رکھا

ایک امرد داڑھی والا، اک بے ریش
دونوں آئے شہر میں ہی جلسہ تھا
منتخب کچھ لوگ تھے مشغول ابھی
ڈھل گیا دن، اک تہائی رات تھی
اس مجرد خانہ میں وہ دو ہی تھے
ڈر انھیں تھا اس پہ شب کرد سے
تھوڑی پر باریش کی دوچار مو
چودھویں کے چاند جیسا اُس کا رو
پر وہ امرد جو تھا صورت میں برا
بیس اینٹیں کوں کے پیچھے رکھ لیا
ایک بد کردار لوطی آ گیا
اس نے امرد کی وہ اینٹیں دیں ہٹا
ہاتھ ڈالا اس پہ اور چونک اٹھا
جوں تو اے سگ پرست اس کو کہا
تو نے تیس اینٹیں جمائیں کس لیے
پوچھا وہ اینٹیں ہٹائیں کس لیے
بولا اے بھالو کمینے دوزخی
ابلہ تو بالو سی خاصیت تری
لڑکا میں رنجور مارا ضعف کا
پس حفاظت کو بنائی تھی جگہ
ہاں جو بیماری تھی سوزش تھی تجھے
کیا شفا خانہ نہ تھا تیرے لیے
یا طبیبِ مہرباں کا گھر نہ تھا
وہ جو تیرے درد کی دیتا دوا
پوچھا آخر میں کہاں جاؤں بتا
جس جگہ بھی جاؤں میں آفت زدہ
تجھ سا ناپاک اور ملحد ہی کوئی
میرے آگے آئے گا درندہ ہی
خانقاہ گرچہ ہے بہتر مکاں
اس جگہ بھی ہے کہاں مجھ کو اماں
سب شرابی آتے ہیں آگے مرے
آنکھ مست اور خایہ پر بت پھیرتے
آبرو والوں کو بس ذوقِ نظر
وہ نظر پر دین کو ہے پُرخطر
آبرو خود میں جو تھوڑی سی بھی پائے
خفیہ غمزے، غلبہ شہواتی دکھائے
خانقہ یوں ہو تو وہ بازارِ عام
جوں گدھوں کا غول، شیطانانِ خام

تقویٰ کیسا، آبرو کیا، خر کجا
کیا خشیت، خر کو کیا بیم و رجا

چاہیے امن اور انصاف عقل کو
ہوتے ہیں پر مردہ و زن کب عقل جو

عورتوں کی سمت اگر میں جاؤں گا
فتنوں میں یوسف کو خود کو پاؤں گا

وجہِ زن یوسفؑ کو زندان و سزا
میں پچاسوں دار میں بٹ جاؤں گا

میرے چکّر کاٹیں گی جاہل زناں
میری جاں کے دشمن ان کے دوستاں

نے مفر مردوں سے نے عورات سے
اِن سے اُن سے، کن سے چھٹکارا مجھے؟

دیکھا امرد چکّی داڑھی کو تبھی
بولا ان دو بالوں سے تو ہے بری

تجھ کو اینٹ اور نہ ہی جھگڑا اینٹوں کا
تو بھی ویسا ہی ہٹّا کٹّا بے حیا

بال دوچار یہ دکھاوے کے لیے
تیس اینٹوں سے حفاظت کو بھلے

ذرّہ وہ سایہ عنایت کا ہے کیا
لاکھ سعیِ عابداں سے بھی سوا

دیو اثر ضاعات کا زائل کرے
اینٹ دوسو ہوں بھی کیا روکیں مجھے

جب عنایت ہو تو کیا جرأت اسے
تاکہ وہ اپنے لیے کچھ حصہ لے

اینٹیں تیرے ہاتھ کی رکھی ہوئی
اور یہ و مو ہیں دین اللہ کی

وہ اماں نامہ ہے اللہ کی عطا
اور وہ خلعت حق شناسی کا صلہ

ڈالے سو تالے بھی گر دروازے پر
توڑ ڈالے گا انھیں کوئی خیرہ سر

موم کا بھی مہر اگر شہد لگائے
پہلوانوں کا دل اس سے خوف کھائے

مہر موم نرم کا شحنہ لگائے
شیر پنجہ اس طرف لانے نہ پائے

آڑے وہ دو بال جوں کوہِ گراں
جیسے پیشانی پہ سجدوں کا نشاں

چھوڑ مت اینٹوں کو اے نیکو خصال
پر نہ سو ماموں زدیو زشت حال

جاکے دو بال اس کرم کے ساتھ لا
پھر تو سو آرام سے اور غم نہ کھا

نیند عالمِ کی عبادت سے بھلی
علم ایسا جس کا حاصل آگہی

تیر کے بہتر سکوں تیراک کا
نا سمجھ کے جھاڑ سے دست و پا

دست و پا ساکن جو ہوں تیراک ہے
خوب اناڑی کے رہے ٹکراؤ سے

غرق اناڑی دست و پا کو مارتے　　پر سکوں تیراک جیسے لٹھ چلے
ہے بلا حد علمِ بحرِ بے کنار　　علم کا طالب ہے غوّاصِ بحار
عمر اس کی ہو ہزاروں سال اگر　　سیر وہ ہرگز نہیں ہوگا مگر
وہ رسولِ حق بتائے بالیقیں　　دو حریص آسودہ ہوسکتے نہیں

اس حدیث کی تفسیر کہ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی دو حریص جو سیر نہیں ہوتے ہیں، دنیا کا طلب گار کہ علم دنیا کے علم کے علاوہ ہوگا تا کہ دو قسمیں بن سکیں لیکن دنیا کا علم بھی دنیا ہے بغیر آخرت کے اور اگر ایسا ہو کہ دنیا کا طالب اور دنیا کا طالب ہے تو تکرار ہو جائے گا نہ کہ تقسیم اس کی پوری تقریر کے

طالب الدّنیا اور اس کی وافرات　　طالب علم اور اس کی تدبیرات
غور فرمائے اگر تقسیم پر　　ہے علاوہ دنیا کے یہ علم اے پدر
غیرِ دنیا عاقبت ہے اور کیا　　بیخ کُن اس جا وہاں کا رہنما
غیرِ دنیا عاقبت ہے بالیقیں　　تجھ کو لے جائے وہاں تک اے امیں

ان تین شہزادوں کا اس واقعہ کی کھود کرید کرنا

تھے بہم متوجہ تینوں مُبتلا　　تینوں کی علت تھی اک، اک رنج تھا
تینوں فکر ایک ان کا سودا بھی　　رنج ایک اور ابتلا بھی ایک ہی
تینوں کی فکر ایک وقتِ خامشی　　گفتگو میں ان کی حجت ایک ہی
تینوں بھی آنسو بہاتے اک زماں　　اور مصیبت میں وہ تینوں خوں فشاں
اور کبھی وہ تینوں دل کی آگ سے　　گرم انگیٹھی جیسے دم بھرتے ہوئے

سب سے بڑے بھائی کی گفتگو

بولا وہ بھائی بڑا خود چھوٹوں سے　　مرد ہم سب کو نصیحت کے لیے

نوکروں سے جو بھی کرتا تھا گلہ
زلزلہ کا فتنہ یا خوف و بلا

ہم یہ کہتے شکوہ بے جا ہے تجھے
صبر کنجی سے کشائش کے لیے

اپنی اس چابی کو اب کیا ہوگیا
ضابطہ وہ رد ہوا یا کیا ہوا

کہتے تھے جب کشمکش در پیش ہو
بن کے سونا آگ کے اندر ہنسو

ہر سپہ کو کہتے تھے ہنگامِ جنگ
ہاں نہ ہوجائے کبھی تبدیل رنگ

موقع ہوتا جب کبھی پامالی کا
ہوتے مقتولوں کے سر جب زیر پا

کہتے تھے ہاں ہاں ہم اپنی فوج کو
یعنی تم غلبہ کے ساتھ آگے بڑھو

صبر کا ہم نے دیا سب کو پتہ
کہ چراغ و نور ہے وہ سینہ کا

اپنی باری ہم پریشاں ہوگئے
جوں زنانِ زشت چادر میں چھپے

تونے اے دل مستعد سب کو کیا
شرم کر، خود مستعد ہوجا ذرا

اے زباں خود سب کی ناصح تھی تو ہی
اب تری باری ہے کیوں چپ ہوگئی

اے خرد وہ پندِ شیریں کیا ہوئی
وقت تیرا ہے، کہاں ہیہا تری

مشکلیں کیں دور تونے سو بجا
اب تری باری ہے بس داڑھی ہلا

بد دلی سے گر رکھی داڑی چھپا
تو کیا داڑھی کا پہلے مضحکہ

پند کے ہنگام کرنا ہائے ہائے
اپنے غم میں جوں زناں سب وائے وائے

دوسروں کے درد میں گویا دوا
چپ ہوا جب درد مہماں تھا ترا

فوج کو للکار سے ساماں ترا
مار نعرہ کس نے روکی ہے صدا

تونے پنجاہ شاہ محنت سے بُنا
جا پہن لے وہ بُنی اپنی قبا

گوشِ یاراں خوش تری آواز سے
ہاتھ سے خود کان اپنا کھینچ لے

تو ہمیشہ سر رہا، دُم بن نہ جا
دست و پا و مونچھ داڑھی سے گنوا

کھیل برسرِ عام بازی حق ترا
خوش خود اپنے آپ کو رکھنا سدا

یہ حکایت سن ذرا اے باخرد
تاکہ اس کا معنی تو جانے سند

اس کا ذکر کہ ایک بادشاہ ایک فقیہ کو جبراً مجلس میں پکڑ لایا اور بٹھا دیا اور ساقی نے اس فقیہ کے سامنے شراب پیش کی اس نے جام سے منھ پھیر لیا اور ناگواری اور بدمزاجی شروع کر دی۔ بادشاہ نے ساقی سے کہا اس کا مزاج ٹھکانے کر دے ساقی نے چند گھونسے سر پر مارے اور اس کو شراب پینے کے لیے دے دی

بزم میں شاہ مست و شاد تھا — اک فقیہ دروازے پر اس کے گیا
لانے مجلس میں اشارہ کر دیا — اور شرابِ سرخ دینے بھی کہا
پیشِ شہ لائے اسے بے اختیار — منھ بنائے بیٹھا گویا زہر مار
نہ قبولا لا رکھے مے سامنے — پھیرا منھ ساقی سے بھی اور شاہ سے
عمر میں اب تک نہ پی میں نے شراب — مے سے بہتر ہے پی لوں زہرناب
مے کے بدلے زہر دے دو تم مجھے — مجھ سے تم سب اس طرح بچ جاؤ گے
بن پیئے مے دنگا کرنے لگ گیا — بارِ خاطر اہلِ مجلس ہو گیا
جس طرح تنگ اہلِ جسمِ آب و گل — بیٹھتے ہیں بزم میں اہلِ دل
اہلِ دل سے حق نہیں رکھتا چھپا — بادۂ ابرار دیتا ہے بلا
پیش کرتے ہیں وہ مجوبوں کو جام — کچھ نہیں حاصل انھیں خیر از کلام
پھیر لیتے ہیں وہ منھ ارشاد سے — کہ نہیں حاصل کچھ ان کی داد سے
کان سے تا حلق ہو گر راستہ — پند کا تب راز اندر جائے گا
نار اس کی جان میں ہے بر جائے نور — ڈالتے ہیں نارِ سوزا میں قشور
مغز نے چھلکا ہے اندر بات کا — چھلکے سے معدے کو کیا ہے فائدہ
نارِ دوزخ کو ہے مطلب پوست سے — مغز سے مطلب نہیں کوئی اُسے
مغز پر گر آگ شعلہ زن رہے — ہے پکانے، نے جلانے کے لیے
حق حکی اور اس کا جاری قائدہ — تا کہ اس کے بندوں کو ہو فائدہ
چھلکا عمد مغز سے بخشا گیا — ایسے میں وہ مغز کو کیوں پھونکے گا

گر عنایت سے سر اس کا کوٹ دے   لعل گوں مے کی طلب پیدا کرے
گر نہ کوٹے، بند رکھّے وہ دہان   جوں فقیہ و شُرب سے بزم شہان
شہ نے ساقی کو سراہا اور کہا   کیوں ہے چپ، کر ٹھیک اسے اور مے پلا
ہوتا ہے ہر عقل پر حاکم غنی   جس کو چاہے عقل سے کر دے بری
مشرق اور خورشید اور اس کی روشنی   اس کی اک زنجیر میں جکڑے سبھی
چرخ کو چکّر میں لے آئے تبھی   ذہن میں تھوڑا ابھی فن پڑھ دے کبھی
عقل دیگر عقل کو گر سر کرے   مہرہ ہے وہ نرد کے استاد سے
چند چپت مار کر بولا کہ لے   پی لیا لے کر وہ ڈر سے سیلی کے
عالمِ مستی، خوشی کا رنگ تھا   ہم نشینی بھائی، ٹھٹھے میں لگا
نیم مستی، خوش، بجاتے چٹکیاں   بول کرنے سونے مبرز تھا رواں
اک کنیزک، چاند سی مبرز میں تھی   سخت زیبا لونڈیوں سے شاہ کی
دیکھا اس کو منھ کھلا ہی رہ گیا   عقل گُم مظلوم تن باقی رہا
وہ مجرد، مدتوں مشتاق تھا   جھپٹا لونڈی پر تبھی لپٹا لیا
بس وہ لڑکی مچلی اور چلاّ اٹھی   ہوگیا اس طرح لا حاصل سبھی
مرد کے ہاتھوں میں زن وقتِ لقا   جوں گندھا آٹا بدستِ نان با
گوندھتا ہے نرم گہ اور گہ درشت   دے کھچاکھچ کی صدا بھی زیر مشت
تختے پر اس کو کبھی پھیلائے گا   اور کبھی اک دم سمیٹے لائے گا
ڈالے گا اُس میں کبھی آب و نمک   وہ تنور اور آگ اسے گویا محک
لپٹیں گے وہ طالب و مطلوب یوں   کھیل میں گم غالب و مغلوب یوں
کھیل ہے یہ کب زن و شوہر کا ہی   ہے یہ شغلِ عاشق و معشوق بھی
سب قدیم و حادث و جوہر عرض   گتھیں یوں ویس و رامین الغرض
کھیل ہر اک کا رہا رنگِ دگر   ہے دگر انداز گتھنے کا مگر
جیسے ہم شوہر سے کہتے ہیں اِدھر   بے طرح تو دفع بیوی کو نہ کر

کیا نہیں بھاوج نے اس حجرے کی رات / ہاتھ امانت زن کا دی شوہر کے ہاتھ
یہ کہ جو بھی ساتھ اس کے تو کرے / نیک یا بد حق تجھے بدلے میں دے
یہ زنِ دنیا کہ ہے شیدا تری / ہے امانت حق کی تجھ کو دی ہوئی
آخر اُس عالم میں وجہِ بیخودی / پاکدامانی رہی نے زاہدی
وہ فقیہ اس حور بچی پر گرا / روئی میں انگارا جیسے آپڑا
جان سے جاں پیوستہ اور سکڑے بدن / مرغِ بسمل جوں تڑپ اٹھی وہ زن
جام کیسا، شاہ کیا، کیا ارسلاں / کیا حیا، کیا دین و زہد و خوفِ جاں
بادلوں میں گویا آنکھیں چھپ گئیں / ہو بڑا چھوٹا کوئی پروا نہیں
قصد انھوں نے اک دگر سے پالیا / خوش طبیعت، شاد دل دونوں کا تھا
دیر اسے لوٹ آنے میں ہوتی رہی / حد سے گزری انتظاری شاہ کی
شاہ آیا تاکہ دیکھے واقعہ / دیکھا اس جا زلزلہ و قارعہ
گڑبڑا کے وہ فقیہ اٹھا چلا / سوئے مجلس جام اچک کر لے لیا
شاہ غصہ میں جہنم ہوگیا / پیاسا بد افعالوں کے خوں کا ہوا
اس کو جب دیکھا فقیہ پرخشم و قہر / تلخ و خونیں ہوگیا جوں جام زہر
بولا ساقی گرمیِ محفل رہے / چپ ہے کیوں جا شاہ کو پیمانہ دے
ہنس کے بولا شہ، میں اچھا ہوگیا / میں نے یہ لڑکی تجھے دے دی ہے جا
شاہ ہوں میں، کام انصاف و عطا / کھاتا ہوں جو یار کو میں نے دیا
شہد جوں جس چیز کو خود نہ پیوں / کیسے وہ شے یار کو پینے کو دوں
ہر وہ میٹھی چیز جو میں کھاؤں گا / دوں دگر کو وہ جو موزوں پاؤں گا
اپنے بندوں کو کھلاؤں میں وہی / خوان پر اپنے جو پاؤں میں وہی
ہے وہی میرے غلاموں کا طعام / خود جو میں کھاتا ہوں پختہ یا کہ خام
ریشم و اطلس سے ہے میرا لباس / عملہ کی پوشش وہی ہے، نے پلاس
یاد ہے گفتِ رسولؐ ذوالکرم / ان کو پہناؤ پہنتے ہو جو تم

مصطفیٰؐ ابنائے ملت سے کہے   وہ کھلاؤ ان کو تم جو کھاؤ گے
پس وہ ملّا ساتھ حسینہ لے چلا   دکھ مٹانے والے کی وہ خاص عطا
دوسروں کو طبع میں خوش کردیا   صبر می چست اور راغب میں کیا
خود کو مردی سے نشاط آگیں بنا   عقل صبر اندیش کو کر پیشوا
رہنمائی عقل کی جب پر بنے   روح اوجِ عرش و کرسی پر چلے
صبر کو ایوبؑ نے رہبر کیا   در بلا رحمت کا در ان پر کھلا
صبر اعلیٰ جیسی بھی حالت رہے   کچھ بھی ہو، صبر ہاتھ سے جانے نہ دے
صبر کنجی ہے فراخی کی سنا   پھر بھی کیوں وہ دامِ عجلت میں پھنسا
حد نہ جانے یہ سخن خاموش رہ   عاشقوں کا حال کیا اب بتا

بحث اور واقعہ کے پورا کرنے کے بعد شہزادوں کا اپنے مقصود کی طرف چین کی والیت کی جانب روانہ ہونا تاکہ بقدر امکان مقصود سے زیادہ نزدیک ہو جائیں اگرچہ وصل کا راستہ مسدود ہے بقدر امکان نزدیک تر ہونا اچھا ہے

تینوں شہزادوں کو جب حاجت ہوئی   عشق نے تنبیہ موزوں ان کی کی
جو بھی ہونا تھا اسی دم ہوگیا   اتنا کہہ کے ہوگئے وہ رو براہ
صبر اپنایا و صدیقیں بنے   بعد چیں کے شہروں کی جانب چلے
ملک اور ماں باپ کو سب کو بھلائے   گام معشوقِ نہاں کی سمت اٹھائے
جیسے ابراہیم ادھمؒ تخت سے   بے سر و پا عشق سے وہ ہوگئے
یا وہ ابراہیمؑ مرسل کی مثال   خود کو ڈالے آگ میں وہ بے ملال
یا وہ اسماعیلؑ کہ صابر بڑے   پیشِ خنجر و تیغ گردن رکھ دیے

امراءالقیس کی حکایت جوعرب کا بادشاہ اور صورت میں اپنے دور کا یوسف تھا اور عرب کی عورتیں زلیخا کی طرح اس پر قربان تھیں اور وہ شاعر مزاج تھا اور یہ اس کا مصرعہ ہے ؏

تم دونوں ٹھہرو ہم محبوب اور منزل کے ذکر سے رولیں

جب کہ تمام عورتیں دل وجان سے اس کی جستجو میں تھیں تعجب ہے کہ اس کی غزل کس لیے تھی؟ شاید اس نے جان لیا تھا کہ یہ تمام تصویریں ہیں جو مٹی کے تختوں پر نقش کردی گئی ہیں۔ بالآخر امرءالقیس کی ایسی حالت ہوگئی کہ آدھی رات کو ملک اور اولاد سے بھاگ نکلا اور اپنے آپ کو ایک گدڑی میں چھپالیا اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں اس ذات کی طلب میں چل پڑا جو ملک سے پاک ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے مخصوص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے

امرء القیس تشنہ لب ہر ملک سے — کھینچا عربستاں سے اس کو عشق نے
وہ تھا نازک طبع اور صاحب جمال — ''شاعر اور صاحب اصول اندر کمال''
دل پہ تھا عشق حقیقی کا اثر — بھایا ملک اور بال بچے ہی نہ گھر
گدڑی اوڑھی نیم شب میں چل دیا — سلطنت سے اپنی وہ بھاگ چلا
تھا تبوک اندر وہ اینٹیں پاتھتا — شاہوں سے اک شاہ نے اس سے کہا
امرء القیس پہنچا اس جا بے نوا — در شکارِ عشق اینٹیں پاتھتا
شہ وہ اٹھا شب کو آیا رو برو — بولا اے تو بادشاہِ خوبرو
سرد ہیں مفتوح تیری تیغ سے — عورتیں مملوک ماہ بے ابر کے
خوش نصیبی گر ہمارے ہاں رہے — مل کے تجھ سے اپنی جاں سو جاں بنے
میں بھی میرا ملک بھی بندے ترے — تیری ہمت ملک کتنے رد کیے
باتیں حکمت کی کہیں خاموش وہ — کردیا بے پردہ ناگہ چہرہ کو
جائے اس نے کان میں کیا دکھ کہا — جیسے خود اس کو بھی سرگرداں کیا

ہاتھ پکڑا اس نے یار اس کا ہوا
تخت اور پٹکے سے وہ بھی تھک گیا

دور شہروں کو گئے وہ بادشاہ
کیا کیا اک بار عشق ایسا گناہ

ہے بڑوں کو شہد اور بچوں کو شیر
یعنی ناؤ کے لیے بوجھا اخیر

آئے کشتی میں تو کشتی کو ڈبائے
پاؤں سے پیشانی تک پانی چڑھ آئے

عشق نے شاہوں کو ان دو کے سوا
ملک سے کنجی سے کر ڈالا جدا

قصۂ کیخسرو شاہِ زماں
شہرہ اس کا درمیانِ انس و جاں

تین شہزادوں کی جاں بھی گردِ چیں
ہوگئی مانند مرغاں دانہ چیں

دل کی بتلائیں انھیں ہمت کجا
کیوں کہ بتلانے میں ہے خطرہ بڑا

لاکھ سر کوڑی برابر اس زماں
عشق غصہ میں کرے جب زہ کماں

عشق غصہ کے بنا وقتِ خوشی
قتل کردیتا ہے بے باکانہ بھی

ہوگا یہ عالم وہ جب خوشنود تھا
کیا کہوں غصہ میں ہوگا حال کیا

سبزہ زار جاں فدا اُس شیر پر
عشق و تیغِ عشق اسے مارے اگر

لاکھ جینے سے وہ اک مرنا بھلا
شاہیاں اس اک غلامی پر فدا

آپسی گفتار اشاروں میں سبھی
پست خطروں، خوف سے آواز بھی

جز خدا کے راز کا محرم نہیں
آہ کا جز آسماں ہمدم نہیں

اصطلاحیں ان کی خاص اپنے لیے
رکھتے تھے پیغام دینے کے لیے

سیکھ کر بولی پرندوں کی عوام
شان شوکت، سروری کا لیں مقام

بولی گویا مرغ کی ان کا کلام
بے خبر از حالِ مرغاں، مردِ خام

وہ سلیماں دانائے آواز طیر
دیو غاصب ملک پر ہے اور وہ غیر

دیو نے شکلِ سلیمانؑ لی مگر
مکر سب، علم لدن اس میں کدھر

تھے سلیمانؑ جملہ خوش اللہ سے
منطق الطیر ہے لدن کے فیض سے

کر ہوائی مرغ سے حاصل وہ فن
کہ نہ دیکھا تونے مرغِ من لدن

ہے ورائے قاف سیمرغوں کی جائے
ہر خیال اس کونہیں آساں کے پائے

دیکھنے کا ہوگیا گر اتفاق ۔۔۔ بعد اس کے ہوگا فوراً افتراق
اس جدائی میں نہیں کچھ مصلحت ۔۔۔ ہے جدائی سے بری یہ منقبت
جسم روحی تا کہ باقی رہ سکے ۔۔۔ ہٹتا ہے اک لحظہ سورج برف سے
اپنی اصلاح کو تولے ان سے صلاح ۔۔۔ مت چرا باتوں سے ان کی اصطلاح
اس زلیخا نے سپند کیا عود کیا ۔۔۔ نامِ یوسفؑ ہر کسی کو دے دیا
ناموں میں نام اس کا پنہاں کردیا ۔۔۔ محرموں میں راز ظاہر بھی کیا
جب کہیں گے نرم ہے موم آگ سے ۔۔۔ مہرباں ہے یار یہ مطلب بنے
بولے دیکھو رونمائی چاند کی ۔۔۔ یا کہے ہے بید کی ڈالی مری
بولے ہیں پانی کی لہریں جوش پر ۔۔۔ چل رہا ہے کالا دانہ خوب تر
یا کہ پتّے پھڑ پھڑاتے ہیں کہے ۔۔۔ رقص و مستی ساتھ تالی کے کرے
یا کہے گل نے کہا بلبل سے راز ۔۔۔ یا بتایا شہ نے سرِ شاہباز
یا نصیبہ ہے مبارک کس قدر ۔۔۔ یا کہے سامان لے لو جھاڑ کر
یا کہے سقّا لے آیا ہے آب ۔۔۔ یا کہے آیا لبِ بام آفتاب
یا کہے رات اس نے اک ہانڈی پکائی ۔۔۔ یا مسالے پک کے سب ہیں ایک ہی
یا کہے ہیں روٹیاں سب بے نمک ۔۔۔ یا کہے وہ الٹا پھرتا ہے فلک
یا وہ بولے مجھ کو ہے اب دردِ سر ۔۔۔ یا کہ اچھا ہوگیا بولے اگر
محرموں کو علم اس نے کیا کہا ۔۔۔ وہ مخالف یا موافق کیا ہوا
گر سرابنتی، وہ لگا لیتے گلے ۔۔۔ اور جدائی وہ برائی گر کرے
گو ہزاروں نام وہ گڈمڈ کرے ۔۔۔ قصد اس کا صرف اک یوسفؑ رہے
جب بھی بھوکی ہوتی لیتی ان کا نام ۔۔۔ ہوتی سیر اور مست پی کر ان کا جام
پیاس بجھ جاتی تھی ان کے نام سے ۔۔۔ نامِ یوسفؑ شربتِ پنہاں اسے
کوئی بھی ہو درد اس کو وہ نامِ بلند ۔۔۔ ہوتا فوراً اس کے حق میں سود مند
سرما میں اس کے لیے وہ پوستیں ۔۔۔ کرتا ہے یوں نام دلبر بالیقیں

لوگ اکثر لیتے ہیں وہ پاک نام | عشق سے خالی جو ہے آئے نہ کام
جو کیا عیسیٰؑ نے ھو کے نام سے | ہوگا ان کے نام سے ان کے لیے
ساتھ حق کے متصل ہے چوں کہ جاں | ذکر بھی دونوں کا ہوگا ایک ساں
خالی خود سے، پُر ہے عشقِ دوست سے | ٹپکے کوزہ سے جو کوزہ میں رہے
خندہ بوئے زعفرانِ وصل دے | آئے گی بوئے جدائی گریہ سے
ہر کسی کے دل میں ہے صدہا مراد | یہ نہیں ہے مذہبِ عشق و داد
عشق میں ہے یار دن کا آفتاب | اور وہ سورج اس کے چہرے کا نقاب
جو نہ جانے کیا نقاب اور چہرہ کیا | چھوڑ اسے وہ ہے پجاری شمس کا
روز بھی، عشاق کی روزی وہی | دل وہی اور ان کی دلسوزی وہی
مچھلیوں کو پانی سے حاصل سبھی | روٹی بھی پانی بھی جامہ وخواب بھی
طفل کی صورت وہ خوگرِ شیر کا | وہ نہ جانے شیر و پستاں کے سوا
بچہ جانے بھی نہ جانے شیر کو | رہ نہیں ہے اس طرف تدبیر کو
روح حیراں گنڈے سے مفرور کے | تا ملے نا فاتح و مفتوح سے
وہ مگر احمق سلوک اندر نہیں | بحر میں وہ سیل یا جوہر نہیں
آئے جب لینے اسے گم ہو ملے | جوں بہاؤ غرقِ قلزم ہو چلے

ٹھہرنے اور چین کے شہروں شہر دار الخلافہ میں چھپے رہنے اور صبر کے دراز ہوجانے کے بعد اور سب سے بڑے بھائی کا بے صبر ہوجانا کہ میں جاتا ہوں تاکہ اپنے آپ کو بادشاہ چین کے سامنے پیش کروں اور بھائیوں کی نصیحت کا اس کو فائدہ نہ دینا:

یا قدم مجھ کو مرا مقصود دے | یا میں جیسے اپنا دل سر ڈال دوں
یا پاؤں مجھے مقصود تلک پہنچادے | یا دل کی طرح سر کو بھی رکھ دوں اس جا
اے حاذلِ عشاق تو چھوڑ ان کو وہ لوگ | حق نے کیا گمراہ تو دکھائے گا راہ
وہ بڑا بولا سنو بھائی ستم اب | انتظاری میں ہوا میں جاں بلب

ہوگیا بے پروا، سارا صبر بھی جاتا رہا
صبر انگاروں میں لاکر رکھ دیا

صبر سے طاقت مری تنہا ہوئی
عاشقوں کو اس میں ہے عبرت بڑی

سیر جاں سے ہوگیا اندر فراق
زندہ رہنا ہجر میں خود ہے نفاق

دردِ فرقت کتنا مارے گا مجھے
سر اڑا دے عشق سر دے گا مجھے

عشق میں جینا ہے مجھ کو زندگی
باسر و جاں زندگی شرمندگی

تیغ جاں کے پاک کرتی ہے عیوب
محو کردیتی ہے وہ سارے ذنوب

چاند چمکا جب غبارِ تن گیا
جان کو حاصل ہوئی تازہ ہوا

عشق میں محبوب کے میں عمرہا
موت میری زندگی کہتا رہا

دعویٰ مُرغابی کا کرتی ہے یہ جاں
کب روا ہے اس کو طوفاں سے فغاں

بط کو کشتی ٹوٹنے کا کیوں ہو غم
پانی پر کشتی ہیں خود اس کے قدم

زندہ اس دعوے سے میرے جسم و جاں
چھوڑ سکتا ہوں میں یہ دعویٰ کہاں

دیکھتا ہوں خواب پر سویا نہیں
مدعی ہوں میں مگر جھوٹا نہیں

تو اگر سوبار بھی گردن اڑائے
شمع جیسا ہوں اجالا بڑھتا جائے

آگ اگر خرمن کو گھیرے پیش و پس
رہروانِ شب خرمنِ ماہ بس

کردیے یوسفؑ کو پنہاں و خفی
حیلے اخواں کے زیعقوبؑ نبی

ہاں چھپائے حیلہ سازی کی گئی
پیرہن نے آخرش غمازی کی

دونوں نے قصہ میں پند اس کو دی
کہ نہ کر خطروں سے غفلت کبھی

یوں نمک پاشی تو زخموں پر نہ کر
زہر کھانا ہے حماقت سر بسر

بے صلاحِ شیخ با تدبیر کے
جب بصیرت خود نہیں حاصل تجھے

ہائے وہ پرندۂ نارُستہ پر
اُڑ کے اوپر جا پڑے اندر خطر

آدمی کو عقل جیسے بال و پر
گر نہ ہو لازم ہے عقلِ راہبر

بن مظفّر یا مظفّر کر تلاش
بن نظر در یا نظر در کر تلاش

کھٹکھٹانا در بلا عقل و نظر
ہے غلط مبنی ہوائے نفس پر

ہے ہوائے نفس میں عالم پھنسا — زخم بھی کھائے ہے ہمرنگِ دوا
ہے کھڑا جوں موت سانپ اک سینے پر — صید کرنے منھ میں پتّا تھام کر
گھاسوں میں ہے گھاس کی صورت کھڑا — مرغ سمجھے گا کہ ہے وہ بھی گیاہ
بیٹھتا ہے کھانے کو وہ پتّے پر — گرتا ہے وہ سانپ کے منھ میں مگر
جوں ہی منھ گھڑیال اپنے کھول دے — دانتوں کے اطراف کیڑے ہیں بڑے
قوت کے حصہ جو منھ میں رہ گئے — ان سے دانتوں بیچ کیڑے ہوگئے
دیکھتے ہیں مرغ کرم اور قوت کو — وہ چراگہ جان کر تابوت کو
جب پرندوں سے دہن پُر ہوگیا — سانس اندر لی، اور منھ بند کرلیا
نقل و ناں سے پر ہے یہ سارا جہاں — اور مگرمچھ جیسے شکرے کا دہاں
کھانے اور کیڑوں کے تم اے روزی خوار — فن سے گھڑیالِ جہاں کے ہوشیار
لومڑی پڑتی ہے پھیلی خاک پر — تا نہ ہو کچھ خاک پر دھوکے کا ڈر
تا کہ آئے کوّا ان جانے چلے — اور وہ پکڑے اس کا پاؤں مکر سے
مکر لاکھوں ہوں جو حیواں میں تو کیا — حال انساں کا ہو کیا وہ ہے بڑا
ہاتھ میں قرآں جوں زین العابدیں — زہر اثر خنجر بھی اندر آستیں
تجھ سے کہتا ہے اے مولائے من — دل میں اس کے ایک بابل سحر و فن
زہر قاتل، دیکھیے تو شہد و شیر — ہاں نہ جا بے صحبتِ پیرِ خبیر
نفس کی لذّات، مکر و دھوکا ہی — گردِ نور و برق تاریکی سبھی
برق نورِ مختصر، جھوٹ اور مجاز — بیچ اندھیروں کے ترا رستہ دراز
اور چمک اتنی کہ خط بھی پڑھ نہ پائے — تا بمنزل گھوڑا لے جایا نہ جائے
جرم تیرا یہ کہ ہے مرہونِ برق — دور تجھ سے اس لیے انوارِ شرق
اس لیے ناراض تجھ سے آفتاب — ہے عطارد سے تو طالبِ نور و تاب
کھینچے مکرِ برق تجھ کو بے دلیل — ان اندھیروں، جنگلوں میں میل میل
کوہ پر گرتا ہے تو گہ نہر پر — گاہے گرتا ہے اِدھر گاہے اُدھر

راستہ چاہے نہ ڈھونڈے رہنما   پھیر لے گا منھ نظر گر آگیا
ساٹھ سال اس راہ کا راہی رہا   پر مجھے گمرہ بتائے رہنما
بات پر اس کی عمل کرنا ہے گر   از سرِ نو مجھ کو کرنا ہے سفر
میں نے عمر اس راہ میں کردی گرو   جو بھی ہو، ہونے دو، تم خواجہ چلو
یہ گماں راہ طے کیا مانندِ طوق   دسواں وحی کے پیچھے طے کر مثلِ شرق
حق کے آگے ظن بھلا کس کام کا   شک سے پس سورج کو پانے سے رہا
آجا کشتی میں ہماری، سر پھرے!   یا تو اس کشتی سے کشتی باندھ لے
بولے کرّ و فر میں اپنے چھوڑ دوں   کیوں طفیلی بن کے اندھا ہو رہوں
کور اکیلے سے ہے با رہبر بھلا   اس کا اک ننگ، اس کا سو گنا بڑا
مچھروں سے اژدہوں میں بھاگے تو   بھاگے تم سے بچنے تو در پاؤں کو
بھاری لگتا ہے تجھے جورِ پدر   بھاگے سوئے لوطیانِ بدگہر
بھاگتا ہے مثلِ یوسفؑ گاؤں سے   تا کہ کھائے، کھیلے چہ میں جا گرے
سیر کرتے تو بھی چہ میں جا گرا   پر کہاں وہ لطف تجھ پر یار کا
گر نہ ہوتا باپ کے فرمان پر   حشر تک چہ سے اٹھا سکتا نہ سر
باپ نے میلاں دیکھا ہاں کہی   بولا اچھا یہ ہے گر خواہش تری
سرکشی اندھا جو عیسیٰؑ سے کرے   بے ہدایت وہ یہودانہ رہے
روشنی تھی راس گرچہ کور تھا   سرکشی سے اہلیت وہ کھودیا
بولے عیسیٰؑ آ دو ہاتھوں تھام لے   سرمۂ کوری ہے میرے پاس لے
گر ہے اندھا مجھ سے پائے روشنی   جاں کے یوسفؑ کی قمیص ہاتھ آئے گی
ہار پر جو کام بھی ہاتھ آئے گا   اس میں خوش بختی ہے اس میں راست راہ
کام ایسے جن کے پاؤں ہوں نہ دست   ترک کردے ان کو اے بے ہودہ مست
کارِ بیہودہ تو اپنے ترک کر   پیر اپنا لے کوئی اے پیرِ خر
کوئی سر لشکر نہ کچھ استاد ہو   نہ ہی بوڑھا، صاحبِ ارشاد ہو

پائی جوں ہی رہنمائی پیر کی — چھوٹا تاریکی سے پایا روشنی
شرط ہے تسلیم، دیگر کام کیا — گمرہی میں جد و کد بے فائدہ
پھر نہ دیکھوں میں فلک کی راہ کبھی — پیر چاہوں پیر چاہوں پیر ہی
سیڑھی ہم کو آسماں ہے اپنا پیر — اور کماں ہی سے کرے پرواز تیر
بے تعاون شیخ نمرودِ غبی — نکلا گدھ پہ سیر کو افلاک کو
تھا ہوس کا مور خوب اوپر چلے — پھر بھی گدھ گردوں پہ کیوں کر چل سکے
بولے ابراہیمؑ اے مردِ سفر! — تیرا گدھ گر میں بنوں ہے خوب تر
کر مجھے سیڑھی تو اوپر کے لیے — پھر فلک پر پر بنا مارے چلے
جائے جوں مغرب سے کوتا بہ شرق — بن سواری تو شہ کے مانندِ برق
اس طرح جوں نیند میں حسِ بشر — کرتی ہو راتوں کو شہروں کا سفر
جیسے عارف کوئی پنہاں راہ سے — سو جہاں کی سیر بے زحمت کرے
ایسی رفتار اس کو گر حاصل نہ تھی — یہ خبر اس ملک کی کس سے ملی
ٹھیک خبریں بھی روایاتِ واقعی — اس پہ لاکھوں پیر کی تصدیق بھی
ایک بھی ان میں مخالف ہے کہاں — جس طرح علم اور ظنوں کے درمیاں
وہ جو اٹکل ہے بجا در لیلِ نار — یہ حضور کعبہ در نصف النہار
اٹھ کے اے نمرود پر مردوں سے لے — سیڑھی گدھ ہوں گے نہیں تیرے لیے
عقلِ جزوی ہیں یہ گدھ اے بے نوا — اس کا پر مردار خواری سے بندھا
عقل ابدالوں کی پرِ جبرئیلؑ — جانے ظلِّ سدرہ تک وہ میل میل
خوش قدم میں بازِ سلطاں ہوں یقیں — مردہ کھانے والا کوئی گدھ نہیں
دوست میں تیرا، تو گدھ کو ترک کر — میرا اک پر سو گدھوں سے خوب تر
گھوڑا تا حق کب تلک دوڑائے گا — چاہیے استاد ہر اک کسب کا
شہرِ چیں میں چل کے رسوا ہو نہ جا — ساتھ ہو عاقل، نہ ہو اس سے جُدا
وہ فلاطون نے زماں جو بھی کہے — بالمقابل نفس کے ویسا کرے

لوگ سب کہتے ہیں اندر ملکِ چیں   کوئی اولاد اپنے سلطاں کی نہیں
شہ کو بیٹا کوئی کیوں ہوتا بھلا   زن کو پاس آنے ہی اس نے کب دیا
جس کسی نے شاہوں سے ایسی کہی   تیغِ برّاں اس کی گردن پر چلی
شاہ بولے چوں کہ بات ایسی کہی   دے ثبوت اولاد ہے کوئی مری
ورنہ بیشک تیری گردن کاٹ دوں   دلق صوفی روح سے تیر چھین لوں
سر نہ لے جائے سلامت تو کبھی   جھوٹی بکواس اے فلاں تو نے جو کی
دیکھ نادانی سے ناحق بات کی   ساری خندق ہے کٹے سر سے بھری
کھائی میں تر سے گلے تک ہیں پڑے   سب کٹے سر بدلے میں بہتان کے
لوگ اسی دعوے کا دم بھرنے لگے   گردنیں خود دعووں پر کٹوا دیے
ہاں بچشمِ عبرت ان کو دیکھ لو   یوں نہ سوچو اور نہ ذکر ان کا کرو
ہم پہ جینا تلخ کرنے کے لیے   بھائی کون آمادہ کرتا ہے تجھے
رہ نہ جانے گر چلے سو سال بھی   چلنا اندھا دھند چلنا ہے کوئی
جنگ میں ہتھیار بن ہرگز نہ جا   خود کو غفلت اور تباہی سے بچا
بولے وہ سب کچھ مگر اس نے کہا   بس تنفّر مجھ کو ہے اس سے بڑا
جوں انگیٹھی سینہ انگارے بھرا   پک گئی کھیتی ہے باقی کاٹنا
صبر تھا سینہ میں لیکن اب نہیں   ہے بجائے صبر عشقِ آتشیں
عشق جاگا صبر مردی ہوگیا   رہنے والوں کا ہو باقی سلسلہ
مشورہ بس کر اے ناصح صبر کا   بس کر اب یہ ٹھنڈا لوہا کوٹنا
میں ہوں اوندھا میرے پاؤں چھوڑ دے   ہے سمجھ مفقود اجزا میں مرے
اونٹ ہوں، کھینچوں گا جب تک ہو سکے   بے بسی میں خوب کٹ جانا مجھے
ہوں گے سو خندق کٹے سر بھی مجھے   اک مزح مطلق مرے دکھ کو لگے
نہ بچاؤں گا میں خوف اور بیم سے   اپنا طبلِ نفس اندر دلق کے
چل کے اب میدان جھنڈا گاڑ دوں   سر کٹے یا واصلِ جاناں بنوں

حلق جو اس بادہ کے لائق نہ ہو — قتل کا سامان ہے قتال کو
دید سے حاصل نہ ہو گر تازگی — آنکھ ویسی اجلی اور اندھی بھلی
کان لائق رازِ جاناں گر نہ ہو — پھینک اکھیڑ اس کو کہ وہ سر پر نہ ہو
ہو نہ جن ہاتھوں میں پونجی وصل کی — خوب توڑے گر قصائی کی چھری
پاؤں ایسے اپنی جو رفتار سے — جان کو جوڑے نہ نرگس راز سے
ویسے پاؤں ہوں تو وہ قیدی بھلے — عاقبت وہ درد سر کس واسطے

اس مجاہدہ کرنے والے کا بیان جو مجاہدے سے دستبردار نہیں ہوتا اگر چہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عدل کی وسعت اس مقصود کو دوسری جانب سے اور دوسری قسم کے عمل کے سبب سے اس تک پہنچا دے گی جو اس کے وہم میں بھی نہیں ہے اس نے تمام وہم اور امیدیں اسی معین راستے سے وابستہ کر رکھی ہیں اور اسی در کی کنڈی کھٹکھٹا رہا ہے۔ ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ اس روزی کو دوسرے دروازے سے اسے پہنچا دے جس کی اس نے کوئی تدبیر نہ کی ہو اور اللہ اس کو اس جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جس کا اس کو گمان نہ ہو۔ بندہ تدبیر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ تقدیر لکھتا ہے اور ہوتا یہ ہے کہ بندہ کو بندگی کا خیال ہو کہ مجھے اس در کے غیر سے وہ پہنچائے گا اگر چہ میں اس در کی کنڈی پیٹتا ہوں، اللہ اس کو اسی در سے روزی پہنچا دیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ سب ایک مکان کے دروازے ہیں

اپنا مقصد پاؤں گا اُس راہ سے — لوٹ آؤں یا وطن جاتے ہوئے
ہو تو ہو موقوف مقصد بر سفر — جب سفر پورا ہو پاؤں در حضر
اس قدر چستی سے ڈھونڈوں یار کو — جانوں تا ہے بے ضرورت جستجو
پاسکوں کیسے معیت کی خبر — کر نہ لوں جب تک زمانے کا سفر

دو قدم تا وصل اور عقدوں کا حل
مجھ پہ روشن ہو رہے گا برمحل

اس معیت کا میں کب سمجھوں گا راز
طے نہ کرلوں تا سفر ہائے دراز

ساتھ بولا، دل پہ ڈالا مُہر بھی
تا کہ پہنچے گوشِ دل عکس ہی

ہوگئے پورے سفر، دی دادِ راہ
بعد ازاں وہ مہرِ دل کھولا گیا

دو خطا جوں در حسابِ با صفا
ہوگا وہ معلوم بعدِ دو خطا

بعد ازاں بولے اگر میں جانتا
یہ معیت ہے تو کیوں کر ڈھونڈتا

منحصر تھا علم اس کا جہد پر
سوچ کے اوپر نہیں تھا منحصر

اِس طرح جوں قرضہ تھا اُس شیخ کا
گریہ سے اس بچے کے وابستہ تھا

بچہ حلوائی رویا زار زار
اس چھوٹے قرض شیخ کبار

ہوگیا وہ معنوی قصہ بیاں
اس سے پہلے مثنوی کے درمیاں

دفترِ دوم میں ہے اس کا بیاں
گر نہ جانے لوٹ کر چل تو وہاں

خوف کا ماحول پائے اس جگہ
کون دے گا تب پناہ حق کے سوا

طمع میں وہ دیگر فائدہ
اور کرائے اور سے حاجت روا

اے تجھے واثق امید اک جائے سے
کہ درخت اونچا یہ پھل دے گا مجھے

حاجت اس جا سے نہیں ہوئی روا
بلکہ دیگر جائے سے پائے عطا

وہ طمع پھر کس لیے تجھ میں رکھا
جب تھے مفقود اس میں اکرام و عطا

یہ تھی حکمت اور صنعت کے لیے
تا ترا دل غرقِ حیرت ہورہے

تا پڑے حیرت میں تو اے مستفید
پوری ہوگی کس طرح میری امید

عجز و نادانی سے تا ہو با خبر
اور یقیں بڑھ جائے تیرا غیب پر

تا کہ دل حیراں چراگہ میں رہے
تا مصرّف دیکھیں اس کا کیا کرے

طمع روزی درزی پن سے ہے تجھے
عمر بھرتا اُس سے زر پیدا کرے

زر گری کو رزق کا رستہ کرے
خوب پیشہ سمجھے تو اپنے لیے

درزی پن کا ذوق کیوں تجھ کو ہوا
رزق تیرا اس میں جب رکھا نہ تھا

اک عجب حکمت کہ اپنے علم سے | حکم پہلے لکھ دیا اللہ نے
نیز تا تیری سمجھ حیراں رہے | تا کہ حیرت تیرا کُل پیشہ بنے
یا ہو وصل یار کوشش سے مری | یا ورائے جسم ہو رستہ کوئی
میں نہ بولوں ہوگی یوں حاصل مراد | ہوں تپاں، دیکھوں کدھر سے ہو کشاد
مرغ بسمل ہوں تڑپتا جابجا | دیکھوں تن سے جان جائے کس جگہ
یا کرے گا بار آور یہ سفر | یا بر آئیں گی امیدیں چرخ پر

اس شخص کی حکایت جس نے خواب میں دیکھا کہ جو مالداری تو چاہتا ہے وہ مصر میں ملے گی، وہاں فلاں گھر میں فلاں محلّہ میں، ایک خزانہ ہے۔ وہ جب مصر میں پہنچا ایک شخص نے کہا، کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ فلاں گھر میں فلاں محلّہ میں بغداد میں ایک خزانہ ہے۔ اس نے محلّہ اور گھر کا نام لیا تو وہ شخص سمجھ گیا کہ خزانہ کو مصر میں کہنے کا سبب یہ تھا کہ مجھے یقین دلا دیں کہ اپنے گھر کے سوا تلاش نہ کرنا چاہیے لیکن معین اور یقینی خزانہ مصر کے علاوہ حاصل نہ ہوگا

وہ کسی کو تھی وراثت بے شمار | ہوگیا کھا پی کے ننگا اور زار
زر وراثت کا نہیں کرتا وفا | کہ ہوا بے فیض موتا سے جدا
قدر کیا جانے کہ آساں پالیا | نہ مشقت کی نہ پیشہ ہی کیا
قدرِ جاں بھی تو نہ جانا اے فلاں | مفت بخشش میں خدا نے دی ہے جاں
زر گیا، ساماں گیا، گھر بھی گئے | چغد جوں حاصل ہے ویرانہ تجھے
بولا تو ساماں دیا ساماں گیا | ساماں دے یا موت دے دے یا خدا
ہوکے خالی یادِ حق میں لگ گیا | اور پناہ حق کی طلب کرنے لگا
مصطفیؐ بولے کہ مومن باجا ہے | ہوگیا خالی تو محوِ نالہ ہے
جب وہ بھر جائے تو رکھے ہاتھ سے | پُر نہ ہو کہ اس کا سایہ خوش لگے

خالی، خوش رہ انگلیوں کے درمیاں   تا مکاں ہو مستِ جامِ لا مکاں
رونا آیا سرکشی جاتی رہی   کشتِ دیں کی آبیاری چل پڑی
وہ دعا و عجز میں مصروف تھا   بندۂ زر، زر طلب کرتا رہا

مومن کی دعا کی قبولیت میں تاخیر کا سبب

روتے ہیں اکثر دعا میں مخلصاں   شور اس کا تا بہ اوجِ آسماں
جاکے پہنچے تا ورائے آسماں   بوئے تفِ سینہ و گریۂ عاصیاں
حق سے کرتے ہی فرشتے التجا   اے مجیبِ ہر دعا و ملتجا
بندۂ مومن ترا ہے زار زار   ہے تجھی پر اس کا سب دار و مدار
غیر پر بھی ہے عطا بخشی تری   تجھ سے وابستہ امیدِ مشتہی
حق کہے اس میں نہیں خواری کوئی   دیرِ عطا میں جو بھی ہے تائید ہی
نالۂ مومن مجھے اچھا لگے   بول اسے اعزاز ہے زاری کرے
لاتی ہے غفلت سے حاجت میرے ہاں   کھینچ کر بالوں سے لاتی ہے یہاں
گر کروں حاجت روا وہ جائے گا   جاکے پھر خوش طبعی میں کھوجائے گا
گرچہ وہ زاری کرلے مانگے اماں   سوگوار و دل شکستہ تفتہ جاں
اچھی لگتی ہے مجھے اس کی صدا   باتیں دل کی، اس کا شورِ یا خدا
وہ خوشامد واقعے کہتے ہوئے   اس کا ہر پھر کر وہ پھسلانا مجھے
طوطیوں کو بلبلوں کو بھی پسند   خوشنوائی سے کرکے پنجرے میں بند
بند چغد و زاغ کرتے ہیں کہیں   یہ تو قصوں میں بھی ہم دیکھے نہیں
پیش شاید باز دو تن آئیں گر   ایک بڑھیا، خوبصورت ہو دِگر
دونوں روٹی مانگیں شاید باز سے   لائے وہ بولے گا بڑھیا سے کہ لے
وہ کہ من بھاتے ہیں جس کے قد و خال   دے گا کیوں، تاخیر میں دے گا وہ ڈال
بولے بیٹھو دو گھڑی آرام سے   دوں گا تازہ نان پکنے دو اسے

جب کہ پک کر گرم نان بھی آ گئی — بولے بیٹھو حلوا آئے گا ابھی
پس اسی فن سے اسے روکے رکھے — اور چھپی رہ سے شکار اس کو کرے
کام مجھ کو تم سے کچھ اک زماں — انتظاری اور کچھ خوبِ جہاں
پس انہی حیلوں سے دھوکے میں رکھے — تا مطیع و رام اس کو کر سکے
مثل اس بڑھیا کے وہ بیگانگاں — شاید خوش مثالِ مومناں
یہ جہاں زنداں ہے مومن کے لیے — اور جنت کافروں کے واسطے
مومنوں کی بے مرادی کا سبب — رکھنا ہے مشغول انھیں در یادِ رب

اس شخص کے قصہ کی طرف واپسی جس کو مصر میں خزانہ کا پتہ دیا اور فقر کی وجہ سے اس کا (اللہ تعالیٰ) جل جلالہٗ کے دربار میں عاجزی کرنا

کھایا میراث اور ہوا جب بے نوا — خواجہ تب کرنے لگا آہ و بکا
کوئی کُنڈی بابِ رحمت کی بجائے — جو اجابت میں بہاریں سو نہ پائے
خواب دیکھا، بولا ہاتف، وہ سنا — کہ تمنّا مصر میں جا پائے گا
مصر میں ہوگی تری حاجت روا — التجا تیری ہے مقبولِ خدا
ہے فلاں موضع میں گنجینہ بڑا — اس کی ٹوہ میں مصر کو تو جائے گا
ہاں نکل چل فوراً اب بغداد سے — قند کے گھر مصر جانا ہے تجھے
آیا جب بغداد سے تا سوئے مصر — بندھ گئی ہمت جو دیکھا روئے مصر
وعدہ ہاتف کہ گنجینہ تجھے — مصر میں ہے دفعِ آفت کے لیے
اس گلی، گاؤں میں ہے تیرے لیے — دفن نادر گنج اک تو جا کے لے
پاس اس کے خرچ کو کچھ بھی نہ تھا — ہاں گدائی کا پس اک رستہ رہا
شرم و ہمت نے مگر روکے رکھا — صبر میں خود کو دبانا پڑ گیا
تلملایا نفس اس کا بھوک سے — کچھ نہ تھا چارہ علاوہ بھیک کے
چپکے باہر شب میں جانا ہے مجھے — شرم اندھیرے میں نہ آئے بھیک سے

جوں سوالی رات کا بانگ دوں بام سے پہنچے جو آدھا دانگ لوں
یوں سمجھ کر آیا باہر سوئے کُو اور اسی دُھن میں پھرا وہ سُو بسُو
شرم، رتبہ مانگ سے روکا کبھی اور کبھی بھوک کہتی مانگ ابھی
شب تہائی تک تذبذب میں رہا یا میں مانگوں، یا یونہی سوجاؤں کیا

اس شخص کا مصر میں پہنچنا اور رات کو ایک کوچہ میں شبکوئی اور گدائی کے لیے باہر نکلنا اور کوتوال کا اس کو پکڑ لینا اور کوتوال کے ذریعہ بہت پٹنے کے بعد اس کی مراد حاصل ہوجانا، قریب ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو وہ تمھارے لیے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول بیشک تنگی کے ساتھ سہولت ہے اور آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول مصیبت میں تو سخت ہو جا کھل جائے گی اور سارا قرآن اور آسمانی کتب میں اس کو ثابت کرنے میں

کوتوال آیا پکڑ کر لے گیا ہے توقف تھا دھڑا دھڑ مارتا
اتفاقاً لوگ اندھیری راتوں کے چوروں سے نقصاں اٹھائے تھے بڑے
راتیں وہ منحوس تھیں اور خوفناک چوروں کی پولس لگا رکھی تھی تاک
حکمِ شہ، ہاتھ اس کا کاٹا جائے گا شب جو گھومے، خویش اپنا ہو کیا
شاہ نے دھمکی بھی دی کوتوال کو مہرباں ہونا نہیں چوروں پہ تو
مکر ان کا کر نہ لو باور کبھی اور قبول ان سے نہ کرنا زر کبھی
رحم چور اور نامبارک ہاتھ پر ظلم ضعفا پر ہے وہ ہوگا اگر
خاص کا دکھ ہو نہ مانعِ انتقام سہہ لو دکھ خود، ہو نظر بر رنجِ عام
کاٹ وہ انگلی ڈسی کر دفعِ شر تا نہ پھیلے زہر رکھ تن کی خبر
اِن دنوں چوروں کا غلبہ بڑھ گیا وہ گدا مہماں ہے تھانیدار کا
اتفاقاً ان دنوں تعداد بھی بڑھ گئی تھی کچے پکّے چوروں کی
وقت ایسا تھا بہت مارے اسے اس کے سر پر پشت لاٹھی لیے

نعرے و فریاد گونجی درویش سے
ٹھہرو حال اپنا بتانے دو مجھے

بولا لے دی میں نے مہلت بول اب
کیوں گلی میں باہر آیا وقتِ شب

تو مسافر ہے نہ کوئی اجنبی
سچ بتا کیا کیا ہیں تدبیریں تری

طعنے دفتر والوں کے کوتوال پر
ہوگئی کیوں کثرتِ دزد اس قدر

تجھ سے تجھ ایسوں کی کثرت ہے اِدھر
پہلے اپنے دوستوں سے دے دے خبر

ورنہ غصہ سب کا اترے تجھ پہ ہی
تا رہے محفوظ شر سے ہر کوئی

کھائیں سب قسمیں بھی بولا وہیں
خانہ پھونکو جیب کترا میں نہیں

چور میں اور نہ ہی بیدادی ہوں
میں مسافر مصر میں بغدادی ہوں

اس حدیث شریف کا بیان کہ سچ اطمینان ہے اور جھوٹ شک

کہہ دیا سب قصہ خواب اور گنج کا
اس کا دل سچائی سن کر خوش ہوا

آئی سچائی کی بو سوگند سے
آشکارا سوزِ دل اسپند سے

دل کو اطمینان سچی بات سے
پانی راحت جس طرح پیاسے کو دے

جز دلِ محجوب کہ ہے علّتی
جو نہ جانے کیا غبی ہے، کیا نبی

بات گر صاحب مکاں کی ہو کوئی
چاند تک جائے پھٹے گا چاند بھی

پھاڑ دے جو چاند کو محبوب ہے
چوں کہ جو مردود ہے محجوب ہے

آنکھ تھانیدار کی بہنے لگی
بوئے دل گفتار میں پائی گئی

بات اک دوزخ کی آئے سوئے لب
شہرِ جاں سے وہ دگر در کوئے لب

جاں فزا اک، ایک تنگی کا سبب
واسطہ دونوں کی یکجائی کو لب

اک بڑھائے عمر کو اک کم کرے
ہے گزرگاہ ہونٹ دونوں کے لیے

شہروں میں ہوتی ہیں جیسے منڈیاں
آتا ہے ہر سمت سے ساماں جہاں

مال ناقص، دھوکے کا نقصانِ زر
اور اچھا مال نافع جوں گہر

منڈیوں سے ایسا تاجر بہرہ ور
جو کھرے کھوٹے پہ رکھتا ہو نظر

منڈیوں سے ہے کسی کو فائدہ
اور اندھوں کے لیے جائے گناہ

یک بیک اجزائے عالم یہ سبھی
بہرِ استاداں خلاصی، قدر ہے بہرِ غبی

قند اک کو ہے تو ہے دیگر کو زہر
ایک پر ہے رحم تو دیگر پہ قہر

دیو اس کے واسطے اور اس کو حور
نار اس کے واسطے اور اس کو حور

اس کو کھٹّا میٹھا اُس کے واسطے
اس کو مدہوشی تو ہوش اس کے لیے

اس کو پنہاں اور دیگر کو عیاں
سود اِس کے واسطے اس کو زیاں

بند اِس کو اور دیگر کو کشاد
اِس کو قید اور اُس کو حاصل ہے مراد

شہد اِس کو ڈنک اُس کے واسطے
اجنبی اس کو تو خویش اس کے لیے

نقص اس کے واسطے اس کو کمال
ایک کو ہجر اور دیگر کو وصال

بات بے جاں کرتے ہیں پیشِ نبی
اور گواہ حاجی کا ہوگا کعبہ بھی

ہیں مساجد بھی مصلّی کی گواہ
دور سے آتا تھا طے کرکے یہ راہ

تھی خلیل اللہؑ کو گلشن آگ اگر
مرگ و علت تھی وہی نمرود پر

بارہا ہم نے کہا ہے اے حَسَن
اس کی باتوں سے نہیں سیر اپنا من

نان دفع کرتی ہے پژمردگی
کھایا ناں بدلی نہ کیوں صورت تری

فیضِ صحّت بھوک لگتی ہے تجھے
دکھ سے بدہضمی سے چھٹکارا ملے

عارضہ اس بھوک کا جس کو ہوا
تازہ جزو جزو اس کا ہوتا رہا

بھوک کے باعث ہی کھانے کا مزا
جَو کی روٹی اور شکر بہتر غذا

ہو نہ بھوک اور ہو جو بدہضمی تمام
وجہ وہ دکھ کی نہ تکرارِ کلام

کھینچا تانی بھاؤ طے کرتے ہوئے
شرم کیوں دھوکا دھڑی کے واسطے

ایک کو دن، رات دیگر کے لیے
ایک دُکھ میں دوسرا خوشیاں کرے

ایک کو محبوب دیگر کو عدو
اس کو بادہ دوشِ دیگر پر کدو

ایک پر پانی تو دیگر پر ہو خوں
ایک کو اعجاز دیگر کو فسوں

ایک کو حلوا تو دیگر کو ہے سم
ایک پر پتھر تو دیگر پر صنم

ایک پر ہو جسم اور دیگر پر روح — قید اک کو اور دیگر کو فتوح
ایک پر تیر دیگر پر کماں — ایک پر ہے ناں دیگر پر سناں
کرنا غیبت، کھانا گوشت انسانوں کا — ساٹھے تیرا پیٹ اب بھی نہ بھرا
عشق میں قحبہ کے شعر اچھے کہا — بے ملال اک پھول تو ہنستا ہوا
تو شکارِ زن کو تعریفیں کیا — بے ملالت پھول جوں ہنستا رہا
بار دیگر شعر بولے چست تر — گرم تر سو بار بھی بولے اگر
درد، داروئے کہن تو نو کرے — وہ جو پژمردہ ہو ڈالی کاٹ دے
درد لے آئیں گے تازہ کیمیا — درد ہو تو قحط ہے کس چیز کا
درد سے بھرنا نہیں تو آہِ سرد — مانگ اور مانگ اور درد درد
دھوکا دیتے ہیں معالج درد کے — زر کے بھوکے اور لٹیرے ہیں بڑے
پیاس کھاری پانی سے کیوں کر بجھے — ٹھنڈا پیتے وقت گو اچھا لگے
پر وہ دھوکے باز کہ پینے نہ دے — میٹھا پانی جس سے سو سبزے اُگے
کھوٹا سونا جس طرح روکے رکھے — زرّ خالص کی جگہ پہچان سے
بال پر کاٹے ترے وہ مکر سے — ہوں ترا مقصود میں چن لے مجھے
بولے چن لوں درد تیرا خود عذاب — خار باطن میں بظاہر جوں گلاب
جا غلط درماں سے بچنا ہے تجھے — درد تا پاک و معطّر ہو سکے

کوتوال کو مسکین پردیسی کا اپنا خواب بیان کرنا اور اسی کے گھر میں خزانہ کا پتہ دینا

بولا تو چور اور فاسق نہ رہا — نیک ہے پر بے وقوف احمق بڑا
آیا اتنی دور دُھن میں خواب کی — عقل کو تیری نہیں ہے روشنی
اک خیال اور اتنا لمبا راستہ — جہل و نادانی میں چل کر آ گیا
میں نے دیکھا بارہا خوابِ رواں — یہ کہ ہے بغداد میں گنجِ نہاں
ہے فلاں کوچہ و گھر میں گنج ادھر — نام سے تھا اس کا کوچہ اس کا گھر

ہے فلاں گھر میں گڑا پس ڈھونڈ جا — نام اُس کا اُس کا گھر کا بھی دیا
خواب وہ دیکھا ہے میں نے بارہا — کہ ہے گنج اپنے وطن میں ہی گڑا
میں نے اس دھن میں نہ چھوڑی اپنی جا — خواب اک دیکھا تو دوڑے آ گیا
خوابِ احمق عقل کو اس کی سزا — جیسے بے قیمت ہے اور لا شئ بجا
خوابِ زن کم ترا خوابِ مرد جان — عقل ناقص اس کی اور کمزور جان
خواب کھوٹا اہلِ ناقص عقل کا — خواب بے عقلی سے ہوتا ہے ہوا
بولا باخود، ہے خزینہ اپنے گھر — کیسا شکوہ کیا فقیری کس کا ڈر
گنج پر بیٹھے بھکاری مردہ ہوں — وجہِ غفلت کیوں کہ اندر پردہ ہوں
مژدہ سن کر مست و درد اس کا کیا — زیرِ لب شکرِ خدا کرنے لگا
بولا نعمت لات پر موقوف تھی — آبِ حیواں تھا دکاں میں میری ہی
بولا میں نے ہاتھ مارا لوت پر — مفلسی کا وہم کوری کا اثر
چاہے احمق چاہے عاقل کچھ کہو — دل نے جو چاہا سو پایا جان لو
بولو احمق چاہے کمتر بھی کہو — گنج کا مالک ہوں، جو بھی ہو سو ہو
میں نے پالی ہے مراد اپنی تو جا — بد زباں جو بھی کہے تجھ کو روا
تو مجھے احمق کہے بھی کیا ہوا — تجھ کو میں بیمار، مجھ کو میں بھلا
ہوتا گر الٹا تو ہوتا دل پہ بار — یعنی تجھ کو پھول، خود کے حق میں خار
بولا اوچھا اک دن اک درویش سے — جانے جو اس جا نہیں کوئی تجھے
کیا ہوا جانے نہ گر عام آدمی — جانتا ہوں خوب خود کو بس یہی
ہوتا تب افسوس میرے دکھ سے گر — ہوتا واقف وہ، میں رہتا بے خبر
ہیں نصیب میں احمق ہی سہی — بخت بہتر، نہ کہ جھگڑے دشمنی
بات تو تیرے گماں جیسی چلی — ورنہ قسمت ہے ثناگر عقل کی

اس شخص کا خوش خوش اور مراد حاصل کر کے اور شکر ادا کرتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے اشاروں کے عجائب میں حیران واپس لوٹنا اور ان کی تاویلات کا ایسے طریقہ پر ظاہر ہونا کہ کوئی عقل اور سمجھ وہاں نہیں پہنچتی ہے

مصر سے واپس چلا بغداد کو — ساجد و راکع ثنا گو شکر کو
بیتی سے خود مست و حیراں راہ سب — چوں کہ الٹی ہوگئی راہِ طلب
مرکزِ امید دکھلایا کدھر — میری خاطر نعمتیں پھینکا کدھر
کیا تھی حکمت جو مجھے حاجت روا — شاد و گمرہ گھر سے باہر کردیا
گمرہی میں تیز تر دوڑا دیا — دور تر مقصود سے ہوتا چلا
پھر نکالا گمرہی سے سوئے جود — اور وسیلہ بھی دیا از بہرِ سود
گمرہی کو راہ ایماں کی کرے — کثر روی کو مقصد احساں کرے
تاکہ رنجیدہ کوئی محسن نہ ہو — نا امید اس سے کوئی خائن نہ ہو
زہر کے اندر رکھا تریاق بھی — مہربانی اس کی ہوتی ہے چھپی
ہاں نمازوں میں نہیں رحمت چھپی — ہے گنہگاروں کی بھی خلعت رکھی
قصدِ منکر تھا جو تذلیلِ ثقات — ہوگیا وہ وجہِ عزّو و معجزات
دین کی ذلّت کو وہ انکار تھا — باعث عزِّ رسولاں ہوگیا
منکراں بچتے اگر انکار سے — ہوتیں نازل آیتیں نے معجزے
خصم گر خواہاں نہ ہو تصدیق کا — کیا غرض قاضی جو بلوائے گوا
معجزہ ہوتا ہے جیسے اک گوا — رفعِ شک و مدعی کے صدق کا
ناشناسا جب بھی طعنہ زن ہوا — معجزہ دے کر نوازا ہے خدا
تین سو تو مکر تھا فرعون کا — باعثِ ذُلّ و ہلاکت ہوگیا
نیک و بد ساحر سبھی حاضر کیے — جرح کرنے معجزوں کو موسیٰ کے
تا عصا کو باطل اور رسوا کرے — دور ڈر اس کا دلوں سے تا کرے

معجزہ موسیٰ کا عینِ مکر تھا
جو بھروسہ تھا عصا پر بڑھ گیا

نیل کو لاتا ہے لشکر صبح گاہ
قومِ موسیٰ پر کرے تا بند راہ

قومِ موسیٰ کو وہ وجہ امن تھا
اور وہ تحتِ زمیں جنگل بسا

مصر میں ہی رہتا نہ آتا گر اِدھر
وہم سے بھی کہاں پاتا مفر

آیا قومِ موسیٰ میں پھیلایا ڈر
تا بتائے امن کا ہے رستہ ڈر

ہے یہی لطفِ خفی اللہ کا
نار دکھلایا جو فی الحق نور تھا

اجر تقویٰ نہیں رہتا چھپا
دیکھو اجرِ ساحراں بعدِ خطا

پرورش میں وصل پنہاں ہے کہاں
وصل میں در وقتِ برشِ ساحراں

پاؤں ہوتے چلنا مخفی ہے کہاں
پا بریدہ دکھ ساحر ہیں رواں

امن میں ہیں عارفاں اس واسطے
پار اترے خوں کا دریا پیر تے

امن ان کا خوف سے ظاہر ہوا
ان کو حاصل لمحہ لمحہ ارتقا

امن وہ دیکھا جو ہے ڈر میں خفی
خوف بھی امید میں دیکھ اے صفی

اک امیر عیسیٰ کے درپے ہوگیا
گھر میں ان کو منہ چھپا لینا پڑا

اندر آیا آپ ہونے تاجدار
شبہ میں عیسیٰ کے پایا اوجِ دار

میں نہیں عیسیٰ نہ لٹکاؤ مجھے
میں ہوں سردارِ یہوداں بخشیے

جلد تر سولی پہ لٹکائے اُسے
عیسیٰ ہے اس کو خلاصی چاہیے

لوٹ کر لشکر چڑھائی کرتے ہیں
اور الٹ جاتا ہے ساماں مرتے ہیں

کتنے تاجر جاتے ہیں از بہرِ سود
عید سمجھے، چلتے ہیں مانندِ عود

کام کتنے دہر میں الٹے ہوئے
شہد تھا ہم زہر سمجھے تھے جسے

کتنے فوجی ٹھانے دل میں موت کی
فتح مندی، روشنی جن کو ملی

کعبہ آیا ابرہ ہاتھی لیے
تا کہ زندوں کو کچل کر مار دے

تا کہ بیت اللہ کو ویراں کرے
اور اس جا سب کو سرگرداں کرے

زائراں سب تا کہ اس کا ساتھ دیں
اور اس کے کعبہ کو قبلہ کریں

کینہ عربوں سے نکالوں از ضرر
کیوں مرا کعبہ جلائے مفت اُدھر

اس کا مقصد کعبہ کی بے عزتی
اور بھی کعبہ کی عزت بڑھ گئی

اک تھی عزت مکّیوں کی سو ہوئی
پائیداری تابہ حشر اس کو ملی

وہ اور اس کا کعبہ دونوں دھنس گئے
کیسے؟ وہ اللہ کے اکرام سے

ابرہہ کے مال سے اہلِ عرب
چاندی، سونے سے مالا مال سب

ابرہہ درندہ کے ہی مال سے
وہ فقیرانِ عرب منعم بنے

وہ تھا مالِ ابرہہ دونِ دنی
اس سے فقرائے عرب تھے اب غنی

وہ یہ سمجھا جارہا ہے جنگ پر
لا رہا تھا مکیوں کو مال و زر

فسخ ارادوں کا بھی ہمت دم بدم
اک تماشا سوچ میں تھا ہر قدم

گھر جو پہنچا وہ خزانہ پالیا
لطفِ حق سے کام اچھا ہوگیا

تا تو حکمتِ فرد دانا دیکھ لے
امن ہے خوف و خطر میں بھی تجھے

قصۂ شہزادوں لے یاد آ گیا
میری جانب کان لا اور سن ذرا

بھائیوں کا سب سے بڑے بھائی کو نصیحت کرنا اور اس کا ان کی نصیحت کی تاب نہ لانا اور مجنوں و بےخود ہو کر چلا جانا اور اپنے آپ کو بادشاہ کے دربار میں لے جا ڈالنا اور اجازت چاہنا لیکن محبت اور عشق کی زیادتی کی وجہ سے نہ کہ گستاخی اور لاپروائی سے ۔

بیدل نہیں ہے وہ جو نصیحت کرے قبول
سننے کو میرے کان نہیں کس کو پھر یقول

دونوں بولے ہیں جواب اپنے یہاں
جس طرح تارے فرازِ آسماں

گر نہ بولوں کھیل کو اچھا نہیں
گر کہوں تو ہوگا تیرا دل غمیں

پانی میں مینڈک ہیں ہم بولیں تو غم
چپ رہیں تو اپنا ہی گھٹتا ہے دم

گر نہ بولوں دوستی بے روشنی
اور نہیں کہنے اجازت بھی کوئی

اٹھ گیا فوراً کہا یارو، وداع
دنیا اور دنیا میں جو ہے سب متاع

نکلا باہر جس طرح تیر از کماں کچھ کہیں موقع کہاں تھا اُس زماں
اندر آیا مست پیشِ شاہِ چیں زود مستی میں وہیں چوما زمیں
حال ایک ایک ان کا شہ پر تھا کھلا اول آخر، پیش و پس کیا تھا چھپا
بھیڑ ہیں مشغول چرنے میں مگر حال پر ان کے تھی چوپاں کی نظر
تم ہو چوپاں رکھو ریوڑ کی خبر کون چرتا، کون لڑتا ہے کدھر
شہ بظاہر صف سے گرچہ صف سے دور تھا دف کی صورت درمیانِ سور تھا
علم تو رکھتا تھا ان کے سوز کا بر بنائے مصلحت خاموش تھا
ان کی جاں کے بیچ ہی تھا گو وہ شہ خود کو قصداً اُس نے گونگا کرلیا
تہ میں انگارے ہیں باہر دیگ کے جان آتش کی ہے اندر دیگ کے
چہرہ باہر اور معنی اندروں معنیٰ رنگ رگ میں رواں مانندِ خوں
شاہزادہ پیش شہ دو زانو تھا اور معرِّف شارح اس کے حال کا
شہ تھا واقف پہلے ہی سب حال سے تھا معرِّف بھی تعارف کے لیے
خود میں نور عرفاں کا ذرّہ بھر سہی سو معرِّف سے ہے افضل اے صفی
کان ہوں رہنِ معرِّف تو وہاں ہے نشانِ پردہ، تخمینہ و گماں
چشمِ دل ہو دیکھنے والی اگر اصلیت ہو جائے گی پیشِ نظر
واسطے اس کے تواتر بس نہیں اس کو چشمِ دل سے آئے گا یقیں
پس معرِّف پیشِ شاہِ منتخب اس کی حالت کے بیاں کو کھولا لب
دامِ احساں میں وہ شاہا آپ کے آپ کا وہ اس پہ شاہی برقیے
صید بندِ شہ میں پہنچا آپ سے اس کے سر پر ہاتھ اپنا پھیریے
بولا شہ جو ملک و منصب چاہے گا وہ جواں مانگے گا مجھ سے پائے گا
بیس گنّا ملک اٹھایا جس سے ہاتھ اس جگہ دوں گا اسے، خود کو بھی ساتھ
آپ کی شاہی سے بھایا عشق اسے آپ سے بڑھ کر اسے کیا چاہیے
اُس کو راس آئی غلامی آپ کی سرد اس کے دل میں ہے ذوقِ شہی

شاہی و شہزادگی سب ہار دی
آپ کی خاطر سفر کی ٹھان لی

وجد میں صوفی دیا خرقہ اتار
پھر دگر خرقے سے اس کو کیا ہے کار

پھینکے خرقہ کی طلب پھر ہو اگر
ہوں گے معنی یہ پہنچا ہے ضرر

یار اُس خرقہ کو پھر لادے اِدھر
وجد خرقہ کے برابر ہے کدھر

دور ایسی فکر ہے عشاق سے
خاک اس کے سر پہ جو ایسا کرے

تن کے سو خرقو کے ہمسر عاشقی
زندگی، حِسّ و خرد اس میں سبھی

ملکِ دنیا خرقہ ابتر خاص کر
پانچ اس کی قیمت، دردِ سر

مُلکِ دنیا تن پرستوں کو حلال
ہم غلامِ ملکِ عشقِ لازوال

عشق کا عامل نہ کر معزول اسے
خود کے سودا ہی میں رکھ مشغول اسے

عہدہ وہ جو روکے مجھ کو دید سے
عین بیکاری ہے منصب نام اُسے

موجب تاخیر آتے اِس جگہ
ضعفِ تن، فقدان استعداد کا

کان پر جانے ضروری دستگاہ
ورنہ حبہ بھی نہیں ہاتھ آئے گا

گر خریدے باکرہ کو ہیجڑا
سیم تن ہو بھی اُسے کیا فائدہ

شمع جیسے تیل بتّی کے بنا
کم زیادہ روشنی کی بات کیا

باغ میں آئے اگر اخشم کوئی
ہوگی اسے خوشبو سے کیا خوشی

جیسے دلبر ہو کہ مہمانِ غر
جوں صدائے چنگ و بربط پیش کر

مرغ خاکی جس طرح دریا میں آئے
جز ہلاکت اور خسارا کچھ نہ پائے

جیسے چکی پر بنا گندم جو جائے
داڑھی اور بالوں کو اجلے خود بنائے

چرخ کی چکی سے بے گیہوں والوں کو
کیا ملا؟ ضعف کمر اور اجلے مَو

وہ ہیں با گیہوں ان کو آسیا
مُلک بخشی اور کی شاہی عطا

اول استعداد جنت چاہئے
زندگی جنت سے تا تو پا سکے

طفلِ نو کیا کباب و بادہ کیا
قلعوں، قبوں سے بھی کیا ہے فائدہ

ہوگئیں باتیں بہت بس کر سخن
جا تو پہلے صاحب استعداد بن

بہرِ استعداد اب تک بیٹھا تھا
پر نہ پایا، شوق سے جد سے بڑھ گیا
بولا استعداد ہے شہ کی عطا
تن بنے کیوں مستعِد جاں کے بنا
اس کے سارے غم گئے از لطفِ شہ
صد شہ گو آیا صیدِ شہ بنا
آئے صیدی کو تری خود صید ہو
قید ناکردہ وہ خود ہی قید ہو
جو بھی ہو طالب امیری کا یقیں
ہوگا وہ پہلے اسیری کا رہیں
چہرۂ عالم کو معکوس جان
خلق کا خادم لقب خواجۂ جہاں
فکر ٹیڑھی، چال الٹی اے بدن
روحیں لاکھ آزاد ہیں در قیدِ تن
ترک کر کچھ دیر یہ دھوکا دہی
موت سے پہلے دو دم آزاد جی
جیسے خر آزادی کی گر رہ نہیں
ڈول جوں جز سیر اندر چہ نہیں
کچھ زمانہ ترک میری جاں کو کر
ڈھونڈے میرے سوا یارِ دگر
ختم مدت میری بس آزاد کر
اب کسی دیگر کو جا داماد کر
اے تنِ مصروف مجھ کو چھوڑ دے
عمر میری کی تبہ دیگر کو لے

قاضی کا جوجی کی بیوی پر عاشق ہو جانا اور صندوق میں رہ جانا اور قاضی کا صندوق کو خریدنا پھر گزشتہ سال کی امید پر جوجی کی بیوی کا آنا اور قاضی کا دوسری مرتبہ میں کہنا کہ مجھے آزاد کر دے اور کسی دوسرے کو تلاش کر لے

جوجی اپنی مفلسی اور مکر سے
کہتا ہے دلخواہ زن کو دیکھیے
تو مسلح صید کرنے کے لیے
صید کر ہم دودھ دوہ لیں صید سے
یہ کماں ابرو کے غمزوں کے یہ تیر
کیوں دیے حق نے؟ اُسے کر لے اسیر
مرغ بھاری، دام جا کر ڈال اُسے
دانہ دکھلا پر اسے کھانے دے
کر اشارے وصل کے، رکھ تلخ کام
دانہ کیوں کھائے پھنسائے ہو جو دام
سوئے قاضی زن چلی شکوہ لیے
ہے دہائی اپنے شوہر کی مجھے
قصہ کوتہ ہوگیا قاضی شکار
خوبرو، شیریں سخن تھی وہ نگار

بولا اس سے ہے کچہری غلغلہ   میں سمجھنے سے ہوں قاصر یہ گلہ
آ کے خلوت میں تو اے خوش جمال   ظلمِ شوہر کا تو بتلائے جو حال
خوب تر سمجھوں اسے اور دوں سزا   وہ جو حق ہے، غم نہ کر اس کا ذرا
حال کھل جائے اگر مجھ پر ترا   وہ کروں بھولے اکڑ شوہر ترا
بولی زن ، آتے لوگ اچھے برے   تیرے گھر شکوے سنانے کے لیے
سر ادھر دیوانگی کا گر بنا   صدر پُر وسواس و پُر غوغا ہوا
باقی اعضا، فکر سے آسودہ ہیں   سینے بھی مہمانوں سے فرسودہ ہیں
برگ و بر سے خالی جوں شاخِ کہن   جب تلک آتا نہیں وہ امرِ کن
آئیں گے پھل پتّے نورِ غیب کے   بے گماں جب یہ پرانے جائیں گے
تو خزاں میں،خوفِ حق میں لے پناہ   وہ پرانے پھول غفلت کے گرا
گُل رکاوٹ رہ میں کلیوں کے لیے   دل ہے پر ان کی نمو کے واسطے
نیند ہی بہتر ہے ان افکار سے   سر اٹھانا خواب سے پھر جاگتے
مثلِ اہلِ کہف جلد اے خواجہ جا   خواب میں تو ہو، وہ سمجھیں جاگتا
پوچھا قاضی اب علاج اس کا ہے کیا   بولی خود زن اب ہے خالی گھر مرا
خصم گاؤں میں، حارث بھی نہیں   اچھی خلوت گہ، مرا گھر ہے یہیں
آؤ آج ہی شب و گر ممکن ہوا   نے نمونے شہرہ شب کے کام کا
نیند میں بد مست جاسوساں سبھی   رات کے حبشی نے گردن ماردی
سحر پھونکا اس نے قاضی پر عجب   وہ شکر اور اس کے کیسے لب
کیا کیا آدمؑ کو کہا ابلیس نے   جب کہا حوّا نے کھالو کھالیے
پہلا خوں در عالمِ عدل و جفا   بہرِ زن قابیل کے ہاتھوں ہوا
نوحؑ بھونے کچھ توے پر جب کبھی   ڈالی پتھر واہلہ اس پر تبھی
فن پہ زن کے مکرِ زن غالب رہا   ہوتا گدلا صاف پانی وعظ کا
قوم کو دیتی تھی پیغام از نہاں   ہو حفاظت قوم کی از گمرہاں

ایسی ہی زن لوطؑ کی تھی فاجرہ ۔۔۔ تونے اس بدکار کا قصہ پڑھا
قید میں مکرِ زلیخا سے پڑے ۔۔۔ یوسفؑ اپنے امتحاں کے واسطے
جو بھی دیکھے یوں، بلا اندر جہاں ۔۔۔ شومیِ زن سے ہے اندر ہر مکاں

قاضی کا جوحی کی بیوی کے گھر پہنچنا اور جوحی کا غصہ سے دروازے کی کنڈی کھٹکھٹانا اور قاضی کا صندوق کے اندر گھس جانا کیوں کہ دوسری جگہ نہ تھی

رات گزری، کیا ہے مکرِ زن کی حد ۔۔۔ قاضیِ زیرک بقصد فصلِ بد
زن نے نقل و شمع حاصل کرلیا ۔۔۔ اس عمل سے قاضی کو خوش کرلیا
تھوڑی دیر اس طرح خوش بیٹھے رہے ۔۔۔ یعنی تنہائی میں تھے آرام سے
پہلوئے زن میں تھا بیٹھا با مراد ۔۔۔ اس کی غمگیں جان وصلت سے تھی شاد
جوحی آیا ایسے میں دستک دیا ۔۔۔ ڈھونڈا قاضی بھاگنے چھپنے کی جا
تھا وہی صندوق چھپنے کے لیے ۔۔۔ چھپ گیا صندوق میں بس خوف سے
بولا جوحی تو ہے اک آزارِ جاں ۔۔۔ بوجھ میرا ہو بہاراں یا خزاں
کیا نہیں نے فدا تجھ پر کیا ۔۔۔ ہر کبھی گاتی ہے تو دُکھڑا مرا
کوئی بولا پیشِ قاضی تو گئی ۔۔۔ میری بابت نامناسب سب کہی
خشک لب پر میرے تو کھولی زباں ۔۔۔ گاہے مفلس، گاہے بولے قلتباں
علّتیں یہ دو اگر ہیں تو بجا ۔۔۔ ایک کی باعث تو تو دیگر کا خدا
کیا سوا صندوق کے ہے میرے ہاں ۔۔۔ مایہ تہمت کا و بنیادِ گماں
یہ گماں لوگوں کو سونا ہے چھپا ۔۔۔ دینے والے روک لیتے ہیں عطا
خوب یہ صندوق لگتا ہے مگر ۔۔۔ کون ساماں ہے کہاں ہے سیم و زر
جوں تنِ ماکر ہے خوب و باوقار ۔۔۔ اس پٹاری میں نہیں کچھ غیر مار
کوچہ میں رکھوں گا کل صندوق کو ۔۔۔ آگ دوں گا درمیان چار سو
دیکھ لیں تا مومن کافر وہیں ۔۔۔ کچھ تمسخر کے سوا اس میں نہیں

بولی زن اس کو نہ کرنا یوں کبھی — وہ قسم کھاکر کہا ہوگا یہی
باندھا رسّی سے پٹاری کو تبھی — کرلیا دیوانہ خود کو آپ ہی
صبح کو حمّال لایا زود تر — رکھا وہ صندوق اس کی پیٹھ پر
قاضی بھی صندوق میں آشفتہ حال — چیختا تھا ہائے حمّال وائے حمّال
پیش و پس حمّال نے ڈالی نظر — کہ کدھر سے آئی آواز و قہر
اے نہیں دِکھتا کوئی داعی یہاں — یا پری کو ہے طلب میری نہاں
پے بہ پے آواز بڑھتی ہی چلی — تب یہ سمجھا یہ نہیں ہاتف کوئی
آخرش سمجھا کہ وہ شور و فغاں — ہے پٹاری کی، سو ہے کوئی نہاں
کوئی عاشق غم میں ہے معشوق کے — باہر سے اندر چلا صندوق کے
عمر اس نے کاٹی ہوگی اندر درِ غماں — کچھ نہ دیکھا جز پٹارے کے یہاں
سر نہیں اٹھا جو فوقِ آسماں — بند ہوس سے ہے پٹارے میں یہاں
جسم کو جب چھوڑ کر باہر چلے — گور میں پہنچے نکل کر گور سے
اس سخن کی حد نہیں، قاضی اسے — بولا اے حمّال اس صندوق کے
دے مری حالت سے دفتر کو خبر — میر نائب کو بھی بتلا زود تر
بےخرد سے تا خریدے دے کے زر — یوں ہی باندھے لے چلے وہ مجھ کو گھر
منتخب کر نرم دل لوگ اے خدا — تا کریں تن کے پٹارے سے رہا
خلق تا چھوٹے فسوں کی پیٹی سے — انبیا مرسل ہی ان کو مولیں گے
ہے ہزاروں میں کوئی اک خوش نظر — جانے جو پیٹی میں ہے کیا مستتر
جاننے والا کا بتلاؤں نشاں — وہ ہے خائف راحتِ دارِ جہاں
پہلے اس سے اس نے دیکھا یہ جہاں — اس کو اس ضد سے ہوئی یہ ضد عیاں
علم مؤمن کا ہے مالِ گم شدہ — اس کا اپنا بالیقیں کھویا ہوا
خود بھلے دن جو نہ دیکھا ہو کبھی — کیا نحوست سے ڈرے گا وہ کبھی؟
یا جو طفلی ہی میں قیدی ہو رہا — بندہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا

ذوقِ آزادی نہ جانے اس کی جاں — صورتوں کی پیٹی کے اندر نہاں
صورتوں میں عقل ہے ہردم گھری — زنداں سے زنداں میں آنا جانا بھی
قولِ حق ہے ''جاؤ تم گر ہوسکے'' — تھا وہ جن و انس دونوں کے لیے
آسماں میں راستہ ہوگا کہاں — چاہیے سلطان وحیِ آسماں
جانا ہے پیٹی سے پیٹی میں اگر — اتنی گنجائش ہے پیٹی میں کدھر
شاد نو نو پیٹیوں کو دیکھ کر — خود ہے پیٹی میں کہاں اس کی خبر
پیٹیوں کا گر اسے سودا نہ تھا — جیسے قاضی وہ رہائی چاہتا
جان لے ہے باخ بر کا یہ نشاں — وہ نہ ہوگا بے ہراس و بے فغاں
وہ بھی قاضی کی طرح لرزاں رہے — اس کا دل اک لمحہ کیوں شاداں رہے
ایک رہرو سے کہا حمال شاد — دفترِ قاضی کو جا مانند باد
اس کے نائب کو بتادے جا ابھی — قاضی کے سر پر قیامت آپڑی
چھوڑ سارے کام زود اس جا تو آ — بند صندوق اک خرید اور لے کے جا
چل کے رہرو وہ خبر پہنچا دیا — اور خبر جس نے سنی حیراں ہوا
الغرض حمال نے دے دی خبر — نائبِ قاضی تھا غم میں خیرہ سر
جوحی آتش جلائی برملا — کہ میں اس صندوق کو دوں گا جلا
جوش میں تھے برسرِ بازار سب — کون جوحی جس کا ہے ہنگامہ اب

نائب قاضی کا بازار میں آنا اور جوحی سے صندوق خریدنا

پوچھا نائب پیٹی کا ہے مول کیا — بولا نو سو ہوگا زر اس سے سوا
بولا اک بھی کم لوں گا نہیں — مولنا ہے، کھول کیسے لا یہیں
بولا اے مفلس ذرا تو شرم کر — قیمتِ صندوق خود فاش تر
بولا تر کر شرمِ اہل عقل سے — کون اس قیمت پہ مولے گا اِسے
مال دیکھے بن خریداری غلط — مال نیچے گدڑی کے یہ بھی غلط

کھولوں گا گر نامناسب ہو نہ لے — تا نہ ہو افسوس کا موقع تجھے
بولا اے ستار پردہ رکھ ذرا — ہاں تو طے کر لے لوں میں کھولے بنا
پردہ پوشی کر، رہے پردہ ترا — جب ہو اطمینان استہزا بجا
تھے اسی صندوق میں تجھ سے کئی — ابتلاؤں میں تھے محبوس آپ بھی
تو کرے جس کو پسند اپنے لیے — نیک یا بد کردہ اوروں کے لیے
نیک یا بد خود کو جو رکھے روا — رکھ روا اوروں کو بھی، ہوگا بجا
جو نہ چاہے خود کو نفع یا ضرر — چاہ نہ اوروں کے لیے اے بے ہنر
گھات میں ہے ہر گزر پر خدا — قبلِ یومِ دیں وہ دے دے گا صلہ
وہ عظیم العرش، عرش اس کا محیط — تختِ داد اس کا ہے جانوں پر بسیط
اک کنارۂ عرش ہے تجھ سے جڑا — بہرِ دین و داد ہی جنبش میں لا
رکھ تو خود احوال پر اپنے نظر — شہد دیکھے داد پر اور ڈنک ہے بیداد پر
ہے جزائے نیک و بد بھی اس جگہ — غور سے دیکھے اگر وہ سچ پائے گا
وہ جزا جو پائے گا در یومِ دیں — غور سے تو دیکھ اس جیسی نہیں
بے عدد بے حد جزا ہے اس جگہ — دوزخ اور آتش جزائے ناسزا
بولا ہاں میں نے ستم اس پر کیا — ابتدا پر جس نے کی اظلم ہوا
بولا تائب کرتے ہیں ہم ابتدا — روسیاہی ہو تو عالم جشن کا
جیسے حبشی شاد خود آپ ہی — اس کو کیا، گو دیکھتے ہیں غیر بھی
دیر تک سودا رہا تکرار کا — دے کے سو دینار اس سے لے لیا
جان لے تو قید تھا اور بندہ تھا — تو دکھوں کی پیٹی میں واماندہ تھا
چاہتیں تیری بھلی ہوں یا بری — ان کی ہر اک روک سو صندوق سی
جب تلک ان سے نہ ہو آزاد تو — جاں غموں سے ہوگی کیوں دلشاد تو

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا بیان کہ فرمایا "میں جس کا آقا ہوں پس علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے آقا ہیں"، حتیٰ کہ منافقوں نے طعنہ دیا کہ یہ بس نہیں کہ ہم ان کے فرماں بردار ہو گئے، کہ وہ ایک لڑکے کی تابعداری کا بھی حکم کر رہے ہیں

رازِ قربت فاش آقاؐ نے کیا — نام خود، نامِ علیؓ مولا رکھا
جس کسی کا میں ہوں مولا اور ولی — اس کا مولا میرا ابنِ عم علیؓ
کون مولا، جو کرے تجھ کو رہا — پاؤں سے زنجیر جو کردے جدا
آزادی میں ہے نبوت رہنما — وجہِ آزادیِ مومن انبیاء
اے گروہِ مومناں شادی مناؤ — سرو و سوسن کی سی آزادی مناؤ
شکر پر پانی کا ہو ہر دم ادا — بے زباں جو گلستانِ خوش نما
بے زباں جس طرح سرو سبزہ زار — شکرِ آب و شکرِ عدلِ نو بہار
جوڑے پہنے، دامنوں کو کھینچتے — ناچتے مستی میں عنبر چھینکتے
حاملہ ہر جز و از شاہِ بہار — پھل کے موتی ڈالیوں میں بے شمار
مریماں بے شو و محمولِ مسیح — بند لب، بے لاف گفتارِ فصیح
چاند ہمارا خوب روشن بے زباں — اس کے فر سے نطق ہر اک خوش بیاں
نطقِ عیسیٰؑ ہے فرِ مریم سے ہی — پھونک کی تاثیر ہے نطقِ صفی
شکر ہے وجہِ زیادت اے ثقات — ہیں نباتوں میں کئی قسمِ نبات
الٹا اس کا، خوار جو قانع رہا — پائی عزت اس نے جو طامع رہا
نفس کے بورے میں ایسا گھس نہ جا — گاہکوں سے اپنے خود غافل نہ رہ

دوسرے سال جوجی کی بیوی کا قاضی کی کچہری میں آنا اس امید پر کہ گزشتہ سال کا معاملہ انجام دے اور قاضی کا اس کو پہچان لینا

جوجی تنگی اک برس جھیلا کہا — اے زنِ چالاک پھر تو جا ذرا

اُس معاملۂ رفتہ کو پھر تازہ کر
پیش قاضی جاکے میرا شکوہ کر

پیشِ قاضی آئی وہ زن بازناں
ان میں اک زن کو بنالی ترجماں

تا نہ جانے قاضی اس کو باتوں سے
یادِ رفتہ تا نہ لوٹ آئے اسے

فتنہ در خود غمزۂ غمازِ زن
اس کو سو گنا کرے آوازِ زن

خود بڑھا سکتی نہ تھی اپنی صدا
غمزہ تنہا اس کا تھا بے فائدہ

بولا قاضی جا کے تو شوہر کو لا
تا پکاؤں اس سے میں قضیہ ترا

آیا، قاضی نے بہ پایا جوحی کو
جب ملے تھے بند تھا پیٹی میں وہ

تھی صدا باہر سے جوحی کی سنی
لین دین اور بیش وکم کی بات ہی

پوچھا، خرچِ زن نہیں تمام
بولا جاں سے شرع کا میں ہوں غلام

وقت مردن بھی رہوں گر بے کفن
زیست کا ہارا، سہارا میرا فن

اس سے شاید قاضی اس کو پالیا
مکر، کھیل اس کا سبھی یاد آگیا

تو وہی شش پنج مجھ سے کھیلا تھا
پارسال حیرانی میں تو ڈالا تھا

میری باری ہوگئی، اب یہ جوا
اور سے کھیل، ہاتھ مجھ سے لے اٹھا

ہوگیا شش پنج سے عارف جدا
پنج وشش سے محترز بھی ہوگیا

پنج حس اور شش جہت سے چھٹ گیا
اور ان سب سے تجھے آگہ کیا

وہ اشارہ رمزِ ازلی ہوگیا
پار سب اوہام سے یکسو ہوا

عالمِ شش جہت جو ہوں پھنسے
لائیں کیوں یوسفؑ کو باہر چاہ کے

وہ اترنے والا اوجِ چرخ سے
جسم اس کا جوں دلو چہ میں چلے

یوسفاں سب ڈول اس کا تھام کے
چہ سے نکلے، مصر کے شہ بن گئے

ڈول دیگر لیں گے پانی چاہ سے
ٹوہ میں یاروں کی ڈول انکار ہے

ڈول وہ ڈوبے، بجھائے تشنگی
اِس دلو سے حوت و قوت و زندگی

ڈول ہیں وہ چرخِ بالا سے جڑے
ڈول ہیں کچھ انگلیوں کی پیچ کے

ڈول کیسا، رسی کیا چرخی بھی کیا
یہ مثالیں ہیں سبھی مہمل تو جا

لاؤں کیوں تجھ کو کوئی سالم مثال　　کوئی ہمتا ہے نہ ہوگا بے محال
لاکھ انساں ایک کے اندر نہاں　　ایک تیر اور اس میں سو تیر و کماں
مَــا رَمَيْـتَ اِذْ رَمَيْـتَ اک امتحاں　　لاکھ خرمن ایک مٹھی میں نہاں
جیسے سورج ایک ذرّے میں نہاں　　ذرّہ جیسے کھول دے منھ ناگہاں
ذرّہ ذرّہ ہوں گے افلاک و زمیں　　گھات سے باہر نہ ہو سورج کہیں
جان ایسی کب ہے لائق جسم کے　　ایسی جاں سے تن کو دھونا چاہیے
اے بدن تو گھر ہے جاں کا بس یہیں　　مشک میں دریا سماتا ہے کہیں؟
ہیں ہزاروں جبرئیلؑ اندر بشر　　جوفِ خر بھی ہے مسیحاؤں کا گھر
ہیں کلیم اللہ کملی میں چھپے　　خوف جانے نیک و بد سے بچ گئے
حق کے پیارے ہیں چھپے در غارِ تن　　ہیں خزانے حق کے اندر مارِ تن
ہیں ہزاروں کعبہ گرجا گھر میں بھی　　غلطی دیو، ابلیس پر جب تھونپ دی
سجدہ گاہِ لامکاں اندر مکاں　　تجھ سے ویراں ہے بلیسوں کی دُکاں
کس لیے خاکی کی خدمت میں کروں　　ادنیٰ پتلوں کو لقب دیں کا نہ دوں
کچھ نہیں ہے خوف آنکھوں کو تو مل　　تا نظر آئے تجھے نورِ اجل

شہزادے کے قصہ کی طرف واپسی اور اس کی شاہ کے دربار سے وابستگی

شاہزادہ پیشِ شہ حیراں نہاں　　مشتِ خاک اور جلوۂ ہفت آسماں
کوئی صورت لب کشائی کی نہ تھی　　جان اُس کی جان سے چپ بھی نہ تھی
جی میں آیا یہ جو حالت ہے چھپی　　کاہے صورت جب وہ معنی ہے سبھی
ایک صورت وجہِ بیزاری تجھے　　سوتے کو سوتا جگانے کے لیے
چپ کیے دیتا ہے تیرا وہ کلام　　وہ مرض تیرا ہے داروے تمام
اصلِ صحت ہے یہ قسمِ عاشقی　　رشکِ راحت درد، دکھ اس کے سبھی
ہاتھ دھولے جان سے اے تن ابھی　　ورنہ کرلے اخذ دیگر جاں کوئی

شاہ چین کے پردیسی، عاشق شہزادے کو نوازنے اور احترام کرنے کے بیان میں

شہ نوازش اپنی گو جاری رکھا — جیسے مہ سورج سے وہ گھلتا رہا
ہے گدازِ عاشقاں بڑھتا ہوا — چاند جوں بڑھتا ہوا گھٹتا ہوا
ہر کوئی بیمار کی دار و امید — اس کا رونا ہو مرض میرا مزید
ہیں سبھی بیمار خواہانِ دوا — رنج و درد و رونا مانگے یہ سوا
کوئی شربت زہر سے بہتر نہیں — تندرستی رنج سے خوشتر نہیں
اس گنہ سے اچھی طاعت ہے کوئی؟ — برسوں کی مدت بھی گھنٹہ ہوگئی
مدتوں شہ کا طریقہ تھا یہی — دل کباب اور جاں طبق پر تھی دھری
شہ سے ہر عاشق کا ایک ہی سر کٹا — پیش شہ ہر دم مرا سر ہو نیا
زر سے خالی، سر لٹانے کو غنی — لاکھ سر مجھ کو ہے انعامِ سنی
عشق میں ڈوبا نہ دوڑا جائے گا — عشق بازی ایک سر سے ہوگی کیا؟
ہر کسی کو پاؤں دو اک سر بجا — لاکھ پاؤں اور سر تن بھی ہے کیا
اس لیے ہنگامے باطل ہوگئے — ہے یہ اک ہنگامہ جو بڑھتا چلے
کان گرمی کی ہے اندر لامکاں — اک شرر بس ہفت دوزخ بھی دھواں

اس کا بیان کہ وہ دوزخ کے پل صراط اس کے اوپر ہے، کہتی ہے اے مومن جلد کر اور گزر جا تاکہ تیرے نور کی عظمت میری آگ کو نہ بجھا دے جزاے مومن! گزر جا بیشک تیرے نور نے میری آگ بجھا دی

نارِ دوزخ، نورِ مومن سے صفی — دھیمی ہوتے ہوتے خود بجھ جائے گی
بولے ہوجا ذی حشم بس تیز پا — میرے دوزخ کو تو بجھنے سے بچا
کفر کیا، گندھک ہے دوزخ کے لیے — سانس کیوں کرتی ہے نم دیکھو اسے
کفر گندھک نارِ دوزخ کے لیے — کس طرح ہوتی ہے مردہ دیکھ لے

زود گندھک کو تری اس سمت دے / تجھ پہ تا دوزخ نہ چنگاری پڑے
بولے جنت تو گزر جا جوں ہوا / تا نہ ہو کھوٹا جو کچھ بھی ہے مرا
تو ہے خرمن والا اور میں خوشہ چیں / میں ہوں اک بُت تو ممالک ہائے چیں
کانپیں اس سے دونوں دوزخ اور جناں / مجھ کو امن اس سے نہ ہے اُس سے اماں

شہزادوں میں سے بڑے بھائی کا مر جانا اور درمیانی بھائی کی شاہ چین کی صحبت اختیار کرنا

کٹ گئی عمر اور فرصتِ چارہ نہ تھی / صبر سوزاں، جان عاجز آ گئی
عجز میں ہجر میں مدت ہوئی / عمر سب ناکامی میں ہی آخر گئی
اس سے پوشیدہ تھی صورت یار کی / لا پتہ وہ ہوگیا خود آپ بھی
گرچہ زیبا ہے لباسِ شُستری / ہے ملن کو بے لباسی ہی بھلی
تن سے میں عریاں و جاناں از خیال / ہوں خراماں در نہایاتِ الوصال
روک لینا ہے یہاں آ کر زباں / پھر جو ہوگا منع ہے اس کا بیاں
گر کرے کوشش، کہے تو صد ہزار / ہوگا ضائع، کچھ نہ ہوگا آشکار
تا بدریا سیرِ اسپ و زیں بجا / مرکب چوبی کو ہے آگے جگہ
خشکی میں وہ اسپِ چوبیں ناروا / سائرِ دریا کو ہے وہ رہنما
خامشی کیا؟ اسپِ چوبیں ہے وہی / سیکھتے ہیں دریا والے خامشی
ہر خموشی جو تجھے غمگیں کرے / اَن سنے وہ عشق کے نعرے بھلے
تجھ کو حیرت خاموشی یہ کس لیے / اس کو حیرت کان اس کے کیا ہوئے
نعروں سے میں بہرہ اور وہ بے خبر / تیز کانوں والے اس قصے سے کر
ایک وہ جو نیند میں نعرے بھرے / لاکھ بحثیں چھیڑے اور تلقیں کرے
پہلو میں بیٹھا ہے وہ اور بے خبر / خود ہی سویا ہے نہ جانے شور و شر
ایک وہ کشتی ہوئی جس کی خراب / ہوگئی غرق، اور وہ ہے ماہی آب
حال عجب گویا ہے نے خاموش میں / نام لفظوں میں نہیں اس کا کوئی

اک نہیں دونوں سے ہے وہ اے عجب ہے وضاحت جس کی بیرونِ ادب
ہے مَثَل کمزور، یہ پھبتی نہیں کوئی محسوس اس سے بہتر بھی نہیں
الغرض شہزادہ دنیا سے گیا جان پُردرد و جگر پُرسوز تھا

منجھلے بھائی کا بھائی کے جنازے پر آنا کیونکہ چھوٹا بیماری کی وجہ سے بستر پر تھا۔ بادشاہ کا منجھلے کو نوازنا اور بادشاہ کی نظر سے اس کو غیبی اور عینی دولتیں حاصل ہونا

چھوٹا تھا بیمار اور وہ بیچ کا صرف، بھائی کے جنازے پر گیا
شاہ دیکھا کون ہے پُرسش کیا وہ اُسی دریا کی مچھلی کہلایا
پور اُسی کے باپ کا مدّاح کہا یعنی اُس بھائی کا یہ چھوٹا رہا
شاہ بولا تو ہے اس کی یادگار کرلیا پرسش سے اس کو بھی شکار
شاہِ یکتا کی نوازش دیکھ کر تن میں جاں کے ساتھ پائی جاں دِگر
اپنے دل میں پایا عالی غلغلہ صوفی سو چلّوں میں جو پایا نہ تھا
عالم عالیشان تھا دل میں بپا کوئی سو خلوت میں بھی دیکھا نہ تھا
کوہ، پتھر، میداں روشن ہوگئے جس طرح کھلتے اناراں پھٹ پڑے
ذرّہ ذرّہ آگے اس کے آفتاب کر رہا تھا سو طرح سے فتح یاب
گاہے در روزن بنے کہ روشنی وہ کبھی پیمانہ تو گندم کبھی
کہنہ سوکھا گوشت گویا چرخ بھی لحہ لحہ سامنے خلقت نئی
روح تن سے ہوگئی چونکہ رہا آنکھ اس کو ایسی ہوتی ہے عطا
اس کے آگے سو ہزاراں غیب عیاں دیکھتی ہے جیسے چشمِ محرماں
جو بھی اس نے تھا کتابوں میں پڑھا آنکھ سے ویسے ہی سب کچھ پائے گا
اور جلوسِ شاہ کی اس دھول سے ہے عزیزی سرمہ آنکھوں کو اسے
ایسے گلشن پر تھا دامن کھینچتا اور کچھ کا نعرہ ہر اک جزو سے تھا
گلشنِ سبزی ہے دم بھر کے لیے عقل کا گلشن سدا تازہ رہے

جو چمن مٹی سے ہوگا تباہ
جو چمن دل سے اُگے فرحت فزا

یہ علوم اپنے جو ہیں سیکھے ہوئے
اک دو گلدستے ہیں اس گلزار کے

اک دو گلدستوں کے اوپر ہم فدا
بند ہم نے بابِ گلشن کردیا

اے دریغا کیسی کیسی کنجیاں!
اپنے ہاتھوں کھو رہے ہیں بہرِ ناں

کردیا جاتا جب فارغ زناں
لٹّو ہوجاتا ہے در عشقِ زناں

پیاس تیری ہوگی پھر جب موجزن
چاہے ملک اور شہر بھر تو نان و زن

سانپ تھا تو اژدہا ہے اب مگر
ایک سر تھا ہوگئے اب سات سر

سات سر کا اژدہا دوزخ ہوا
حرص دانہ، دام دوزخ تھا ترا

جھاڑ دے جالا تو دانہ پھونک دے
گھر کے دروازے نئے رکھ کھول کے

تو نہیں عاشق بھکاری بے حیا
کوہ جیسی بے خبر تیری صدا

کوہ کی کب ہوتی ہے اپنی صدا
گونجتی ہے اس سے دیگر کی صدا

تیری باتیں اس لیے ہیں اور کی
عکسِ دیگر ہیں ترے احوال بھی

عکس اوروں کا ترا غصہ، خوشی
غصہ پولس کا، خوشی دلالہ کی

وہ تو لاغر ہے پولس کو کیا کیا
جھڑکیاں کینے سے دیں اور دکھ دیا

کب تلک جھوٹی چمک والا خیال
جہد کرتا ہو سکے وہ اصل حال

تا تری باتی ہوں تیرا عرضِ حال
سیر بھی ہو تیری تیرے پر و بال

ہے شکاری تیر پرِّ غیر سے
اس سے وہ محرومِ لحمِ طیر سے

باز لاتا ہے پہاڑوں سے شکار
شاہ اسے دیتا ہے لحمِ کبک و سار

جال بن لے آتا ہے شکرہ شکار
گوشت تیتر کا کھلائے شہریار

غیرِ وحی ہر بات خواہش نفس کی
خاک جوں اڑتی ہوا میں دھول سی

جس کسی کو دعویٰ یہ بے جا لگے
ابتدا والنجم کی خود دیکھ لے

کچھ نہیں کہتے محمدؐ از ہَوا
جز وحی جس کا احاطہ کرلیا

جان لے یہ کہ محمدؐ از ہَوا
کچھ نہیں کہتے بجز وحیِ خدا

وحی سے احمدؐ نہیں ہے تم کو یاس — اہلِ تن کو دو تحرّی و قیاس
بید کو گو پھل نہیں ہے ظلال — گر ضرورت ہو تو ہے مردار حلال
گر دکھے کعبہ تحرّی ہے خطا — ہاں بیابانوں کے اندر ہے روا
بے تحرّی و قیاس جو بھی کرے — ہے ہوا سے پیں وہی بدعت بنے
باد بہرِ عاد نعمت کے لیے — اور سلیمانؑ کو سیاحت کے لیے
باد اٹھائے عاد کو مہلک بنے — بچہ جوں بکری کا پیٹو کے لیے
جیسے بیٹا پہلو میں تھامے ہوئے — تا کہ جوں قصاب اسے بسمل کرے
دوست سمجھے عاد والے باد کو — ان کے استکبار سے تھی وہ عدو
جوں ہی اپنا رنگ بدلی ہو ہوا — سب کو توڑا ذرّہ ذرّہ کردیا
باد کو توڑ دے فتنہ ہے باد — اس سے پہلے توڑے تجھ کو مثلِ عاد
ہودؑ بولے، دیکھ اے جمعِ پُر غرور — باد دامن نہ چھڑالے ہونے دور
یہ ہوا حق کی سپہ، ہے اور ہی — چند دن کی تم سے اس کی دوستی
باطناً اللہ سے اس کی لگی — وقت آنے پر وہ کھل کر آئے گی
یہ وہی باد امن سے ٹل جائے گی — جان سی تھی موت بن کر آئے گی
ہاتھ اس کا جس نے چوما تیرا ہاتھ — گرز ہوجائے وہی غصے کے ساتھ
دیکھ ہے منھ میں ہے ہوا کا راستہ — کرّ و فر سے آتی جاتی ہے سدا
حلق و دنداں سالم اس کے فیض سے — حکمِ حق سے دانت کے اندر گھسے
باد کا ذرّہ بنے کوہ ثقیل — دردِ دنداں سے رہے زار و علیل
جان اس کی یارب اور یارب کہے — سلسلہ اس بات کا بس کاٹ دے
اے دہن تو باد سے غافل نہ تھا — عاجزی کر توبہ ، استغفار چاہ
آنسو اس کی سخت آنکھوں میں بہے — درد منکر کو بھی اللہ خواں کرے
قول حق مانا نہ اہل اللہ سے — وحیِ حق کو درد سے تو مان لے
زعمِ باد ہوں قاصدِ شاہِ بشر — مژدہ لاؤں یا کبھی میں شور و شر

جیسے تو میں شہ سے غافل ہوں کہیں   میں تو ہوں محکوم خود حاکم نہیں
تو اگر ہوتا سلیمانؑ سا کبھی   میں زخود حمّال ہوجاتی تری
عارضی ہوں کب ہوں مملوکہ تری   ورنہ بتلا دیتی راز اپنے سبھی
تو ہے باغی اور میں ہوں مستعار   میں تری خدمت کروں گی دن دوچار
پھر تجھے جوں عاد میں اوندھا کروں   تیرے لشکر سے میں باغی ہوچلوں
تا بغیب ایماں ترا محکم بنے   تیرا ایماں غم کا مایہ ہورہے
اس زماں ایمان لائیں گے سبھی   سر کے بل دوڑے چلیں گے باغی بھی
تب کرے افلاس و زاری آشکار   چور اور رہزن سا ہوگا زیر دار
ہاں اگر ہوغیب میں تو ٹھیک ہی   مالکِ کونین و شحنہ خود تو ہی
پر تو دیکھے بادشاہی دائمی   وہ نہ ہوگی ناقص اور مانگی ہوئی
چھوٹے بیگاری سے کار خود کرے   شاہ بھی نقارچی بھی خود بنے
جب گلے سے تنگ ہوجائے جہاں   بولے مٹی کاش کھاتا یہ دہاں
خاک ہی کھانے کو ہے اپنا دہاں   خاک وہ تبدیلِ ہیئت ہے جہاں
یہ کباب و یہ شراب اور یہ شکر   خاک ہے رنگیں ونقشیں اے پسر
تو جو کھایا، گوشت چمڑا بن گیا   گوشت کی صورت گلی کی خاک تھا
پھر گلا وہ کرتے ہیں مٹّی سے ہی   ڈالتے ہیں مٹی میں آخر سبھی
ہندو، و قبچاق، یا رومی حبش   ہوتے ہیں ہمرنگ اندر گور خوش
جان لی تاکہ یہ سب رنگ و نگار   جملہ اک پردہ ہے مکر و مستعار
کیوں کہ باقی صبغۃ اللہ ہی ہے بس   ہے سوا اس کے سبھی گویا جَرس
رنگِ صدق و رنگِ تقویٰ و یقین   ہے ہمیشہ کے لیے باعابدین
ہو نفاق و کفر و شک گر درمیاں   بوجھ اس کا تا ابد برسر کشاں
اور جوں فرعونِ بدبخت و دغا   رنگ باقی اُس کا تن ہوگا فنا
شان و تا بانی روئے صادقیں   تن فنا، باقی چمک تا یومِ دیں

اچھا اچھا ہے بُرا ہے سو بُرا
ترش رو بد، اچھا خنداں ہے سدا

رنگ و فن ، شوخی جو مٹی کو ملے
طفل خو کو خوش لڑائی میں رکھے

اونٹ،شیراں آئے کے پکتے ہیں جب
ہاتھ اپنے چاٹتے ہیں بچے تب

منھ میں وہ شیر اونٹ بن جاتے ہیں ناں
پر سمجھتے ہی نہیں یہ کود کاں

خاک در دامن ہیں ہم جوں کو دکاں
سر سے غائب فکرِ اسباب و دکاں

بچے میں شک و گماں نادانی ہے
شکرِ حق کہ اس کی قوت تھوڑی ہے

ہائے وہ نا بالغاں کہلائیں پیر
لنگ چیونٹی اور اس کو زعمِ میر

بچہ ہے، وہ خوگرِ پیکار ہے
شکر حق تدبیر نے ہتھیار ہے

اُف یہ پیراں بے بلوغ و بےادیب
وجہِ قوت ہیں بلائے ہر رقیب

جہل اور ہتھیار جب ہوں گے بہم
ہوگا عالم سوز فرعون از ستم

شکر درویش کہ کوتاہی سے
بچ گیا تو کفر سے فرعونی سے

شکر کر مظلوم نے ظالم ہوا
فتنہ و فرعونی سے تو بچ گیا

پیٹ خالی لاف الا اللہ نہ تھی
رہ گئی جو آگ ایندھن سے تہی

پیٹ خالی، قید خانہ دیو کا
روٹی کا دکھ مانع مکر و ریو کا

لوت سے پُر پیٹ بازارِ دیو
دیو کے تجار کا اس میں غریو

جادو گر تاجر جو لاشئے فروش
عقل کو دھندلاتا ہے ان کا خروش

مٹکا جس کے گھوڑا بھیجا سحر سے
چاندی تارکی سے وہ کپڑا بُنے

تن رہے ہیں خاک ریشم کی مثال
دیں گے مٹّی دیدہ فارق میں ڈال

رنگ پتھر پر چڑھائیں عود کا
ڈھیلے سے کردیں حسد میں مبتلا

پاک ہے وہ رنگ جو مٹّی کو دے
بچے جوں ہم کو لڑانے کے لیے

جیسے بچے خاک در داماں سبھی
خاک اپنے واسطے جوں سونا ہی

بچے بالغ کو لڑاتا ہے کہاں
دونوں کو یکجا بٹھاتا ہے کہاں

کہنہ ہوکر بھی رہے میوہ جو خام
نہ پکے تو غورہ ہوگا اس کا نام

کچا کھٹا ہو اگر سو سالہ بھی — با سمجھ کو طفل غورہ ہے ابھی
بال داڑھی گرچہ ہو جائیں سفید — ہے ابھی طفلی میں باخوف و امید
میں نہ پہنچوں یا پہنچ جاؤں کبھی — رحم فرمائے خدا یا قہر ہی
پہنچوں یا میں نا رسیدہ ہی رہوں — وہ کرے لطف و کرم حیران ہوں
قابلیت نہ سہی، دوری سہی — دے گا یہ غورہ مجھے انگور ہی
رُخ نہیں گرچہ مری امید کو — لطف اس کا بولے مایوسی نہ ہو
ذوقِ جشن عام ہے خاقان کو — کان کھینچے ہے دمِ لا تقنطوا
نا امیدی کے گڑھے میں ہم جو تھے — جب سلا آئی تو ہم رقصاں چلے
جیسے گھوڑے رقص کرتے، دوڑتے — ہم محبت کی چراگہ کو چلے
گام اٹھاتے ہیں نہیں اس جا پہ گام — جام اڑاتے ہی نہیں ہے کوئی جام
کہ وہاں اشیا سبھی روحانی ہیں — معنی اندر معنی و ربانی ہیں
سایہ صورت اور معنی آفتاب — نور بے سایہ جو ہو صورت خراب
اینٹ پر اینٹ اس جگہ رکھی نہ تھی — نورِ مہ کو کچھ رکاوٹ ہی نہ تھی
خشت اکھڑنی ہے سونے کی سہی — تا عوض اس کا ہو وحی و روشنی
کوہ پرزے سایہ سے تا ڈُھل سکے — سہل چھٹنا نور پانے کے لیے
زد برونِ کوہ نورِ حق کی تھی — پھٹ پڑا تا پہنچے وہ باطن میں بھی
بھوکے ہاتھوں لگی جب قرصِ ناں — پھاڑ ڈالے حرص نے چشم و دہاں
لاکھ ٹکڑے ہونا لائق نور کے — اے زمیں اٹھ جا فلک کے بیچ سے
تاکہ نورِ چرخ سایہ کو جلائے — رات تا سرکش ترے سائے کی جائے
یہ زمیں گہوارہ بچوں کے لیے — تنگ ہے جا بالغوں کے واسطے
اس زمیں کو مہد فرمایا خدا — دودھ بچوں کو بالغ رود تر
ہاں نہ کر اے گاہوارے خانہ تنگ — بالغاں چل پھر سکیں تا بے درنگ
تنگ گہوارے سے گھر کو کر نہ دے — تاکہ بالغ بے اڈک چل پھر سکے

اس وسوسہ کی جو شہزادے میں استغنا اور اس کے کشف کی وجہ سے پیدا ہوا جو اس کے دل میں شاہ کی وجہ سے حاصل ہوا تھا اور وہ شاہ سے سرکشی اور ناشکری کا ارادہ کرر ہا تھا، شاہ کو الہام کے راستے خبر ہوگئی اور اس کا دل دکھا۔ اس کی روح کو زخمی کیا ایسے طریقہ پر (خبر ہوئی) کہ شہزادے کو خبر نہ ہوئی

جب بلا سودا مسلّم ہوگیا — شہ کے دل میں اس کا روزینہ ہو گیا
شہ کی جاں نور حاصل کرلیا — چاند جوں از آفتاب جانِ شہ
شاہِ یکتا سے وظیفۂ نور جاں — مست جاں پر اس کی جاری ہر زماں
وہ نہیں جو ترسا، مشرک کھائیں گے — یہ غذا وہ جو ملائک کھائیں گے
بے نیازی اس میں پیدا ہوگئی — بے نیازی سے تھی پیدا سرکشی
میں نہ شہ ہوں اور نہ شہزادہ کوئی — کیوں عِناں ہے شاہ کے ہاتھوں مری
ہوگیا ہے چاند میرا آشکار — کیوں چلوں پیچھے کہ آگے ہے غبار
نہر میری ہے پُر آب اور وقت ناز — نازِ غیر اب کیوں اٹھائے بے نیاز
بند کیوں سر پر، نہیں جب دردِ سر — اب کہاں وہ چہرہ زرد اور آنکھ تر
میں شکر لب ، گال میرے جوں قمر — اب لگانی ہے دکاں مجھ کو دگر
نفس انانیت سے اب پھلنے لگا — لاکھ بکواس اس طرح کرنے لگا
دشت سو حرص و حسد کے بھی ورا — پر پہنچ کو نظرِ بد کی ہے جگہ
بحرِ شہ پانی پہنچنے کی جگہ — سیل و جو اس میں نہیں جانے وہ کیا؟
دکھ گیا دل شہ کا اس کی فکر سے — اور ناشکری عطا پر دیکھ کے
بولا دل میں اے کمینے بے ادب! — کیا یہ بدلہ ہے عطا کا اے عجب
میں نے گنج سے کیا کچھ کیا — مجھ کو اے بد خلق تونے کیا دیا
چاند اک تیری بغل میں رکھ دیا — جو نہیں ڈوبے گا تا روز جزا
خوب بدلہ پا کے مجھ سے نورِ پاک — جھونکے آنکھوں میں مری تو خار و خاک

میں بنا سیڑھی تجھے تا آسماں — جنگ پر تو مجھ سے با تیر و کماں
دردِ غیرت شاہ میں پیدا ہوا — اس کے اندر عکسِ دردِ شہ گیا
مرغِ دولت شہ کے غصہ سے تپاں — راز اس کی گوشہ کا عیاں
اپنے باطن کو جو دیکھا وہ پسر — خود کی بدکاری کا ظاہر تھا اثر
وہ وظیفہ لطف و نعمت کا نہ تھا — شادی خانہ ہوگیا اک غمکدہ
نشہ زود اترا ہوا جب ہوشیار — سر ہوا شرمِ گنہ سے پُر خمار
جو بھی نزدِ یار خود بینی کرے — مغز کھوئے ہوگا حاصل پوست اُسے
نہ کرے خود بیں خدا دشمن کو بھی — جز خرابی دیکھے کیا خود بیں کوئی
مے ہے اس باعث حرام اندر جہاں — ہوتا ہے خود میں شرابی و زماں
خود سے بہتر تو نہیں دِکھتا کوئی — نفسِ خود بیں سے پیدا ہے یہ سبھی
مے جو با خود پیتا ہے باخود رہے — رند ایسا خوار اور مرتد بنے
ساتھ اس کے جو پیے اس کو حلال — دم بھرے اس کے بنا تو وہ وبال
چوں کہ اس کے ساتھ جامِ ہُو پیے — دیکھوں اس کا چہرہ آنکھیں کھول کے
بعد بالکل خود سے ہوجائے جدا — ہے یہی انجام بادہ پینے کا
وہ جسے خود سے جدائی چاہیے — جان و دل کی قید میں کب تک رہے
پیارے جاں جانا نہ کو تو سونپ دے — تا مرا جاناں نظر آئے تجھے
دے کے دل دلدار کو آزاد ہو — بن کے تو غمخوار اُس کا شاد ہو
تو نہ کرنا خود پہ غالب نفس کو — بند کر اس کی رضاعت زود تو
جو بھی ہے اس میں تو مستی ہے یقیں — دودھ ہو وہ یا شراب و انگبیں
مستی گندم کی ہے ایسی جان لے — وہ کہ آدمؑ کو بھی ناواقف کرے
کھائے گندم پوشش ان کی چھن گئی — جنت ان کے حق میں صحرا بن گئی
دیکھا کہ بیمار شربت سے ہوا — زہر انانیت کا کام اپنا کیا
جاں جو باغِ ناز میں تھی مورسی — اب وہ چغد ویرانے میں تھی

جیسے آدمؑ دور تھا جنت سے وہ ہل چلایا تھا زمیں میں کھیتی کو
کہتا تھا روکر اے ڈاکو نفس تو گائے کی دُم میں پھنسایا شیر کو
کردیا اے نفسِ بد، بے مہر ،بس نہ کیا پاسِ شہ، فریاد رس
حرص میں گندم کی دام اچھا لگا اور وہی گندم تجھے بچھو بنا
ہے ترے سر میں انانیت بھری اور پچاسوں من سے بوجھل پاؤں بھی
نوحہ اپنی جان پر کرتا رہا کیوں مخالف ہوگیا سامان کا
ہوش میں آیا تو اس نے توبہ کی ساتھ کی توبہ کے ایک اور چیز بھی
درد وہ ایماں کی وحشت سے جو ہو رحم کر کہ درد بے درماں ہے وہ
بشری جاہ ہو نہ ٹھیک اللہ کرے ہو جو آسودہ صدارت چاہیے
آدمی کو پنجہ و ناخن نہ ہو دیں درستی ورنہ دیکھے گا نہ وہ
آدمی اندر بلا اچھا رہے ورنہ کافر نفس اسے گمرہ کرے
نفس کافر خود نہیں دیتا اماں ہوگا سَرکش گر شکم ہو پُر زناں
آدمی خود مبتلا بہتر رہے کیوں کہ زار و عاجز مضطر رہے

خطاب اللہ تعالیٰ بہ عزرائیل علیہ السلام کہ تجھے ان لوگوں میں سے سب سے زیادہ کس پر رحم آیا جن کی تو نے جان قبض کی اور ان کا حضرت عزت کو جواب

پوچھا عزرائیلؑ سے اللہ نے غمزدوں میں کس پہ رحم آیا تجھے
بولے یوں تو سب کی بابت دل جلا ڈر تھا لیکن امر کے اہمال کا
تا کہ کہہ دوں کاش کے یزداں مجھے اس جواں کے بدلے میں قرباں کرے
پوچھا کس پر بڑھ کے رحم آیا تجھے سوز و بریاں تر تھا دل کس کے لیے
پھنس کے اک کشتی تھی موجوں میں جسے میں نے توڑا امر سے پرزے کیے
بولا پھر تو اُن سبھوں کی جان لے پر بس اک طفل اور زن کو چھوڑ دے
ایک ہی تختہ پہ دونوں رہ گئے موجیں تھیں رو میں چلانے کے لیے

ڈالی جب ساحل پہ اس تختہ کو باد
بچ گئے دونوں ہوا دل میرا شاد

پھر کہا تو جانِ مادر قبض کر
چھوڑ تنہا طفل کُن کے امر پر

جب چھڑایا ماں سے میں نے طفل کو
تلخ کتنا مجھ پہ گزرا جانے تو

دیکھا وہ ماتم، قیامت ہوگئی
ذہن سے تلخی نہ بچے کی گئی

موج کو تھا حکم حق کے فضل سے
جا کے جھاڑی میں وہ بچہ ڈال دے

جھاڑی ہو سوسن گُل و ریحاں تمام
جھاڑ میووں سے لدے اور خوش طعام

چشمہ ہائے آب شیریں جابجا
فضل سے وہ بچہ نازوں میں پلا

مرغ لاکھوں گانے والے خوش صدا
اور اس گلشن میں پیدا صد نوا

سیوتی کے پتّوں کا بستر تھا بنا
امن سو فتنوں سے بھی اس کو دیا

تانہ کاٹے دھوپ سورج سے کہا
اور ہوا کو چل تو آہستہ ذرا

ابر کو بولا بنا برسے گزر
برق کو، اس پر جھکاؤ تو نہ کر

باغ کے سرما میں بھی ہو اعتدال
رت بہاروں کی وہ ہو جائے بحال

شیخ شیبان راعی قدس اللہ سرّہٗ العزیز کی کرامات

جیسے شیباں بھیڑیے کے خوف سے
جمعہ کو خط کھینچتے گرد گلّے کے

خط سے باہر تا نہ جائیں بکریاں
اور نہ اندر آئے گرگِ بازیاں

جوں حصارِ ہودؑ تھا وہ دائرہ
جو تھا آلِ ہودؑ کو جائے پناہ

آٹھ دن اس دائرے میں چپ رہو
دست و پا کٹتے ہیں باہر دیکھ لو

باد اڑاتی اور پٹختی سنگ پر
گوشت ہڈّی سب جدا و منتشر

جب ہوا میں بھڑتے وہ بایک دگر
ہڈیاں ہوجائیں پرزے ٹوٹ کر

اس سزا نے چرخ کو لرزا دیا
مثنوی میں شرح کا موقع کجا

خود سے گر کرتی ہے یہ اے سرد ہوا
گرد دائرہ ہودؑ کے پھر کر دِکھا

کرتا ہے گر حرص سے وہ بھیڑیا
خطِ راعی پار کرنے بول آ

اے طبیعی شانِ قدرت دیکھ آ حرف حق کو گر مٹانا ہے مٹا
منع استادوں کو کر آ تو پند سے گو شمالی کر سزا کا ڈر رہے
عاجز و حیراں ہے وجہِ عجز کیا عجز یہ ہے یہ باعثِ روزِ جزا
ہیں بہت پنہانیاں اب بھی چھپے وقت ہے اب باہر آنے کے لیے
جس کی طاقت عجز و حیرت مرحبا دو جہاں میں سایہ یہ اس پر یار کار
پہلے ہی عجز اس نے اپنا پالیا بوڑھیوں کے دین کو اپنا لیا
تھے زلیخا پر جو یوسفؑ جلوہ ریز کی بڑھاپے سے جوانی کو گریز
زندگی پس موت میں محنت میں ہے یعنی قربِ زندگی ظلمت میں ہے

اللہ تعالیٰ کا نمرود کو بچپن میں بغیر ماں کے دایہ کے واسطے سے پرورش کرنے کا قصہ

وہ چمن تھا جیسے جانِ عارفاں لُو سے بھی صرصر سے بھی اندر اماں
جب جنم بچہ کو اک چیتا دیا دایہ اس بچے کی ہونے کو کہا
پس پلائی دودھ اور خدمت بھی کی ہوکے بالغ بن گیا موٹا قوی
دودھ چھوٹا تو پری سے کہہ دیا گفتگو اور گُر حکومت کے سِکھا
اس چمن میں پرورش اس طرح دی بات میں کہنے کو گنجائش نہ تھی
ڈال دی ایوبؑ میں مہرِ پدر کرم کی مہمانی ہوتا بے ضرر
کیڑوں پر اولاد کا سا ان کو پیار یہ مری قدرت، یہ میرا اختیار
ماؤں میں میں نے محبت ڈال دی شمع کیوں ہوگی جو روشن میں نے کی
لطف سو میرے و سو رشتے مرے بے وسیلہ لطف بھی دیکھے مرے
تا سبب سے کشمکش میں نا پڑے استعانت میری جانب سے رہے
مجھ سے کوئی عذر کو رستہ نہ ہو یارِ بد سے بھی کوئی شکوہ نہ ہو
پرورش سو راستوں سے دیکھ لی پالا ہے بے واسطہ خود میں نے ہی
شکر اس کا یہ تھا اے بندۂ جلیل کہ ہوا وہ دشمنِ جانِ خلیلؑ

اس طرح شہزادہ کا جوں شکر شاہ
کبر سے خود کا بڑھایا مرتبہ

کس لیے میں غیر کے تابع رہوں
کہ میں مالکِ ملک و با اقبال ہوں

ذکر جو گزرا عنایت شاہ کا
جو اکڑ سے اس کی پوشیدہ رہا

جس طرح نمرود رکھا زیرِ پا
جہل و کوری سے عنایاتِ خدا

اس زماں کا وہ کافر و رہزن ہوا
کبر میں دعویٰ خدائی کا کیا

چرخِ پُر عظمت کی جانب وہ چلے
جنگ کرنے تین گدھوں کو لیے

لاکھ وہ اطفال جو معصوم تھے
مارے ابراہیمؑ کو تا پاسکے

اک منجم نے کہا اس سال عدو
ایک پیدا ہوگا تجھ سے جنگ کو

ہو شادی دفع دشمن کے لیے
جو بھی بچہ پیدا ہوگا ماردے

اس کی کوری سے وہ بچہ بچ گیا
خوں دگر بچوں کا اس کے سر رہا

باپ سے پایا تھا اس نے ملک عجب
اور غرور اس کا رہا وجہِ نسب

دوسروں کو باپ ماں پردہ بنے
وہ گہر ور ہے ہماری وجہ سے

گرگِ درندہ ہے نفسِ بد یقیں
کس لیے تہمت دھرے بر ہر قریں

گنجوں کے سر پر یہ ٹوپی گمرہی
کفر سے پُر نفسِ بد ابلہی

اے گدا، میں نے کہا ہے اس لیے
کر نہ دے آزاد سگ زنجیر سے

کتّا کتّا ہے سیدھا ہو بھی کیا
خوار ہے نفس اصل سے وہ ہے برا

کاٹے گر چکّر، ہے تیرا فرض ادا
صحبتِ مرشد میں ہوگا تزکیہ

تا بچائے تجھ کو تنگِ پوست سے
دوست کے پاؤں کا تا موزہ بنے

شرح خبث نفس ہے قرآں سبھی
دیکھ اس میں ہیں کہاں آنکھیں تری

سرکشی کی نفسِ قومِ عاد نے
موشگافی، جنگ بھی کی نبیوں سے

بے ادب، منحوس نفسِ عاد نے
آگ بھڑکائی جہاں کو جھوکنے

اس شہزادے کے قصے کی جانب رجوع جو سرکشی کی وجہ سے ٹوٹے میں پڑا اور اس نے بادشاہ کے قلب سے زخم کھایا اور دوسری فضیلتوں کو مکمل کیے بغیر دنیا سے چلا گیا

قصہ کوتہ آخر اس کا نفسِ کور — چل دیا بعد اک برس کے سوئے گور
محویت سے ہوش میں آیا جو شہ — طیش مریخی نے خوں اس کا کیا
دیکھا ترکش میں شاہِ بے نظیر — دیکھا کم تھا تیر داں میں ایک تیر
ہے کہاں تیر؟ اور رجوع جس سے ہو — بولا اس کے حلق میں وہ تیر تھا
شہ نے گرچہ عفو اس کو کردیا — قتل گہ پر تیر جاکر لگ گیا
مرگیا وہ شاہ رویا آپ بھی — اس نے مارا اور ولی بھی تھا وہی
گر نہ ہو دونوں، نہیں ہو جملہ بھی — مارنے والا بھی رونے والا بھی
شکر کرتا تھا شہیدِ زرد رُو — جسم کو مارا نہ مارا جان کو
آخرش اس جسم کو جانا ہی تھا — کیوں کہ خوش خوش جاں جینا تھا سدا
غصہ جو بھی تھا اتارا پوست پر — دوست کا الزام کیا تھا دوست پر
تھاما گو فتراک اس نے شاہ کا — بد نظر نے روکا اس کا راستہ
سست ان دونوں سے تھے وہ تیسرا — صورتِ و معنیٰ وہ حاصل کرلیا
لڑکی، ملک اور بادشاہی اس نے لی — ہے مناسب گر تعجب تو کرے
قصہ کی طولانی میں ہوں ملول — غرق بحرِ معنیٰ میں میں تو جھول
وجہِ ذِلّ و باعثِ عجز و نیاز — پایا مقصود از کریم کارساز

اس شخص کی وصیت کی مثال جس کے تین لڑکے تھے اور اس نے اپنی میراث سب سے زیادہ کاہل لڑکے کو دی اور قاضی سے بھی کہہ دیا

شخص وہ اک جو قریب المرگ تھا — بار بار اپنی وصیت میں کہا
تین بیٹے، تینوں جوں سروِ رواں — وقف ان کے واسطے جان و رواں

بولا جو بھی مال ہے اور سیم و زر ۔۔۔ لے گا وہ جو ہوگا ان میں سست تر
بولا قاضی و پند اپنوں کو دی ۔۔۔ بعد اس کے موت کی مے اس نے پی
بولے قاضی سے وہ فرزندائے کریم ۔۔۔ حکم کو ٹالیں نہ ہم تینوں یتیم
سن لیا مانا، اسے سب اختیار ۔۔۔ اس کا فرمایا رہے گا پائیدار
ہم ہیں اسماعیل ابراہیمؑ کے ۔۔۔ سر نہ پھیریں چاہے وہ قرباں کرے
بولا قاضی ہر اک اپنی عقل سے ۔۔۔ قصہ اپنی کاہلی کا خود کہے
تا کہ جانچوں کاہلی ہر ایک کی ۔۔۔ جان لوں ہر اک کی حالت تا سبھی
عارفاں دو جگ میں کاہل تر رہے ۔۔۔ کہ بلا کھیتی کے خرمن پا لیے
ہے سہارا کاہلی ان کے لیے ۔۔۔ کام ان کے جب خدا خود ہی کرے
دیکھتے ہی کارِ یزداں کب عوام ۔۔۔ کام میں مصروف ہیں وہ صبح و شام
کارِ دنیا میں وہ سب سے سست تر ۔۔۔ تیز تر مہ سے رہِ عقبیٰ میں پر
ہر ہدایت یافتہ مانے اِسے ۔۔۔ ٹل گئی دنیا ہے عقبیٰ سامنے
پس بڑے سے بولا قاضی بول تو ۔۔۔ قصہ اپنی کاہلی کا مال جو
انتہائے کاہلی کا کر بیاں ۔۔۔ تا ہو کشفِ راز سے مجھ پر عیاں
شرح حدِ کاہلی کی کر بیاں ۔۔۔ تا کہ دیکھوں حد پہنچتی ہے کہاں
بے گماں ہر دل کا پردہ ہے زباں ۔۔۔ پردہ ہل جائے تو ہو باطن عیاں
پردہ چھوٹا جیسے اک ٹکڑا کباب ۔۔۔ جو چھپائے چہرۂ صد آفتاب
گر بیاں کی بات جھوٹی بھی رہے ۔۔۔ جھوٹ سچ کی بو مگر مخبر بنے
باغ سے آئی ادھر ٹھنڈی ہوا ۔۔۔ گرم بھٹی کی طرف سے بھی ہوا
جھوٹ سچ کی بو سے حیراں احمقاں ۔۔۔ مُشک اور لہسن صاف عیاں
لہجہ بولے ہے نفاق اخلاص کیا ۔۔۔ بو کرائے فرق ہینگ اور عود کا
گر نہ دے یارو منافق کا پتہ ۔۔۔ کر تو اپنی حسِ شامہ کا گلہ
ایک تجھ کو ہیں ضعیفہ و نازنیں ۔۔۔ ہے قصور آنکھوں کا تیری بالیقیں

تو نہ بوجھے ایلوا، شکّر اگر — حرف آئے تیری حسنِ ذوق پر
کوّے، بُلبُل ہے گر ایک ہی صدا — ہے قصور اس میں تری شنوائی کا
گر تجھے ساہی، سمور ہیں ایک ہی — جان حسِ لمس بھی تجھ سے گئی
بانگِ نامرداں و مردانِ دلیر — ہے جھپٹ اس طرح جوں روباہ وشیر
پہلے تو اپنی حِسوں کا چارہ کر — پھر طلب کی رہ میں اپنا گام دھر
یہ زباں ہے جیسے ڈھکّن دیگ کا — گر ہلے معلوم ہو پکتا ہے کیا
بھاپ سے جانے ہوں جس کے ہوش تیز — آش کھٹّی اس میں ہے یا میٹھی چیز
ہاتھ پھیرا مولتے دم جب فتیٰ — وہ تڑخ جو دیگ میں تھی پالیا
پوچھا صاحب درد سے کوئی بتا — کتنے وقت میں مرد کو پہچانے گا
بولا پالیتا ہوں فوراً بات سے — نہ بھی بولے تین دن بس جاننے
دوسرا بولا میں جانوں بات سے — گر نہ بولے پیچ میں ڈالوں اسے
بولا گر اس مکر کو وہ جان لے — وہ زباں کو بند رکھے چپ چلے
بولا جا ہفتم زمیں تک پارجا — حال اس کا تا ابد چھپ جائے گا
حالِ اک تن گر نہ جانوں ہوگا کیا — کون سا نقصان ہوگا دین کا

مثل

اس طرح جوں ماں نے بچے سے کہا — جو بھی صورت خواب میں تو دیکھے گا
''یا بگورستاں وہ جائے سہمگیں'' — تو خیالِ بد اگر دیکھے کہیں
دل قوی رکھ حملہ کردے اس پہ تو — پھیر لے گا تجھ سے فوراً اپنا رو
جو بلا خوف اس کی جانب جائے گا — وہ خیالِ دیو صورت بھاگے گا
بولا بچہ اُس خیالِ دیو کو — گر کہا ہو اس کی ماں نے جیسے تُو
حملہ کرکے میری گردن پر پڑے — کیا کروں میں اپنی ماں کے حکم سے
ڈٹ کے رہنے کو کہے ایسے میں بھی — دیو بد کی بھی تو ماں ہوگی کوئی؟

دیو مردم کو سکھائے اک وہی غالب آئے گر نہ ہو دشمن قوی
وہ توجہ چاہے جس جانب بھی ہو اللہ اللہ جا اسی کی سمت تو
بولا گر وہ مکر سے ہو لا کلام حیلوں کو پہچانتا ہے وہ ہمام
پھرتو کیوں پائے گا اس کے راز کو بولا خاموش بیٹھے ہوں گا رو برو
صبر کی سیڑھی وہاں تک میں کروں تا سرِ بامِ کشائش چڑھ سکوں
انتہا ہر صبر کی کیا ہے؟ ظفر اور ہر تلخی کا حاصل ہے شکر
جوش میں آئے گا دل اس کے حضور ہوں گی باتیں غم و شادی سے دور
جانتا ہوں کس نے بھیجا ہے اُسے جوں سہیل آیا یمن کے واسطے
آگے اس کے رتبہ کے گردن ہے خم جسم و دل پر میرے کیا احساں ہیں کم
پہنچا میرے دل میں یہ اس کا کہا کیوں کہ دل کو دل سے ہے اک راستہ
گر پڑا روزن سے دل کے آفتاب ختم شد واللہ اعلم بالصواب

ان کے صاحبزادے عارف کامل محقق مولانا بہاء الملۃ والدین قدس سرہٗ کا اختتام

میرے والد نے اک عرصہ مثنوی بند کردی، پوچھا ان سے جیتے جی
بات کیا ہے کیوں نہیں جاری سخن کیوں کیے بند وہ درِ علمِ لدُن
قصہ شہزادوں کا باقی رہ گیا تیسرا موتی وہ ناسفتہ رہا
جوں شتر گویائی میری سوگئی تا بہ محشر پھر نہ بولی جائے گی
صرف اس کی شرح باقی رہ گئی بند ہے اندر وہ نہ باہر آئے گی
گویائی اس جا پہنچ کر سوگئی کہتی ہے بس گفتگو اب بند کی
وقتِ رحلت کودنے والی ہے جو كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهُ
اب بقایا ہوگا ظاہر بے زباں دل میں اس کے رکھتا ہے جو زندہ جاں
گفتگو آخر ہوئی اور عمر بھی چھوٹنے کی تن سے خوشخبری ملی
اب جہانِ جاں میں جولانی کروں چھوڑ کر نم کو سمندر میں چلوں

یہ جہاں خوش نم ہے اور ہے زندہ جاں
شاد گُلّی ہم سے نم پا کر وہاں

خاک بانم سے یہاں ہے زندہ جاں
اُس جہانِ نم سے کیوں ہوگی وہاں

اس نمی سے جیسے جاں ہے اندر آ
بحرِ جاناں میں کہ تو پائے بقا

کیوں کہ بحرِ جاں کی ہے اُس جا نمی
وہ شرف پائے تو رہ سے جان کی

تا کہ لے جائے وہاں وہ ہے جہاں
خاک کے اندر سمندر ہے کہاں

خاک کا ہر جز و خاکستان جائے
موجِ بحرِ جاں سوئے جاناں جائے

جان و دل سے دِلِ جاناں کر طلب
ہونٹ تالو کے بنا لے نامِ رب

ترک کر یہ قید یہ فانی جہاں
جا جہانِ جاں میں بسنے جاوداں

خاکِ شورہ میں نہ بو بیج عمر کے
ورنہ آخر تو ہلاکت میں پڑے

اپنی ایسی پیاری عمرِ بے بہا
کس لیے ضائع کرے تو بے صلہ

کیا نہیں نقصان یہ اے مردِ کار
دے کے گلشن گر تو مول لے خارزار

عمر جو دنیا میں گزری نہ رہی
مرحبا آواز جس کو حق نے دی

عمر تھوڑی گن کے دے گا تو سبھی
در رہِ حق ہو تو ہو نا منتہی

بے شمار اور حد نہی جس کی کوئی
عمر دس دن کی جو طاعت میں کٹی

سودا کر لے تو اب اس بازار سے
ایک کانٹے کے عوض گل لاکھ لے

ایک دانے کے عوض تو سو ہزار
دانے پائے گا زفضلِ کردگار

ہے جہاں آخر وہاں ہوگا شمار
ہے شمار اس جا جہاں ہے کردگار

اپنے کُل کی سمت چل جزوِ جدا
کر خودی کو رد خدا میں بھاگ جا

جسم ہے جیسے سبو اس میں تو آب
صلح و جنگ و گفتگو میں جوں حباب

بلبلے جوں یہ نقوش اور یہ صور
اندر اس آبِ نہاں کے اے نامور

جیسے کف آبِ نہاں کی سطح پر
تا کہ ہو رازِ دروں پیشِ نظر

پکتی ہانڈی بوئے خوش گرمی اِدھر
خوردنی اشیا اُدھر تنّور پر

کوئی شیرینی ہے یا ترشی وہاں
کیا ہے وہ جائیں گے سب پیر و جواں

یوں ہی کیا ہیں قول و فعلِ مردماں — ہوں گے ظاہر یہ بھی کیوں ہے ان کی جاں
جان و رتبہ کیسا ہے اس کا بھی کیا — مومن و کافر ہے یا از اولیا
ہو سبو کے آب کا دریا مدار — آب شیریں ورنہ ہوگا ناگوار
ٹھہرا پانی ہوتا ہے کب کام کا — رنگ، بو اس کا مزا کھوجائے گا
بولے آقا جس کے دو دن ایک سے — اس کو ٹوٹا اور وہ شک میں پڑے
بے یقیں کی زندگی سب ابلہی — جیسے تھیلا پر ہوا سے پر تہی
سامنے سے پیچھے پیچھے جائے گا — اپنے صافی کو وہ تلچھٹ پائے گا
رنج ہوگا اس کا بدتر ہر گھڑی — اور بنے وہ زشت ابتر ہر گھڑی
سوئے دوزخ جائے ہوکر ردِ باب — بحرِ شیریں سے سوئے نار و عذاب
اس سے پہلے کہ تو پہنچے اُس جگہ — ہر گھڑی واپس ہی ہوتا جائے گا
اصل کی جانب تو چل مثلِ خلیلؑ — ترک کرتے تو ستارہ چرخ نیل
چاند اور سورج کو یونہی روندتے — رکھ سر اپنا آگے اس درگاہ کے
چھوڑ دی اپنی خودی پیشِ خدا — تا نہ ہو ابلیس کی صورت جدا
بحرِ جاں میں ڈال دے تو اپنی جاں — تا بنے دریائے بے حد و کراں
قصہ کوتہ کر چلا اندر حجاب — ہاں خمش واللہ اعلم بالصواب
شکر مضموں خاکہ کو جا لگا — وہ چلا اور بھائیوں نے پالیا
سیڑھی ہے خود آسمانی یہ کلام — جو چڑھے اس پر چلے بالائے بام
یہ نہیں نیلے فلک کے واسطے — آسمانوں سے پرے لے کر چلے
ہے میسر چرخ کو اس سے غذا — وہ اسی خواہش میں ہے گرداں سدا

◆◆◆

زیرِ نظر کتاب ''مثنوی مولانا روم'' اب تک کے شعری و ادبی کارناموں میں شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ مولانا جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ کی مثنوی کا منظوم ترجمہ ہے۔ مذکورہ کتاب چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ ''مثنوی مولانا روم'' جو رہتی دنیا تک ابنائے آدم کی رہبری و ہدایت کے کام آئے گی۔ یہ علمی و عملی دینیات یعنی فقہ و تصوف دونوں کا مجموعہ ہے۔ جس طرح فقہ احکام دینیہ ظاہری کا مجموعہ ہے ویسے مثنوی شریف تصوف کی جان ہے۔ یہ کتاب سینوں کے خلجان کے لیے شفا بخش، غموں کو زائل کرنے والی اور قرآن مجید کے مطالب کو حل کرنے والی نیز گہرے مسائل اور سلوک میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کو رفع کرتی ہے۔ ''مثنوی مولانا روم'' شہرت و کامیابی کا ایک اہم ریکارڈ رکھتی ہے۔ یہ کم و بیش چار سو برس سے علما، صوفیہ اور اہل دانش کے درمیان مقبول ہے۔ علمی و روحانی محفلوں میں اس کے اشعار سننے کو ملتے ہیں۔ جس سے روحانی کیف اور سرور حاصل ہوتا ہے۔

صاحب مثنوی، مولانا محمد جلال الدین رومیؒ ایک عظیم عالم اور بے مثال صوفی و شاعر ہیں۔ آپ 604ھ مطابق 1207 میں بلخ میں پیدا ہوئے۔ مولانا میں بچپن ہی سے روحانی کیفیات پائی گئیں۔ کبھی کبھی گھبراہٹ اور پریشانی سے تڑپ جاتے تو آپ کے والد کے مریدین اور شاگرد سنبھالتے۔ مولانا رومی اپنے والد صاحب کے زیرِ تربیت رہے اور انھی سے ظاہری و باطنی علوم حاصل کرتے رہے۔ علوم دینیہ سے گہرا شغف گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ ان کی تصنیفات میں مثنوی شریف، دیوان منظوماتی تصانیف اور ملفوظات (فیہ مافیہ) وغیرہ شامل ہیں۔

سید احمد ایثار نے محنت اور عرق ریزی کے ساتھ فارسی سے اردو نظم میں منتقل کر کے علم و ادب کی تاریخ میں اپنا نام درج کرا لیا ہے۔ انھوں نے منظوم ترجمے میں اس بات کا پورا لحاظ رکھا ہے کہ وہ کہیں اصل سے دور نہیں ہوئے ہیں۔ ایک ایک لفظ کا ترجمہ رواں، سلیس اور مطابق اصل ہے۔ ان کا یہ منظوم ترجمہ اردو داں طبقے کے لیے اصلاح و تربیت کا بہترین وسیلہ بنے گا نیز فارسی سے اردو تراجم اور فقہ و تصوف سے تعلق رکھنے والے طلبا کے لیے ''مثنوی مولانا روم'' مفید ثابت ہوگی۔

ISBN: 978-93-89612-10-3

9 789389 612103

NCPUL
New Delhi

Set for
ISBN: 978-93-89612-11-0

₹ 780/-
(Set)

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی، 33/9،
انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولا، نئی دہلی ۔ 110025